خانوادہ مفتی محمد عمر نعیمی

حیات و خدمات

ناشر: مفتی محمد عمر نعیمی ٹرسٹ ناظم آباد کراچی

خانوادہ مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

(حیات و خدمات)

افادات

مفتی محمد اطہر نعیمی

اعزازی خطیب آرام باغ مسجد کراچی

وسابق چیئرمین مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی

وسابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان

مرتب

ڈاکٹر حامد علی علیمی

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

ناشر

مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ٹرسٹ، کراچی

(ناظم آباد نمبر ۴، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

اِس کاوشِ قلم کو **صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی** رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات سے معنون کرتا ہوں، جن کی ساری زندگی مجاہدانہ تھی، خدمتِ دین متین کے لیے انتھک جہدِ مسلسل کرتے رہے اور استقامتِ غیر متزلزل شامل حال رہی۔ جن کی روشن کی ہوئی شمعیں آج بھی مثل آفتاب نیمروز ہیں اور علمِ دین کے پروانوں کو فیض یاب کر رہی ہیں، جن کی نظرِ کیمیانے مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو **"تاج العلماء"** بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے فیوض وبرکات سے وافر حصہ عطا کرے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَلَا تُحْرِمْنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
عَنْ زِيَارَةِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ بِجَاهِ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ
عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوَاتِ وَالتَّسْلِيْم آمین۔

مرتب (عفی عنہ)، کراچی

فہرستِ مضامین

عرضِ مرتب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

أَمَّا بَعْدُ:

علماء کرام کے تذکروں پر اب تک بے شمار کُتب ورسائل دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ ۲۶ / ذوالحجۃ، ۱۴۳۴ھ، بمطابق ۱۶/ اکتوبر/ ۲۰۱۳ء کی بات ہے، جب راقم الحروف نے **"گلستانِ اہلسنت سندھ"** کے نام سے علماء ومشائخ اہلسنت کی خدمات کو مرتب کرنے کے لیے ایک سوال نامہ تیار کیا، تاکہ اس سلسلہ کے تحت اُن علماء ومشائخ کرام کی حیات وخدمات کو قلم بند کیا جائے، جن کے حوالہ سے مواد نہیں ملتا، خواہ وہ بقیدِ حیات ہوں یا وصال فرما گئے ہوں۔ چنانچہ اس کا آغاز عروس البلاد شہر کراچی سے کیا، الحمد للہ اس سلسلہ کے تحت پہلے پہل سیاحِ عالم حضرت علامہ ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری القادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر پہلی بار اردو زبان میں تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب بنام "شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری القادری رحمۃ اللہ علیہ (حیات وخدمات) کو اِدارۂ تحقیق ونشریاتِ اسلامی، کراچی کے تحت شائع کرایا۔

اسی دوران کراچی کے مختلف علماء کرام کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی، ایک دن دار العلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں بقیۃ السلف مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ گلستانِ اہلسنت سندھ کے سوال نامہ کو پُر فرما دیں۔ حضرت نے اُسی وقت سے اُسے پُر کرنا شروع کیا اور ہمیں اُس کی ایک نقل عنایت کر دی۔ الحمد للہ یہ انٹرویو ماہنامہ معارفِ رضا کراچی میں دسمبر ۲۰۱۴ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

ہم نے اس کو نیک فال تصور کرتے ہوئے، قبلہ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب سے درخواست کی کہ حضور! اپنے والدِ ماجد مفتی محمد عمر نعیمی معروف بہ 'تاج العلماء' رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے بارے میں بھی ہمیں کچھ تحریر کر دیں۔ مفتی صاحب نے باوجود اپنی پیرانہ سالی اور دیگر مصروفیات کے، ہمیں چند دنوں میں اپنے والدِ ماجد کے بارے میں اتنا کچھ لکھ کر دیا کہ خوشی کی انتہا نہ رہی۔ لہٰذا راقم الحروف نے بلا تاخیر اُس مبارک تحریر کو کمپوز کیا اور عنوانات وغیرہ قائم کر کے مفتی صاحب کو نظرِ ثانی و مزید اِضافہ کے لیے پیش کیا، حضرت مفتی صاحب نے اس کام میں کچھ مزید نئے اُمور کو شامل فرمایا اور راقم کو واپس کر دیا اور یوں یہ خوبصورت تذکرہ طباعت کے مراحل سے گزرتا ہوا مکمل ہو کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کون؟

مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے 'مفتی و محدثِ اعظم سندھ' تھے۔ علمِ حدیث کی شمع کو فروزاں رکھنے کے لیے آپ نے ایسے تلامذہ کو تیار کیا، جو آج تک اس فیض کو طلبہ کے سینوں میں منتقل کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ آپ اپنے وقت کے ایک زبر دست فقیہ بھی تھے، عوام کے علاوہ علماء کرام بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو 'تاج العلماء' کے عظیم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا آج تک کوئی جامع تذکرہ مرتب نہیں ہوا، مختصر طور پر اہلِ علم نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی کوشش

ضرور کی ہے۔اُمید ہے کہ زیرِ نظر تحریر اُن کی حیات و خدمات پر ماخذِ اول ثابت ہو گی اور آنے والے محققین کے لیے رہنمائی کا کام انجام دے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
(مرتب عفی عنہ)

ابتدائیہ

(مفتی محمد اطہر نعیمی خلف تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وعلیٰ آلہ الطیبین وصحبہ المھدیین اجمعین

ناظرینِ گرامی میں عزیزی حامد علی علیمی پی۔ایچ۔ڈی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے وہ کام کر دیا، جو مجھے انجام دینا تھا اور میں نہ کر سکا تھا۔ عزیزی نے تاج العلماء کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں ان کی محنت، مشقت، بزرگوں کے ساتھ حُسنِ عقیدت اور علمی صلاحیت کار فرما رہی ہے، میں نے ان کو زبانی بتایا اس کو انہوں نے مضمون کے قالب میں ڈھالا، اسی کو فارسی میں کہا گیا: "پدر نتواند پسر تمام کند"، عزیزی حامد براہِ راست میرے شاگرد نہیں وہ اپنی صلاحیتوں کے نکھارنے اور بزرگوں کے ساتھ عقیدت مندی کے سلسلے میں اکثر وبیشتر میرے پاس آتے رہتے ہیں، کبھی اُن کے ہاتھ میں موبائل ہوتا ہے، کبھی قلم وکاغذ، وہ گفتگو کو ریکارڈ اور قلم بند بھی کرتے رہتے ہیں، انہیں قدرت نے جو صلاحتیں عطا فرمائی ہیں، ان کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے رہتے ہیں۔

گذشتہ دنوں انہوں نے حضرت علامہ مولانا فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کتاب مرتب کی، وہ اُن کی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے، حالانکہ انہوں نے نہ تو مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا نہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو، لیکن مؤمنانہ فراست کے سبب فاضل

مضمون نگار نے آپ کے ذوقِ علمی کی تسکین کے لیے یہ صفحات پیش کیے ہیں، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ میں پرودگار کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ بزرگوں سے جو سیکھا تھا، وہ موجودہ نسل کو سکھاؤں۔ حضرات یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے یہ شعر یاد آرہا ہے:

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے! نکما تیرا

محمد اطہر نعیمی خلف تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی،
کراچی، ۲۲/ ذوالقعدہ، ۱۴۳۶ھ، بمطابق ۷/ ستمبر، ۲۰۱۵، بروز پیر

مفتی و محدثِ اعظم، تاج العلماء

مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تذکرہ مراد آباد:

شہر مراد آباد اپنی تاریخ، ثقافت، صنعت و تجارت کے ساتھ ساتھ 'مردم خیزی' کے اعتبار سے بھی ہندوستان کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ شاہ جہاں کے بیٹے شہزادہ مراد بخش نے اس شہر کو ۱۶۰۰ء میں اتر پردیش میں آباد کیا، یہی وجہ ہے کہ اسے 'مراد آباد' کہا جانے لگا۔ یہ شہر دہلی سے ۱۶۷ کلو میٹر کی مسافت پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع ہے۔ ہندوستان کے اس خطہ میں عالمِ اسلام کی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں، جنھوں نے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت کے بے مثال کام سرانجام دیے۔ ان میں صدر الافاضل، فخر الاماثل مولانا سید نعیم الدین اشرفی مراد آبادی اور تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کے نام بھی سرِ فہرست ہیں۔ بیسویں صدی میں اِن دونوں کی دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور قیامِ پاکستان کے حوالہ سے جو خدمات ہیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے مختلف پہلوؤں پر مفصل اور کہیں مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

نیک باپ کی برکات:

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد میں نیک سیرت واعلیٰ کردار کے حامل افراد کا ذکر ملتا ہے، جو اپنی دیانت، لیاقت اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اپنے وقت میں جانے پہچانے جاتے تھے۔ تاج العلماء کی شخصیت میں ان حضرات کی اعلیٰ صفات

کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ "نیک باپ" کی برکات اُس کی آنے والی نسلوں کو بھی ملتی ہیں۔ اس بات پر قرآن کریم کی سورۂ کہف دلیل ہے، چنانچہ قرآن کریم میں حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ تھا، حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا اس واقعہ کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ
[الکہف۱۸: (۸۲)]

ترجمہ: (حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:) رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کے مکان کی تھی اور اس کے نیچے اُن کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے۔

تفاسیر میں ملتا ہے کہ ان دونوں یتیم بچوں کے نام اصرم اور صریم تھے جبکہ ان کے پرہیز گار والد کا نام کاشح تھا۔ اُن کے گھر کی دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا، چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں سونے کی ایک تختی تھی اس پر ایک طرف لکھا تھا: اُس کا حال عجیب ہے جسے موت کا یقین ہو، اس کو خوشی کس طرح ہوتی ہے، اُس کا حال عجیب ہے جو قضا و قدر کا یقین رکھے، اس کو غصّہ کیسے آتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جسے رزق کا یقین ہو، وہ کیوں تعب میں پڑتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جسے حساب کا یقین ہو، وہ کیسے غافل رہتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جس کو دنیا کے زوال و تغیّر کا یقین ہو، وہ کیسے

مطمئن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لکھا تھا: لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور دوسری جانب اس لوح پر لکھا تھا: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں، میں نے خیر وشر پیدا کی، اس کے لیے خوشی جسے میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر خیر جاری کی، اس کے لیے تباہی جس کو شر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر شر جاری کی"[1]۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کا باپ صالح تھا، اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ باپ اُن کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں"[2]۔

نیز حضرت محمد ابنِ منکدر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی سے اس کی اولاد کو اور اُس کی اولاد کی اولاد کو اور اُس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے[3] (سبحان اللہ)۔

لہٰذا ہمیں اُمید ہے کہ جس طرح تاج العلماء نے اپنے اجداد کی برکات حاصل کیں، اُسی طرح یہ برکات اِن کی اولاد، متعلقین، محبین اور متوسلین بھی صبحِ قیامت تک

۱؎ محمد نعیم الدین مراد آبادی، خزائن العرفان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، تفسیر سورۂ کہف، آیت ۸۲، ص ۵۴۴۔

۲؎ محمد ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، کشمیر انٹر نیشنل پبلیشرز، لاہور، طبع دوم ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء، حصہ اول، ص ۱۰۴۔۱۰۵۔

۳؎ خزائن العرفان، ص ۵۴۴۔

حاصل کرتے رہیں گے، کیونکہ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ (یعنی: یہ برکات نازل کرنا اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ہے)۔

خاندانی پس منظر:

خاندانی پس منظر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ نے فرمایا: ''سوال بہت تفصیل طلب ہے، اس پیرانہ سالی میں سو(۱۰۰) سال اور اُس سے قبل کے سُنے ہوئے واقعات کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ صفحات پر منتقل کرنا، ضبطِ تحریر میں لانا یا لکھوانا مشکل ہے، چند واقعات جو یاد آتے جائیں گے، پیش خدمت ہوں گے۔ مفتی محمد عمر کے والد کا نام محمد صدیق ہے، اُن کے والد کا نام یاد نہیں۔ آپ کے والد محمد صدیق اور اکثر بزرگ عمارتی لکڑی کے تاجر تھے اور شہر کے بڑے تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس دور میں مراد آباد میں عمارتی لکڑی کا بازار دریائے ''رام گنگا'' کے قریب ہوتا، ایک مرتبہ سیلاب کے سبب عمارتی لکڑی کا بازار دریا بُرد ہو گیا۔ اس کا اثر محمد صدیق مرحوم پر ہوا، کاروبار تباہ ہو گیا، کوشش کے باوجود پہلی سی کیفیت تو نہ آسکی لیکن گزارا ہونے لگا۔

محمد صدیق کے ایک بھائی محمد خلیق خوش قسمت تھے، اُن کا کاروبار سنبھل گیا۔ راقم الحروف (محمد اطہر نعیمی) نے محمد خلیق صاحب کو دیکھا تھا۔ تاجر ہونے کے سبب غیر مسلموں سے بھی بہت اچھے مراسم تھے۔ ان کا انتقال ۱۱/ ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ بروز پیر بمطابق ۳۱/ جنوری ۱۹۵۰ء بوقت تین بجے دن ہوا، نمازِ عشاء کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور شاہ بلاقی صاحب کے مزار کے قریب قبرستان میں تدفین عمل میں آئی تھی۔ جب ان

کا انتقال ہوا، تو جنازہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی شریک تھے۔

محمد صدیق صاحب کے ایک بھائی محمد شفیع صاحب اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور ۱۵/ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں انتقال کر گئے تھے، نیز ایک بھائی محمد رفیق نے عسرت کی زندگی گزاری۔

میری معلومات (یادداشت) کے مطابق ہم لوگ مراد آباد ہی کے رہنے والے تھے، لیکن جس گلی (چھوٹی سڑک) میں ہمارے مکانات تھے، وہ "سنبھل والی گلی" کہلاتی تھی، ہو سکتا ہے کہ اسلاف سنبھل سے آکر اس علاقہ میں مقیم ہو گئے ہوں اور اُن کی وجہ سے سنبھل والی گلی کہلائی۔ سنبھل مرا آباد کی ایک تحصیل تھا،(موجودہ دور میں اس کو تعلقہ کہتے ہیں)۔ یہ ایک قدیم بستی تھی، جس کے متعلق چند باتیں مشہور تھیں،(یہ میرا موضوع نہیں، جو تفصیل میں جاؤں)۔ پرتھوی راج کے دور میں یہ تحصیل شہرت کی حامل رہی تھی۔ میری یادداشت کے مطابق، کاروبار کی تباہی کے بعد میرے دادا اپنے سسرالی مکان میں آگئے تھے اور اسی مکان میں آخر عمر تک رہے۔ خاندانی حالات اِدھر اُدھر سے جو سُنے تھے، لکھوا رہا ہوں، والدِ محترم مفتی محمد عمر نعیمی صاحب کو اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی، جو اس موضوع پر کچھ پتہ چلتا۔

دورانِ گفتگو قبلہ مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ نے بتایا کہ جن حالات میں تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے اہل وعیال پاکستان آئے اور گھر کے ساز وسامان کے علاوہ کتابیں اور علمی کاغذات مراد آباد چھوڑ آئے، اس کا اعادہ کرنا ممکن نہیں، وہ کہاں گئے؟ کس نے قبضہ کیا؟ یہ ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں، حالانکہ والد صاحب، میں اور والدہ صاحبہ نے کئی سفر ہندوستان کے کئے

تھے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ نہ یہ وہم و گمان میں تھا کہ آئندہ دور میں یہ واقعات ضبطِ تحریر میں لائے جائیں گے، ورنہ یہ تمام واقعات ضبطِ تحریر میں لانے کا انتظام کیا جاتا۔

دادا صاحب نے دو شادیاں کی تھیں، سُنا تھا کہ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اُن کے انتقال کے بعد دوسری شادی میری دادی سے ہوئی، جو مرحومہ کی چھوٹی بہن تھیں، جب کہ میں نے شاید سابقہ سطور میں لکھا ہے کہ دادا صاحب سسرالی مکان میں رہنے لگے تھے۔ دادا صاحب کی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی، والدِ محترم کی ولادت سے قبل اُن کے نانا غالباً اُن کا نام کرامت علی تھا، نے منت مانی کہ اگر میری بیٹی کو اللہ تعالیٰ اولادِ نرینہ دے اور وہ زندہ رہے تو اس کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا، اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔ کرامت علی صاحب کا انتقال ۱۲/ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ بروز ہفتہ بمطابق ۲۷/ اکتوبر، ۱۹۱۷ء ہوا، جبکہ ان کی زوجۂ محترمہ (تاج العلماء کی نانی صاحبہ) نے ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ بروز جمعرات بمطابق ۲۰/ جولائی ۱۹۱۶ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

والدِ محترم کی ولادت کے بعد چار بیٹیاں اور ہوئیں اور وہ زندہ رہیں، پہلی بیٹی تو (راقم الحروف کی یاد سے) پہلے مرادآباد میں انتقال کر گئی تھی، دو بیٹیاں کراچی میں آسودۂ خاک ہوئیں اور ایک تقسیمِ ہند کے وقت مظفر نگر میں مقیم تھیں اور غالباً وہیں اُن کا انتقال ہوا۔

شہیدِ جنگ آزادی مولانا کافی اور شیخ کرامت علی رحمۃ اللہ علیہما:

شہیدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء مولانا کفایت علی کافی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک عظیم مجاہد اور مصلح تھے، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "سلطانِ نعمت" فرمایا ہے، ہوا یوں کہ جب آپ نے مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سُنا، تو فرمایا:

کافیؔ 'سلطانِ نعت' رضا، ان شاء اللہ میں 'وزیرِ اعظم'

اس عظیم مجاہدِ آزادی اور بطل جلیل کو فرنگیوں نے مراد آباد جیل کے سامنے میدان میں، مجمعِ عام میں پھانسی دی۔ ایک روایت کے مطابق سُنا گیا کہ ایک پارک کے درخت میں آپ کی نعش (لاش) کو لٹکایا گیا اور کئی روز کے بعد اُتارا گیا، اِس دوران پارک مشک کی خوشبو سے مہکتا رہا تھا۔ سرکارپرستوں نے خوف سے لاش کو اُتارا اور وہیں کسی مقام پر رات کی تاریکی میں تدفین کر دی۔ دفن کے سلسلے میں عوام الناس کے درمیان مختلف روایات ملتی ہیں، تاہم تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی اپنے نانا شیخ کرامت علی صاحب (متوفیٰ ۱۳۳۶ھ) کے حوالے سے ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ مولانا کافی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جسدِ خاکی تدفین کے تقریباً تیس سال کے بعد قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کیا گیا، جب قبر کھلی تو دیکھا کہ حضرت کافی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جسم اطہر ویسے ہی تھا، جیسا کہ شہادت کے وقت، حشرات الارض سے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، اس کرامت کو سُن کر وہاں کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوگئے اور اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا۔ مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مزید بتاتے تھے کہ ان کے نانا شیخ کرامت علی صاحب ٹھیکیدار نے جسدِ خاکی کو جیل خانہ کے سامنے میدان میں دفن کر دیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک دوسری شہادت مولوی سید ظفر الدین احمد مرحوم بن صدر الافاضل حاجی سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سڑک اس مقام سے نکالی جارہی تھی اور مولانا کافی شہید کے مزار کا نشان نمایاں نہیں تھا، مزدور کام کر رہے تھے کہ مولانا کی قبر کھل گئی اور مزدور کا پھاوڑا مولانا کافی شہید کی پنڈلی پر لگا، جس کی وجہ سے خون نکل آیا، جسم اطہر ویسا ہی تھا جیسا شہادت کے وقت تھا، بزرگ

لوگوں نے چہرۂ مبارک دیکھ کر شناخت کر لیا اور بھاری تعداد میں لوگ زیارت کرنے دوڑ پڑے۔ مزدوروں نے اس کا ذکر انجینئر سے کیا، وہ خود آیا اور شہید کے جسم کو صحیح سلامت دیکھ کر ڈر گیا اور احتراماً عوام کر ہٹا کر قبر پر دوبارہ تختہ وغیرہ لگوا کر بالکل ٹھیک کرا دیا اور سڑک کا رخ تبدیل کر دیا، جس کی وجہ سے سڑک میں کچھ ٹیڑھ پن پایا جاتا ہے، البتہ جسم کہیں منتقل نہیں ہوا تھا[۴]۔ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب کا کہنا ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد بھی آپ کا مزار موجود تھا۔

ولادت:

محمد عمر نعیمی کی ولادت ۲۷/ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ، بمطابق ۷/ اکتوبر ۱۸۹۳ء بروز منگل مراد آباد (انڈیا) جیسے مردم خیز شہر میں ہوئی[۵]۔ صاحب زادہ محمد انفس نعیمی نے ہمیں جو عکسی نوادرات بھیجے، اُن میں ایک جگہ یہی لکھا ہوا ہے: 'تاریخِ ولادتِ عمر سلّمہ، ۲۷/ ربیع الآخر سن ۱۱ھ'۔

جبکہ قبلہ مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ نے اپنی 'ڈائری'[۶] میں، جس میں خاندان والوں کے کوائف رقم ہیں، یوں لکھا ہے: 'تاریخِ ولادت والدِ محترم قدس سرّہ ۱۱/ ربیع الآخر سن ۱۱ھ'۔ اس اعتبار سے عیسوی تاریخ ۲۱/ اکتوبر ۱۸۹۳ء بروز ہفتہ ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[۴] مولانا یٰسین اختر مصباحی، چند ممتاز علمائے انقلاب (۱۸۵۷ء)، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی، طبع دوم ربیع الاول ۱۴۲۹ھ / مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۱۔ ۱۰۲۔

[۵] ملاحظہ ہو تذکرہ اکابرِ اہلسنت، از عبد الحکیم شرف قادری، اویسی بک سٹال گجرانوالہ، ص ۴۹۶۔

[۶] مفتی صاحب کی اس ڈائری کے پہلے صفحہ پر یوں لکھا ہے:

=

نام ونسب:

نام محمد عمر (نعیمی) بن محمد صدیق ہے۔ آپ کے والد محمد صدیق ۴؍ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ کو راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ (مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:) والد صاحب کے نانا شیخ کرامت علی نے، جو ٹھیکیداری[1] کرتے تھے، نومولود کا نام سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے نسبت اور برکتوں کے حصول کے لیے "محمد" رکھا اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے عرفیت "عمر" رکھی۔ زمانہ کی روش کے مطابق "محمد عمر" نام ہوا۔ کنیت کا عرب کی طرح رواج نہ تھا، اس لیے کنیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حلیہ مبارک:

میرے والد گرامی درمیانہ قد، کشادہ پیشانی، خوبصورت چہرہ اور صاف رنگت کے حامل افراد میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زہد وتقویٰ اور عمدہ اخلاق کا گویا پیکر بنایا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سُنت نبوی کی پیروی میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔

=

یلوح الخط فی القرطاس دھراً وکاتبه رمیم فی التراب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

اہلِ خانہ کی پیدائش واموات کی تاریخیں جو والد صاحب قدس سرہ کی کاپی سے نقل کی گئیں اور بعد میں وقتاً فوقتاً تحریر کی گئیں۔

(بیان کردہ) محمد اطہر نعیمی ۸/ ۲۰، ڈی ناظم آباد، کراچی

۲۶؍ اپریل، ۱۹۷۳ء

[1] مفتی اطہر نعیمی صاحب نے بتایا کہ عمارتی تعمیرات کا کام ایک شریک کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ مرتب

لقب:

لقب ''تاج العلماء'' ہے، اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ہم نے مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب حفظہ اللہ سے پوچھا گیا، تو یوں فرمایا: سوال نامہ میں ایک سوال لقب ''تاج العلماء'' سے متعلق ہے۔ تاج العلماء کی کارکردگی درس وتدریس، السواد الاعظم کی اِدارت، جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی انتظامی خدمات، آل انڈیا سُنی کانفرنس میں صدر الافاضل کا نائب ہونے کے سبب کی گئی خدمات، شہر اور دوسرے مقامات پر معاشرتی، دینی خدمات، بزرگوں کی مراد آباد آمد پر پذیرائی، غیر منقسم ہندوستان میں غیر اسلامی تحاریک کا سدِ باب اور ذاتی تقدس، یہ وہ اسباب تھے، جن کے سبب علماء ومشائخ کی نظروں آپ کی قدر ومنزلت تھی۔

خود صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خوبیوں کے معترف تھے اور ایسے موقع کے منتظر کہ علماء وصلحاء کا مجمع ہو اور مفتی محمد عمر نعیمی اس اعزاز سے نوازا جائے، چنانچہ ایک دن مفتی صاحب اور راقم الحروف (محمد اطہر نعیمی) حسبِ معمول نمازِ عصر کے بعد صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موجود تھے، عصر کی نماز کے بعد صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حاضری کی عام اجازت تھی، صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کی موجودگی میں راقم الحروف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابا جان سے فرمایا: مولانا! اس کی شادی میری زندگی میں کرلیں (بات طویل ہو رہی ہے، اختصار کے ساتھ) صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان تاج العلماء کے لیے دنیاوی اُمور میں حرفِ آخر ہوتا تھا، چنانچہ ۱۵ دن کے قلیل عرصہ میں شادی ہوئی، نکاح کی محفل میں اعزہ واقارب کے علاوہ علماء وصلحا بھی شریک تھے۔ خطبۂ نکاح اور ایجاب وقبول کے بعد سہرہ خوانی ہوئی، اس کے بعد صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک خوشخبری اور علماء وصلحا اور دینی

اربابِ علم کی قدر دانی اور اپنی خواہش کے مطابق میں مفتی محمد عمر نعیمی کو "تاج العلماء" کا خطاب دیتا ہوں۔

ابتدائی تعلیم:

محلہ میں ایک صاحب ٹیوشن پڑھاتے اور ایک چھوٹا سا مکتب بھی کھول رکھا تھا، ان کا نام منشی شمس الدین تھا، پڑھائی کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔ شمس الدین صاحب سے متعلق ایک واقعہ، جو میرے مضمون سے متعلق نہیں، بچپن میں سُنا تھا، بتانا چاہوں گا۔ مراد آباد میں ایک نابینا جن کا نام بھی محمد صدیق تھا، شہر کے لوگ انہیں "اندھے صدیق" کہتے تھے، پیشہ طبابت تھا۔ شمس الدین صاحب کا خاص تعلق محمد صدیق سے تھا، شاید مرید بھی تھے۔ سید عالم ﷺ کی اردو دانی میں گفتگو کا واقعہ انہیں اندھے صدیق سے متعلق ہے، دیوبندی علماء نے اس خواب کے متعلق (براہین قاطعہ: ص ۲۲) اس طرح لکھا ہے:

"ایک صالح فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا: آپ کو یہ زبان کہاں سے آگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عربی ہیں۔ فرمایا: جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ (تعلق) ہوا، ہم کو یہ زبان آگئی"۔ (نعوذ باللہ من ذلک)[۸]

۸۔ یہ صریح گستاخی اور اہانتِ رسول ﷺ ہے، قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نبی یا رسول علیہ السلام کو کسی قوم کی طرف بھیجتا ہے تو اُس قوم کی زبان کی تعلیم دے کر بھیجتا ہے، چنانچہ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝﴾ ترجمہ: "اور ہم نے ہر رسول، اس =

نابینا محمد صدیق کو دیوبندی ''حقیقت بین'' کہتے تھے، صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس خواب کا شہرہ سُنا تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر آ گیا:

کور چشموں نے کہا: ہم بھی حقیقت بین ہیں
لو ابو جہل کو دعویٰ ہوا صدّیقی کا

تاج العلماء نے قرآن مجید کی تعلیم الحاج حافظ محمد حسین سے حاصل کی[9]۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں کس سے پڑھیں، یہ تحقیق سے معلوم نہیں، البتہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نظام الدین صاحب کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں نانا صاحب حسنِ عقیدت کی بنا پر اپنے چودہ سالہ ہونہار نواسے کو لے کر ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منّت کے مطابق صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس جوہر قابل شاگرد کو دیکھا تو صرف اپنی شاگردی میں ہی قبول نہیں فرمایا، بلکہ متبنّیٰ بھی بنالیا اور مدرسہ میں داخل کر لیا۔

=

کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور وہی عزت حکمت والا ہے''۔

نیز قرآن میں ارشاد ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان والوں کے لیے بشیر و نذیر اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زبانیں تعلیم کر کے بھیجا گیا ہے، لہٰذا مذکورہ خیال باطل اور خواب، پیٹ کی خرابی کا شاخسانہ ہو جاتا ہے۔ علیمیؔ (عفی عنہ)

[9] تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص۴۹۶۔

مشہور ہے کہ صدر الافاضل نے آپ کی صلاحیتوں کو جانچنے کے لیے ایک سوال پوچھا، آپ صغر سنی اور رُعب کی وجہ سے معیاری سوال کا درست جواب نہیں دے سکے، تو صدر الافاضل نے فرمایا: کیا یہی تمہارے استاد نے پڑھایا ہے؟ اس پر صدر الافاضل سے عرض کیا: حضور! اُستاد نے تو درست پڑھایا ہو گا، لیکن مجھے ہی یاد نہ رہا۔ یہ جواب سُن کر صدر الافاضل بہت خوش ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس شاگرد و متبنّیٰ نے بھی حقِ شاگردی بلکہ متبنّیٰ ہونے کا حق ادا کیا اور اُس دن سے صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے دمِ آخر تک ساتھ نہ چھوڑا۔

درسِ نظامی:

عربی (درسِ نظامی) کی ابتدائی / وسطانی کُتب کے علاوہ طب کی کُتب بھی صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور دستارِ فضیلت بھی صدر الافاضل کے ہاتھوں سے انجام پائی۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں جب دستارِ فضیلت عطا کی اُس وقت آپ کے ساتھ مرادآباد کے دو طالبِ علم اور بھی تھے، ایک مولوی حکیم سید امیر حسین صاحب اور ایک مولوی شفقت حسین جو بعد میں مولوی حکیم یٰسین شفقت کے نام سے پہچانے جانے لگے، لیکن شفقت صاحب تو مشرقی پنجاب کے ایک اسکول میں اردو اور اسلامیات پڑھانے لگے اور پاکستان آ کر لاہور میں آسودۂ خاک ہوئے، جبکہ مولوی امیر حسین صاحب آسودہ حال اور مراد آباد کے زمینداروں میں شامل تھے، زمینداری اور طبابت کرنے لگے تھے وہ بھی پاکستان آ کر خیر پور میں انتقال کر گئے۔ صرف تاج العلماء ہی وہ شخصیت تھے، جنھوں نے اپنے نانا کی دینی اُمنگوں کو پورا کیا اور اپنی زندگی خدمتِ دین کے لیے وقف کر دی۔

دستار بندی کی روداد:

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں دستار بندی کے مناظر بڑے پُر شکوہ تھے، کیونکہ اُس وقت اس تقریبِ سعید میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، اُن کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، بزرگوں میں مولانا محمد فاخر اجملی الہ آبادی، شاہ عبد المقتدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری اور مولانا اعجاز حسین رامپوری وغیرہم فخر ملت اکابرِ اسلام جلوہ افروز تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے دستار بندی کی رسم ادا کی[۱۰]۔

اختصاصِ علم و فن:

دستار بندی کے بعد صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ (جامعہ نعیمیہ) میں، جو اُس وقت مدرسہ اہلِ سنت وجماعت کے نام سے موسوم تھا، مدرس مقرر فرمایا۔ اب تک تو آپ اچھے طالبِ علم تھے، لیکن اب ایک بہترین مدرس بن کر سامنے آئے۔ چند سال عربی (درسِ نظامی) کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں پھر حدیث، تفسیر اور فقہ کی کتابیں پڑھانے لگے۔ پھر آخری عمر تک حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

---

۱۰ تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص۴۹۶۔

زبانوں پر عبور:

اردو کو مادری زبان ہونے کی وجہ سے خصوصیت حاصل رہی، لیکن فارسی اور عربی زبان میں بھی عبور تھا۔

شعر وشاعری سے دلچسپی:

صدر الافاضل اور اُن کے بزرگ چونکہ بہترین نعت گو شاعر تھے، اسی وجہ سے تاج العلماء کو بھی شاعری کا ذوق وشوق تھا، لیکن میں (محمد اطہر نعیمی) نے کبھی اس طرف توجہ نہ کی اور ان کاغذوں کو جمع نہیں کیا ورنہ ایک نہیں کئی مجموعہ کلام بن جاتے۔ تاہم یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ تاج العلماء نے باقاعدہ اس میں دل چسپی نہ لی، کبھی شعر موزوں ہوا تو لکھا ورنہ نہیں، کیونکہ فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سخن شناس ہونے کے سبب دوسروں کے کلام میں اصلاح کر دیتے تھے۔

شاعری کے سلسلہ میں تحسینِ ناشناس اور سکوت سخن شناس کو مدِ نظر رکھتے۔ ایک واقعہ یاد آیا کہ کراچی میں ایک صاحب، جن کا نام ارشاد علی تھا، لیاقت آباد میں پابندی سے گیارہویں شریف کی محفل منعقد کرتے تھے، وہ جگر مراد آبادی کے مداحوں سے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ گیارہویں شریف کے موقع پر جگر صاحب مراد آبادی بھی کراچی میں تھے۔ جگر صاحب کراچی آتے تو مرحوم اصطفیٰ خان لکھنوی کے مہمان ہوتے خواہ بلایا کسی اور نے ہوتا، (مرحوم) غلام محمد جب گورنر جنرل تھے تو انہوں نے باصرار گورنر جنرل ہاؤس میں اپنے یہاں ٹھہرانا چاہا لیکن جگر صاحب کی وضع داری میں فرق نہ آیا۔

ارشاد علی نے باصرار گیارہویں شریف میں شرکت کی دعوت دی تو جگر صاحب نے کہا کہ میں اور ایسی مقدس محفل! یعنی: ایسی مقدس محافل میں شرکت کہاں میسر ہوتی ہے، لیکن حجِ اکبر کا ثواب لینے کے لیے آؤں گا، 'دل بدست آور کہ حجِ اکبر ست'۔ چنانچہ جگر صاحب حسبِ وعدہ آگئے میزبان نے پیشوائی کی، حسن اتفاق شیدہ بریلوی جو میزبان کے مکان کے قریب رہتے تھے، وہ بھی آگئے اور دونوں میں پرانی یادوں کو تازہ کیا گیا، یعنی: ماضی کا تذکرہ ہونے لگا، تھوڑی دیر کے بعد تاج العلماء تشریف لائے، لیاقت آباد کے مکان کیسے اور کتنے بڑے ہیں، ان کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ایک کمرہ میں شیدہ اور جگر صاحب بیٹھے رہے، اس اثنا میں تاج العلماء بھی آگئے۔ تو جگر صاحب نے میزبان کو آواز دی اور کہا کہ ارشاد تیری سادگی کی وجہ سے ساٹھ سال کے بعد مفتی صاحب سے ملاقات ہو رہی ہے، جب سے اُم الخبائث کو ہاتھ لگایا اللہ والوں سے ملنے میں شرم دامن گیر ہوتی تھی۔ (سُنا ہے کہ جگر نے آخری دور میں شراب نوشی ترک کر دی تھی)۔

مشاغل:

مشاغل کے سلسلے میں راقم الحروف صرف یہی لکھ سکتا ہے اور بتا سکتا ہے کہ تاج العلماء نمازِ فجر کے بعد کسی دن ناشتہ کر کے اور کسی دن بغیر ناشتہ کیے، گھر سے صدر الافاضل کے گھر جاتے (یاد رہے کہ گذشتہ دور میں ناشتہ میں ڈبل روٹی اور پراٹھے نہیں ہوتے تھے، بلکہ عام طور پر رات کی بچی ہوئی روٹی، چائے میں بھگو کر کھائی جاتی یا صرف چائے کی ایک پیالی) تھوڑی

دیر وہاں بیٹھ کر دن بھر کی مصروفیات مرتب کر کے مدرسہ آتے اور درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے۔

مدرسہ کی چھٹی کے بعد پھر صدر الافاضل کے گھر آتے اور موصولہ خطوط کا جائزہ لے کر گھر آتے۔ یہ مصروفیات اس دور کی ہیں، جو شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہیں۔ گھر آکر کھانے سے فارغ ہو کر اگر ممکن ہوتا، تو تھوڑی دیر قیلولہ کرتے ورنہ نمازِ ظہر کے بعد پھر مدرسہ آجاتے اور درس وتدریس کے بعد عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر صدر الافاضل کے گھر آتے اور مغرب کی نماز پڑھ کر گھر آتے۔ (یاد رہے کہ اُس دور میں ہر چیز میں برکت تھی، اسی طرح وقت میں بھی برکت تھی۔)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مغرب کی نماز محلہ کی مسجد میں پڑھتے، مغرب کے بعد نمازِ عشاء تک گھر میں رہتے۔ (یہ وہ مصروفیات تھیں، جو صدر الافاضل کی علالت (آپریشن) کے بعد کی ہیں)۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر صدر الافاضل کے گھر آکر آل انڈیا سُنی کانفرنس کی مصروفیات دار العلوم کے کاموں، آمدہ خطوط کے جوابات، فتاویٰ اور جس زمانہ میں 'السواد الاعظم' جاری تھا، تو اس کی مصروفیات وغیرہ۔ نیز اُن احباب کی فرمائشیں کہ میرے مضمون کو درست کر دیں، یا میری کتاب پر نظر ثانی فرما دیں۔ ان کے علاوہ نعیمی پریس کا انتظام۔ یہ وہ مصروفیات تھیں جو میں نے دیکھیں اور یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ہمارے بعض احباب کو یہ اعتراض رہا ہے کہ مفتی محمد عمر نعیمی کا نام مصنفین کی فہرست میں نہیں آتا۔ عزیزانِ گرامی! ایک شخص سے آپ کتنا کام لینا چاہیں گے۔۔! روزانہ یہ سلسلہ شب دس گیارہ بجے تک رہتا۔۔۔!

تاج العلماء 'آل انڈیا سنی کانفرنس' کے نائب ناظم تھے، جن دنوں صدر الافاضل مراد آباد سے باہر ہوتے، تو آپ سنی کانفرنس کے کام بھی انجام دیا کرتے۔ فتنہ ارتداد کے دور میں صدر الافاضل تو تبلیغی دوروں میں اس علاقہ میں تھے، وہاں سے وہ بھی انہیں اور دوسرے مبلغین سے متعلق کام انجام دیتے اور مفتی صاحب مراد آباد سے اُن انتظامی ضروریات کا اہتمام کرتے۔

کُتب و تصانیف:

جیسا کہ سطورِ بالا میں حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے مشاغل و مصروفیات ذکر کیے، ان تمام کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار فتاویٰ، اداریوں اور مضامین کے علاوہ کچھ گراں قدر کُتب و رسائل بھی یادگار چھوڑے ہیں، جن میں ۱۔ تفرقۂ اقوام، ۲۔ مسائلِ رمضان و عید الفطر اور ۳۔ تبصرہ بر رسالہ "علمِ غیب اور امداد از اموات" وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار مضامین مختلف رجسٹروں میں تحریر کیے ہیں، جن میں سے اکثر ریڈیو پاکستان پر نشر ہو چکے ہیں۔ مناسب وقت پر اُن کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔

مشہور تلامذہ:

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اُس دور تک، جب تک وہ خود باقاعدہ پابندی کے ساتھ پڑھاتے تھے، ان طالبعلموں کی تعلیم مشترک تھی، وہ صدر الافاضل کے بھی شاگرد تھے اور تاج العلماء کے بھی۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کے علاوہ دورۂ حدیث کی کتابیں جو پڑھائی جاتی تھیں، اس میں بھی شرکت فرماتے تھے، البتہ سندِ حدیث صدر الافاضل

کی ہی ہوتی۔ لیکن صدر الافاضل کے انتقال کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی سند تاج العلماء کی ہوتی۔ مثال کے طور پر حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے (بخاری شریف اور بیضاوی شریف صدر الافاضل سے پڑھیں اور) دورۂ حدیث کی بقیہ کتابیں دوسرے طلبہ کے ساتھ تاج العلماء سے پڑھیں، لیکن میں پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ راقم الحروف (محمد اطہر نعیمی) سے اُن کا رویہ وہی تھا جو ایک استاد زادہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے علاوہ بیماری کے سبب پابندیِ درس ختم کر دی تھی۔ اس کے ماسوا انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ تاج العلماء کی تدریس معیاری ہونے کے علاوہ طلبہ واساتذہ میں ہر دل عزیز بھی ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ یوں پیش آیا کہ جس سال صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہوئے، اُسی سال پیر محمد کرم شاہ ازہری صاحب اپنے پیر ومرشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارفی خط لے کر مراد آباد تشریف لائے، جس میں صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے التماس کیا گیا تھا کہ وہ پیر محمد کرم شاہ صاحب کو حدیث، تفسیر وغیرہ کی کُتب پڑھائیں۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے فرمایا: مصروفیات اور علالت کے سبب آج کل درس وتدریس کا سلسلہ موقوف ہے، لہٰذا میں آپ کو یہ کُتب نہیں پڑھا سکوں گا۔ پیر محمد کرم شاہ صاحب نے عرض کیا: میں تو اپنے مرشد کا فرستادہ ہوں۔ چنانچہ صدر الافاضل نے پیر صاحب سیال شریک کی خواہش کے مطابق پیر محمد کرم شاہ صاحب کو پڑھانا منظور فرما لیا۔ اس کے بعد پیر محمد کرم شاہ صاحب دیگر طلبہ کے ساتھ بقیہ کُتب پڑھنے کے لیے باقاعدہ تاج العلماء کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

ایک عجیب واقعہ:

اسی طرح ایک طالبِ علم جامعہ نعیمیہ (مراد آباد) کی شہرت، صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اور تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے درس وتدریس کی خصوصیت کی شہرت سُن کر مرادآباد آئے۔ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک منفرد اندازِ تدریس تھا، وہ یہ کہ موقع کی مناسبت سے دورانِ درس بد عقیدہ وبد مذہبوں کے عقائد و نظریات اور اعتراضات کا رَد احسن طریق سے کیا کرتے تھے۔ یہ مذکور طالبِ علم استاد کے اس انداز سے بہت کُڑھتے تھے۔ ایک دن ضبط نہ ہو سکا اور اپنے استاد سے عرض کیا: میں تو کتاب پڑھنے کے لیے آیا ہوں! تاج العلماء نے فرمایا: میں ایمان اور کتاب دونوں پڑھاتا ہوں اگر ایمان ہی پختہ نہ ہو تو کیا فائدہ محض کتاب پڑھنے کا!

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ فرمان سُنا تو اپنے دیگر ساتھیوں سے فرمایا: استاد محترم نے بجا فرمایا ہے کیونکہ ایمان، کتاب پر مقدم ہے، ورنہ دنیا میں بہت سے ایسے غیر مسلم بھی ہیں، جو اسلامی کُتب ورسائل صرف اس لیے پڑھتے ہیں کہ اسلام پر اعتراض کر سکیں، اُن کا نقطۂ نظر محض اعتراض کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے استادِ محترم کی خصوصیت ہے کہ آپ نہایت مناسب اور خوبصورت انداز میں درست بات ارشاد فرماتے ہیں، جس سے نہ صرف عقیدہ کی درستی ہو جاتی ہے بلکہ ہماری تربیت بھی۔۔۔!

مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے کراچی آنے کے بعد جن طلبہ کو تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے سندِ حدیث دی، اُن سب کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں، لیکن ان طلبہ کے زمرے میں مولانا جمیل احمد نعیمی اور مفتی محمد عبد اللہ جان نعیمی صاحبان وہ ہیں، جن کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مفتی محمد عبد اللہ جان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تو انتقال کر

گئے لیکن مولوی جمیل احمد نعیمی اپنی صلاحیتوں سے استاد کا نام روشن کر رہے ہیں، اسی طرح مفتی محمد عبد اللہ کے صاحب زادے مفتی محمد جان نعیمی اپنے والد کی طرح سلسلۂ نعیمیہ کے فیض کو جاری کیے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ عمر میں برکت دے۔

بیعت، اِجازت وخلافت:

تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ صدر الافاضل کے شیخ ثانی حضرت شاہ علی حسین معروف بہ اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۲۵ھ /۱۹۰۷ء میں بیعت ہوئے اور ۱۳۳۸ھ /۱۹۱۹ء[۱] میں اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ لیکن اپنے شیخ کی ہدایات کے مطابق نہ تو چلہ کشی کی نہ وظائف پڑھنے کو وقت ملا، بلکہ خود اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے: "مولانا! آپ کے لیے حدیث وتفسیر کا درس ہی روحانی اقدار کی سربلندی کے لیے کافی ہے"۔ البتہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الکل حضرت مولانا محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔ ایک ضروری بات یہ کہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے جو اجازت، رشد وہدایت اور خلافت کا خرقہ پہنا پھر اسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اسی کے فیض کو عام کیا، اس لیے کہ وہ یک در گیر محکم گیر کے قائل تھے۔ اسی لیے اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور بزرگ کی طرف رجوع نہ کیا۔

---

[۱] تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص۴۹۶۔

اِفتاء نویسی:

مراد آباد میں جو فتاویٰ تحریر کیے وہ جامعہ نعیمیہ کے فتاویٰ کے رجسٹر میں مندرج ہیں،(یہ رجسٹر ناگریز وجوہ کی بنا پر دستیاب نہ ہوسکے)۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد اور کنز الایمان کی اشاعت:

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا اعتماد تھا کہ کنز الایمان کی طباعت کی ذمہ داریاں انہیں کے سپرد کیں، یہی وجہ ہے کہ اردو ترجمۂ قرآن کنز الایمان کے ساتھ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے معرکۃ الآراء تفسیری حواشی بنام خزائن العرفان کو پہلی مرتبہ ایک ساتھ شائع کروانے کا سہرہ بھی تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے سر سجا۔ چنانچہ کنز الایمان کی اشاعت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''ابا جان رحمۃ اللہ علیہ (مفتی محمد عمر نعیمی) نے بتایا کہ کنز الایمان کا پہلا ایڈیشن نعیمی پریس مراد آباد سے شائع ہوا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ کتابت کے تین نمومے ساتھ لیکر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ نمونے اُنہیں دکھائے، معیار کے اعتبار سے پہلے نمبر والا خدمت میں پیش کیا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: اس کے کاتب کا عقیدہ کیا ہے؟ ابا جان نے بتایا کہ یہ اثنا عشری ہے، دوسرا پیش کیا، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہی سوال پوچھا: اس کا عقیدہ کیا ہے؟ ابا جان نے بتایا کہ یہ دیوبندی ہے اور تیسرے کاتب کے عقیدے کے بارے میں

پوچھا، تو ابا جان نے بتایا کہ یہ پختہ سُنی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسی سُنی سے کتابت کروائی جائے، لہٰذا اُسی کاتب سے کنز الایمان کی کتابت کروائی گئی۔ یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی تھا کہ معیار کے اعتبار سے تیسرے درجے والے کاتب سے کتابت صرف اس لیے کروائی کہ وہ سُنی تھا اور بدعقیدہ سے نہیں کروائی"۔

مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"ہمیں یہ بات اُنہی کاتب ارشاد علی مرحوم نے بتائی تھی، کہ میں اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں، جنھوں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کنز الایمان کی کتابت کی تھی۔ ہوا کچھ یوں کہ کنز الایمان کے وہ کاتب یہاں کراچی میں گجر نالہ (لیاقت آباد) کے پاس آکر آباد ہوگئے تھے، انہوں نے ہی یہ سارا واقعہ بتایا۔ پھر ہمیں کُرید ہوئی تو ہم نے ابا جان رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا، تو ابا جان نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

کنز الایمان کے پہلے ایڈیشن سے متعلق پوری طرح یاد نہیں، البتہ دوسرا ایڈیشن جس کے ساتھ خزائن العرفان کا حاشیہ شائع کیا گیا تھا وہ میرے پاس تھا (اب ایک اور نسخہ دستیاب ہوگیا ہے)۔ ایک صاحب مجھ سے چھاپنے کے لیے لے کر بھی گئے تھے تاہم کچھ نہیں کیا اور واپس اس طرح کیا کہ اُس میں سے کچھ صفحات غائب تھے۔ (ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ کنز الایمان کی اشاعت کے ذکر میں کہیں بھی ابا جان رحمۃ اللہ علیہ یا کاتب وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا ہے، وجہ کیا ہے۔۔۔؟ واللہ تعالیٰ اعلم")۔

کرامات:

ہم نے مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ سے تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ کرامات لکھنے کی درخواست کی تو یوں اِرقام فرمایا: (آٹھ صفحات لکھے تھے کہ عزیزی مولوی حامد علی علیمی (مرتب کتاب) وہ کاغذات پڑھ کر کہنے لگے) اِن صفحات میں ایک موضوع جو سوال نامہ میں بھی نہ تھا، رہ گیا ہے۔ میں نے معلوم کیا: وہ کون سا؟ کہنے لگے: سب سے اہم جو ایک بزرگ (بیعت وخلافت یافتہ) کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ روحانی علوم سے لوگوں کی دستگیری کریں۔ تعویذ وغیرہ اور دوسری کرامات ووظائف۔ وظائف کے سلسلہ میں عرض ہے کہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ صرف بعد نمازِ عصر "دلائل الخیرات شریف" پڑھتے اور یہ اپنے شیخ کی اجازت سے تھا کہ انہوں نے فرمایا تھا: "مفتی صاحب! آپ کے لیے درسِ حدیث وتفسیر وظیفہ سے زیادہ اہم اور اثر انگیز ہیں"۔ اور اُن کی کرامتوں میں 'مَیں' توموجود ہوں۔

والدِ محترم مریضوں اور ضرورت مندوں کو تعویذ بھی دیتے اور بزرگوں کے کرم سے فائدہ بھی ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کرتے کہ حضرت صاحب نے نذرانہ تو لیا نہیں، فائدہ کیا ہوگا؟ آپ فرمایا کرتے: ہمارے یہاں تعویذ بکتا نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ایسے نذرانوں سے مستغنی کر دیا ہے، ہمیں عزت کے ساتھ گزارے کے لیے بقدرِ ضرورت مل جاتا ہے۔

جہاں تک کرامات کا تعلق ہے، تو اُن کی زندہ کرامت تو میں خود ہوں، جیسا کہ سابقہ سطور میں لکھا گیا۔ نیز کرامت کا معاملہ سراسر عقیدت کا ہے، ضرورت مند مریض آتے، آیاتِ قرآنی پڑھ کر دم کرتے، اللہ تعالیٰ کرم فرما دیتا تھا۔ ہمیں یہ احساس نہ تھا کہ اگر

کوئی تاج العلماء پر کچھ لکھے، تو علمی مواد کہاں سے آئے گا، بہر حال یادداشت سے یہ صفحات لکھوائے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی کرامت اہمیت رکھتی ہے کہ انتقال کے اتنے عرصہ کے بعد یہ صفحات مرتب کیے گئے ہیں۔ تاج العلماء نمود و نمائش کے دلدادہ نہ تھے جیسا کہ آپ نے سابقہ صفحات میں پڑھا ہو گا۔ ہم معتقدین و متوسلین کو اپنی سادگی اور سادہ لوحی کی وجہ سے یہ احساس بھی نہ تھا کہ اتنے عرصے کے بعد اس موضوع پر لکھنا ہو گا اور ایسا بھی ہو گا کہ حامد علی علیمی (پاکستان) یہ کارنامہ انجام دیں گے اور تبرکات تاج العلماء کو ضبطِ تحریر میں لاکر ہمارے حافظہ کا امتحان لیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور میرے نقطۂ نظر سے یہ ان کی کرامت ہے کہ نصف صدی سے زیادہ وقت گزرنے کے بعد اُن کے معتقدین یہ کارنامہ انجام دیں گے۔

یہاں کرامت کے ضمن میں حاجی احمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آتا ہے، وہ اکثر وبیشتر تاج العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے تھے۔ تدریس کے وقت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے تھے: جب تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں پڑھاتے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام مقامات آپ نے دیکھے ہیں، حالانکہ حرمین شریفین کی حاضری بہت بعد میں ہوئی، آپ حاجی صاحب سے فرمایا کرتے: حاجی صاحب! جب میں کتاب الحج پڑھاتا ہوں تو میرا جسم تو یہاں ہوتا ہے، لیکن میں در حقیقت وہاں ہوتا ہوں، تمام مناظر میری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں، یعنی: دل اُدھر ہی لگا ہوتا ہے۔ اگر کرامتیں دیکھ کر کسی کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے تو کرامت، لیکن کوئی کرامت دیکھے بغیر اگر عظمت کا اعتراف کیا جائے تو اصل کرامت یہی ہے، اس لیے میں نے کرامتوں کا تذکرہ نہیں کیا، ہاں اگر اس کو پڑھ کر کوئی کرامتوں کا تذکرہ کرے، تو شاید اگلے ایڈیشن میں شامل ہو جائے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے محبت:

تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی صدر الافاضل سے جو والہانہ عقیدت و محبت تھی، اس کا اظہار الفاظ میں کیا جانا مشکل ہے، قارئین کرام اس محبت کا اندازہ ایک تحریر سے لگائیں، جو ماہنامہ سواد اعظم، لاہور میں شائع ہوئی تھی۔

تاجدارِ اہلِ سنت حضرت صدر الافاضل قدّس سرّہ[۱۲] کا مختصر تذکرہ

سیدی حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا مفتی حکیم الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ ناظمِ اعلیٰ آل انڈیا سُنی کانفرنس کی حیاتِ طیبہ پر سیدی استاذی مدظلہ کا مختصر افادہ نذرِ قارئین ہے، یاد رہے کہ اسی ماہِ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کی ۱۸ تاریخ کو مراد آباد میں آپ نے وصال فرمایا اور یہ 'سوادِ اعظم' آپ کی یادگار ہے۔ (مدیر مسئول)

حضرت کا اسمِ گرامی 'محمد نعیم الدین'، لقب 'صدر الافاضل واستاذ العلماء' ہے۔ ولادتِ مبارک ماہِ صفر ۱۳۰۰ھ میں ہے۔ تاریخی نام 'غلام مصطفیٰ' ہے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب کے کئی فرزند حافظِ قرآن ہو کر زادِ آخرت ہو چکے تھے اور اولاد کا عظیم صدمہ تھا، اس فرزند کی پیدائش پر نذر مانی کہ مولیٰ تعالیٰ اسے عمر طبعی عطا فرمائے تو خدمتِ دین کے لیے اس فرزند کو وقف کر دوں گا اور جہاد ہو گا، تو اس فرزند کو اپنے آگے لے کر میدانِ جہاد میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ آپ نے یہ نذر پوری کی۔ 'خلافت کمیٹی' کے دور میں جب علماءِ اہلسنت پر حملے ہو رہے تھے اور ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ زور پر تھا،

---

[۱۲] نوٹ: اس میں مولانا معین الدین نزہت کے وصال کی خبر مرتب کی طرف سے اضافہ ہے، بقیہ ساری تحریر تاج العلماء کی ہے۔ علیمی

حضرت صدر الافاضل کے خلاف بھی وہابیہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا، اُس وقت حضرت مولانا معین الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بھی جہاد ہے، جس کی میں نے نذر مانی تھی، اس جہاد میں اس نذر کو پورا کروں گا، ایک روز شہر میں بڑی شورش تھی، وہابیہ نے ایک جلسہ کر کے حضرت کے مقابل بڑی زہر افشانی کی اور ایک پہلوان نے سرِ مجمع تلوار دکھا کر کہا کہ اس سے (حضرت کا نام لے کر) انہیں قتل کر دوں گا۔ حضرت مولانا معین الدین صاحب نے ایک قطعہ تحریر فرمایا، جو کوئلہ سے آپ کی نشست گاہ میں دیوار پر کوئلہ سے لکھا ہوا تھا:

یا الٰہی بے خطا بے جرم ہے میرا پسر دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر
تو برائے احمد مختار، بو بکر وعمر دشمناں را دوست کرداں دوستاں را دوست

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے والد ماجد کا نام نامی حضرت مولانا مولوی محمد معین الدین صاحب، تخلص نزہتؔ، لقب استاذ الشعراء ہے۔ مراد آباد کی خواندہ آبادی ایک چوتھائی، حضرت مولانا معین الدین صاحب کی شاگردی کا شرف رکھتی تھی، کیونکہ آپ شہر کے مشہور سرکاری اسکول میں مدرس تھے۔ حضرت موصوف نواب مہدی علی ذکیؔ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ذکیؔ کے شاگردوں میں شہیدِ جنگِ آزادی حضرت مولانا کفایت علی صاحب کافیؔ، مولانا محمد حسین صاحب تمنّاؔ، نواب شبیر علی خاں صاحب تنہاؔ اور مولانا معین الدین صاحب نزہتؔ بہت مشہور رہیں۔

حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب نے محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اُس وقت کے وہابی اپنی وہابیت کو بہت چھپاتے تھے، چنانچہ مولوی قاسم نے حضرت مولانا معین الدین صاحب کو میلاد شریف پڑھنے، قیام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اجازت دے دی تھی اور بہت برکت والا عمل بتایا تھا۔ حضرت مولانا معین الدین صاحب

سے جب کہا گیا کہ محمد قاسم تو وہابی ہے، تو انہوں نے فرمایا: میں کس طرح مانوں، مجھے خود انہوں نے میلاد شریف پڑھنے و قیام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی برکت سے خبر دار کیا اور اجازت دی ہے، جب موصوف کو فتاویٰ حسام الحرمین دکھایا اور تحذیر الناس مصنفہ مولوی قاسم نانوتوی، جس میں انہوں نے ختمِ نبوت کا انکار کیاہے، دکھائی اور عبارتِ تحذیر الناس کو فتاویٰ حسام الحرمین سے مطابق کیا، اُس وقت موصوف نے ان کی بیعت فسخ کی اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور تحریر فرمایا:

پھِرا ہوں میں اُس گلی سے نزہتؔ، ہوں جس میں گمراہ شیخ و قاضی
رضائے احمد اسی میں سمجھوں کہ مجھ سے احمدؔ رضا ہوں راضی

مولانا محمد معین الدین نزہت مراد آبادی کا وصال:

مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب نے ہمیں بتایا کہ ماہنامہ السواد الاعظم میں صدر الافاضل نے اپنے والد صاحب کے وصال پر کچھ تحریر کیا تھا، ہم اُسے من و عن یہاں نقل کرتے ہیں، چنانچہ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

میرے والد ماجد اُستاد الشعراء حضرت مولانا مولوی محمد معین الدین صاحب نزہتؔ مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پُرانی وضع کے مقدس عالم اور متقی بزرگ تھے، آپ کے اوقات عبادت الٰہی میں گزرتے تھے۔ ملک الشعراء ذکیؔ کے تلامذہ میں آپ ہی باقی تھے۔ آپ کے شاگرد ہزارہا ہیں اور آپ کا کلام بلاغت نظام سند مانا جاتا ہے۔ فکر بلند، طبیعت نازک، زبان فصیح رکھتے ہیں۔ ۲۵ر رمضان المبارک جمعۃ الوداع کو ۸۵ سال کی

عمر میں چار روز بخار میں مبتلا رہ کر نفی واثبات کا ذکر کرتے ہوئے راہیِ ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۹ر رمضان تک آپ نے روزے رکھے، بیماری کے زمانہ میں ذکر الٰہی کے سوا اور باتیں ترک فرمادیں آپ کا شعر تھا۔

آج نزہت ہو افنا فی اللہ کہتے کہتے خدا خدا، نہ رہا

آپ نے بالکل اسی حال میں رحلت فرمائی۔ انتقال کے بعد آنکھیں کُھلی رہیں ہر چند کوشش کی گئی مگر بند نہ ہوئیں۔ آپ نے اپنی حیات میں دو شعر فرمائے تھے، بعد موت اُن کو سرسبز کر دکھایا۔

پسِ فنا جو کُھلی ہیں آنکھیں کسی کے مَیں انتظار میں ہوں
یہ کون آتا ہے آنے والا کہ منتظر مَیں مزار میں ہوں

گر نیائی تو بہ بیداری عمرم بنظر
بند ہرگز نکند خوابِ عدم دیدۂ ما

آپ بغیہ شریف میں حضرت مولانا سید شاہ غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ جنازے کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ پلنگ کا چھونا بھی بکوشش میسر آتا تھا۔

حضرت قبلہ کی وفات کے بعد احباب تعزیت کے لیے برابر پہنچتے رہے اور ابھی تک تعزیتی خطوط کا سلسلہ جاری ہے۔ مراد آباد کے شعرانے حضرت مرحوم کے قطعات تاریخ کے لیے مشاعرہ منعقد کیا۔ اخباروں میں حضرت مرحوم کی تعزیتیں اور اس خاکسار کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا۔ میں اپنے اُن تمام رفیقوں کی ہمدردی اور غمخواری کا شکر گزار

ہوں، لیکن اس صحیفۂ منیفہ کو اپنے لیے باعث فخر اور حضرت مرحوم کے لیے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں، جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم نے ارسال فرمایا اور برکت کے لیے اُس کو درج کرتا ہوں۔ احباب سے التجا ہے کہ حضرت مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔

والسلام: محمد نعیم الدین۔

صحیفۂ عالیہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولانا المبجل المکرم ذی المجد والکرم حامی السنن ماحی الفتن جبل کاسمہ نعیم الدین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

إنّ للّٰہ ما أخذ وما أعطیٰ وکل شيء عندہ بأجل مسمّیٰ إنّما یُوفی الصابرون أجرھم بغیر حساب۔ وإنّما المحروم من حرم الثواب۔ غفر اللہ لمولانا معین الدین ورفع کتابه فی علیین، وبیض وجهه یوم الدین۔ وألحقه بنبیه سید المرسلین، صلی اللہ تعالیٰ وبارك وسلم علیه وعلیٰ آله وذویه أجمعین۔ وأجمل صبرکم وأجزل أجرکم، وجبر کسرکم ورفع قدرکم آمین۔

یہ پُر ملال کارڈ عید آیا میں نماز عید پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا، شب کو بے خواب رہا تھا اور دن کو بے خور و خواب اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر، دوسرے دن بعد نماز صبح سو رہا۔ سو کر اُٹھا تو یہ کارڈ پایا اُسی وقت یہ تاریخیں خیال میں آئیں۔ ایک بے تکلف

قرآن سے اور ان شاء اللہ تعالیٰ فال حسن ہے۔ دوسری حسب فرمائی سامی فارسی میں، مگر دوشعر کے لیے فرمایا تھا۔ یہ پانچ ہو گئے اور مادے میں ایک کا تخرجہ کرنا ہوا، جس کا میں عادی نہیں مگر اُن میں کوئی لفظ قابل تبدیل نہ تھا لہٰذا یوہیں رکھا اور اُسی روز سے مولانا المرحوم کا نام تابقائے حیات ان شاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصاب ثواب کے لیے وظیفہ کرلیا۔ وہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت اچھے گئے مگر دنیا میں اُن سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیرلوائے سرکار غوثیت ملائے، اللھم آمین[۱۳]۔

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی صاحب صدر الافاضل کے حالات زندگی لکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں:

حضرت مولانا معین الدین صاحب کے والدِ ماجد کا نام نامی اسم گرامی مولوی امین الدین، تخلص 'راسخؔ' ہے، جو اپنے زمانہ کے مشاہیر سے ہیں، آپ کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

ہے خیالِ یار کا مسکن دل بے تاب میں — قید کرتے ہیں پری کہ ہم چہ سیماب میں
دیکھ کر اس روئے روشن پر عرق حیراں ہو نمیں — آئینہ پر آب ہے اور آئینہ ہے آب میں
خاک ہے آغاز راسخ اور ہے انجام خاک — پھونک دے اسباب عالم، عالمِ اسباب میں

مولوی امین الدین صاحب راسخؔ کے والد ماجد کا نام نامی کریم الدین، تخلص آزادؔ ہے، ذکیؔ کے استاد ہیں، ملک الشعراء ذکیؔ کہا کرتے تھے کہ جیسی اَتم تشبیہ میرے استاد کے کلام میں ہے، میں نے کہیں نہیں دیکھی، 'قاصد' کی حالت کے بیان میں تحریر فرمایا:

---

[۱۳] ماہنامہ السواد الاعظم، ج ۲، نمبر ۶، ماہ رمضان، ۱۳۳۹ھ، ص ۲۰۔۲۳۔

در پائے تیز رفتارش برفتن
شدہ اعتراض در منزل برمدن

جب حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی عمر شریف چار سال ہوئی اور رسمِ مکتب بڑی دھوم دھام سے کی گئی، تو حافظ سید نبی حسین صاحب سے قرآن مجید کا حفظ شروع ہوا، حافظ صاحب نابینا اور سخت مزاج تھے۔ ایک روز تشدد کے ساتھ تعلیم دے رہے تھے، ایک بزرگ کا گزر ہوا، انہوں نے حافظ صاحب سے فرمایا: 'حافظ صاحب آپ کو دکھتا نہیں ہے، یہ لڑکا بڑا ہونہار ہے، اس پر اتنی سختی نہ کیجیے، یہ منزل پر بہت جلد پہنچ جائے گا'۔ کچھ عرصہ بعد حافظ حفیظ اللہ خاں صاحب کو قرآن مجید یاد کرانے پر مقرر کیا گیا اور حافظ صاحب موصوف نے چار سال میں پورا قرآن مجید حفظ کرادیا، حضرت آٹھ سال کی عمر میں حافظ ہو گئے۔ اس کے بعد اپنے والدِ ماجد سے فارسی کی تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا ابو الفضل فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی اور طب پڑھی، حضرت مولانا ابو الفضل صاحب ایسے مقدس بزرگ تھے کہ بیس سال مسجد چوکیِ حسن خاں کے حجرہ میں قیام فرمایا، وہیں مطب بھی فرماتے تھے۔ ایسی مہذب کہ آسمان کی طرف نظر اُٹھانا تو کیا معنٰی، کسی سے نظر ملا کر بھی کلام نہ فرماتے، ہمیشہ نگاہِ مبارک نیچی رہتی۔ تمام محلہ حضرت کے تقویٰ و پرہیز گاری کا معتقد تھا، نعت شریف سے عشق تھا، ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ مسجد چوکی حسن خاں میں نعت شریف کا جلسہ ہوتا، جس میں شہر کے امیر و غریب تمام لوگ شرکت کرتے، (تادمِ تحریر) حضرت موصوف کا یہ جلسہ ابھی تک جاری ہے اور نعت خواں اب بھی بعد نمازِ جمعہ یہاں آکر نعت شریف پڑھتے ہیں۔

شیخ الکل حضرت مولانا محمد گل صاحب کی خدمت میں حاضری

مولانا ابو الفضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر الافاضل کو جامع معقول ومنقول، حاویِ فروع واصول، شیخ الکل حضرت مولانا محمد گل صاحب قدس سرہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ صاحب زادہ نہایت ذکی وفہیم صاحبِ فہمِ مستقیم ہیں، ملا حسن تک پڑھ چکے ہیں، میری خواہش یہ ہے کہ بقیہ درسِ نظامی کی حضرت سے تکمیل کریں۔ حضرت نے قبول فرمایا۔ کُتبِ منطق وفلسفہ، اقلیدس اور دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا محمد گل صاحب قدس سرہ سے فرمائی۔ ۱۹ سال کی عمر میں تمام مروجہ کُتبِ فنون ودینیات سے فراغت پائی۔ ایک سال مشقِ فتویٰ نویسی وروایت کشی کی مشق فرمائی۔ ۱۳۲۰ھ میں بیس سال کی عمر میں جلسہ منعقد ہوا، علماءِ کرام نے اس عالمِ ربانی فاضل حقانی کی دستار بندی فرمائی۔

حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب نے دستار بندی کی تاریخ تحریر فرمائی:

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضل
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخِ فضیلت
نزہت سخنیم الدین کو یہ کہ کے سُنا دے
دستارِ فضیلت کی ہے تاریخ 'فضیلت'
(۱۳۲۰ھ)

جامعِ شریعت وطریقت، عالمِ نبیل، فاضلِ جلیل حضرت سراپا برکت مولانا شاہ صوفی سید محمد حسین[۱۴] رحمۃ اللہ علیہ نے جابجا شہر میں صدر الافاضل قدس سرہ کی وعظ کی مجلسیں ترتیب دیں اور حضرت صوفی صاحب موصوف کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی دستار بندی سے بڑی مسرت ہوئی، اب تو شہر میں حضرت کے بیان کا شہرہ ہو گیا اور روزانہ ہر ہر محلے میں بیانات ہونے لگے اور شہر کے لوگ بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے، وہابیہ کا اثر شہر سے کافور ہوا اور اہلِ سنت کو فروغ حاصل ہوا۔

پیر کی تلاش:

صدر الافاضل پیر کی جستجو میں پیلی بھیت حضرت شاہ جی محمد شیر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ جی میاں صاحب بڑی محبت وکرم سے پیش آئے اور فرمایا کہ میاں مراد آباد میں مولانا محمد گل صاحب بڑی اچھی صورت میں ہیں، مراد آباد جاتا ہوں تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ جس ارادہ سے آئے ہیں، آپ کا حصہ وہیں ہے۔ حضرت مراد آباد واپس آئے، تو حضرت مولانا محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شاہ جی میاں صاحب کے ہاں ہو آئے، اچھا پرسوں جمعہ ہے، نمازِ فجر کے بعد آیئے تو آپ کو جو حصہ ہے، عطا کیا جائے گا۔ تیسرے روز جمعہ کو بعد نمازِ فجر حضرت مولانا شاہ محمد گل صاحب نے قادری سلسلہ میں بیعت فرمایا اور جو روحانی حصہ تھا عطا کیا، یہ ہیں اولیاءِ کرام۔

---

[۱۴] صدر الافاضل کے استاد بھائی ۱۲ منہ

شاہ جی محمد شیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض نہیں کیا تھا، مگر انہوں نے خود ارشاد فرمایا کہ تمہارا حصہ وہاں ہے، یہاں حاضر ہو کر حضرت مولانا محمد گل صاحب کی خدمت میں کچھ عرض نہیں کیا تھا، پیلی بھیت گیا تھا، وہاں شاہ جی نے کیا فرمایا، خود حضرت نے وہاں کی حاضری اور جو گفتگو شاہ جی میاں نے فرمائی تھی، اُس کی اطلاع دے دی۔ شاہ جی محمد شیر میاں صاحب نے چلتے وقت دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنانِ دین پر فتح مند رکھے اور بچے عطا فرمائے، مراد آباد آنے کے بعد ایک ہفتہ گزرا تھا کہ ایک ساتھ دو فرزند پیدا ہوئے۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات:

جودھپور کے ایک وہابی ادریس نامی نے نظام الملک میں ایک مضمون اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے خلاف شائع کیا، جس میں سبّ و شتم وافترا اور اعلیٰ حضرت کی شان میں سخت گستاخیاں کی تھیں۔ صدر الافاضل کو یہ مضمون پڑھ کر بخار آگیا اور سخت تکلیف ہوئی، اگرچہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات نہ تھی، مگر اعلیٰ حضرت کی تصانیف پڑھ کر عقیدت و محبت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ رات ہی اس مضمون کا رد تحریر فرمایا اور صبح نظام الملک اخبار کے دفتر میں جا کر اسے مضمون شائع کرنے پر آمادہ کیا، ایڈیٹر نے مضمون چھاپنے سے انکار کیا، صدر الافاضل نے فرمایا کہ میرا مضمون تم چھاپو گے تو سُنی خریدیں گے، پھر اس کا جواب جودھپوری لکھے گا، تو وہابی تمہارا اخبار خریدیں گے، اس کے بعد میرا جواب الجواب شائع کرنا، تمہارے اخبار کی اشاعت بہت بڑھ جائے گی۔ یہ بات اُس کی سمجھ میں آگئی اور اُس نے صدر الافاضل کا مضمون شائع کیا، اس کے بعد جودھپوری کا مضمون شائع کیا، جب یہ مضمون

شائع ہوئے، تو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں خط پہنچے کہ آپ کا مضمون جو نظام الملک میں شائع ہوا ہے، وہ ہمیں بھیجیے، اعلیٰ حضرت کو تعجب ہوا کہ میں نے کوئی مضمون نظام الملک میں نہیں بھیجا، اہلسنت کی تائید میں کس کا مضمون شائع ہوا۔

حاجی محمد اشرف [۱۵] صاحب شاذلی مراد آباد سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، انہیں اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا کہ نظام الملک کے ایک مہینہ کے پرچے لے کر بریلی حاضر ہوں۔ حاجی صاحب یہ پرچے لے کر حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت نے اس کے مضامین پڑھ کر بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور دریافت کیا کہ یہ مضمون کن صاحب کے ہیں؟ حاجی صاحب نے بتایا کہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب ایک نوجوان فاضل ہیں، ۱۹ سال کی عمر میں بڑی عمدہ استعداد رکھتے ہیں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: انہیں ساتھ لے کر آئیں، حاجی صاحب مراد آباد آئے اور صدر الافاضل کو اپنے ساتھ لے گئے، اعلیٰ حضرت بڑے کرم و محبت کے ساتھ ملے، اس کے بعد کوئی مہینہ خالی نہ جاتا تھا کہ بریلی حاضری نہ ہوتی ہو۔

---

۱۵ حاجی صاحب کو اُن کے پیر کی دعا سے ایسی قوتِ حافظہ حاصل تھی کہ وہابیہ اور اہلِ سنت کی تمام کتابیں حفظ تھیں، بے پڑھے لکھے آدمی تھے، مگر مناظروں میں حاضر ہوتے مناظر کو بتاتے رہتے کہ فلاں مضمون فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر ہے، وہ صفحات نکالتے تو مضمون موجود ہوتا، اس طرح تمام کُتبِ مناظرہ انہیں اَزبر تھیں، بڑے مقدس بزرگ تھے۔ (عمر نعیمیؔ)

[چند یادگار مناظرے:[۱۶]]

اعلیٰ حضرت کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ پر وہ اعتماد تھا کہ جہاں سے مناظرے کی دعوت آتی، اعلیٰ حضرت اکثر وبیشتر وہاں صدر الافاضل ہی کو بھیجتے۔ نجیب آباد ضلع بجنور میں اشر فعلی کے مقابلہ کے لیے اور ضلع بھاگلپور میں محمد علی مونگیری ودیگر وہابیہ کے مقابل بریلی میں آریوں کے مقابل حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا، جس کا بیان آگے آئے گا۔

۱۔ صدر الافاضل مناظرہ میں وہ یدِ طولیٰ حاصل تھا کہ تمام کفار وبے دینوں سے مناظرے فرماتے، عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی، وہابی، غیر مقلد ومنکرینِ حدیث سب سے مناظرے کیے اور غلبہ پایا۔ زمانہ طالبِ علمی میں ہی بہت سے مناظرے فرمائے، مراد آباد محلہ گل شہید میں قبرستان کے قریب ایک آریہ رہتا تھا، جو شخص قبرستان میں فاتحہ پڑھنے جاتا، اسے بلا کر کہتا کہ روح تو کسی دوسرے قالب میں پہنچ گئی، بے کار فاتحہ پڑھتے ہو، اس سے کوئی فائدہ نہیں، جاہل مسمانوں کو بہکاتا۔ حاجی محمد اشرف صاحب نے آکر یہ حال عرض کیا، فرمایا: چلو اور قبرستان میں جاکر فاتحہ پڑھی، حسبِ عادت اس نے حضرت کو بھی بلایا اور جس طرح لوگوں کو بہکانے کے لیے تقریر کرتا تھا، تقریر شروع کی، حضرت نے روح کے متعلق اس سے سوال کیے، وہ لاجواب ہوا اور بہت گھبرایا۔ حضرت نے تناسخ کے باطل ہونے پر وہ دلیلیں قائم فرمائیں کہ وہ حیران ہوکر کہنے لگا: میں نے آج تک کوئی ایسا محقق فلسفی نہیں دیکھا اور کہنے لگا: اب میں کسی کو فاتحہ پڑھنے سے منع نہیں

---

[۱۶] یہ عنوان مرتب کا قائم کردہ ہے۔ علیمیؔ

کروں گا، میری تسلی ہو گئی۔ مراد آباد بازار چوک میں آریہ مبلغ روزانہ شام کو اسلام کے خلاف تقریریں کرتے تھے، حضرت مسجد قلعہ سے جمعہ پڑھا کر واپس آرہے تھے، ملاحظہ فرمایا کہ آریہ اعتراض کر رہا ہے اور شاہی مسجد کے مدرسہ کے ایک مدرس مولوی قدرت اللہ کچھ جواب دے رہے ہیں اور جب مکمل جواب نہ دے سکے، تو وہاں سے فرار ہو گئے اور آریہ نے تالی بجادی کہ مولوی صاحب عاجز ہو کر بھاگ گئے، میرے اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔ حضرت نے فرمایا: پنڈت جی آپ کا اعتراض کیا ہے، بیان کیجیے، میں جواب دیتا ہوں۔ اس نے بڑی تعلی سے کہا: آپ کے مولوی صاحب جواب نہ دے سکے، آپ کیا جواب دیں گے، حضرت نے فرمایا: آپ اعتراض تو کیجیے، پھر دیکھیے کہ تسلی بخش جواب آپ کو ملتا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ آپ کے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا، حضرت نے فرمایا کہ زید حضرت کے بیٹے نہ تھے متبنیٰ تھے، جسے اردو میں لے پالک کہتے ہیں، حضور نے کرم سے انہیں بیٹا فرمایا، شریعت اسلامیہ میں منہ بولا بیٹا نہیں ہوتا نہ وہ ورثہ پاتا ہے، وہ مر جائے تو نہ اُس کا ورثہ بیٹا کہنے والے کو ملے، آریہ کہنے لگا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہو جاتا ہے اور ورثہ وغیرہ کے تمام احکام ہندو دھرم میں اسے ملتے ہیں۔ حضرت نے دلائلِ عقلیہ سے ثابت فرمایا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے حقیقت نہیں بدلتی، حقیقت میں جس کے نطفے سے وہ پیدا ہوا ہے، اُسی کا بیٹا ہوتا ہے، صرف زبان سے بیٹا کہنا اس کی حقیقت کو نہیں بدلتا، اسے ایسے عمدہ پیرائے سے بیان فرمایا کہ سارا مجمع اُس سے متأثر ہوا مگر وہ پنڈت ضد سے کہنے لگا میں نہیں مانتا، سارا مجمع اس سے کہتا کہ عقل کی روشنی میں دیکھ، مگر وہ کہتا ہے: میں نہیں مانتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں ابھی تجھے منوائے دیتا ہوں، سنو مجمع والو! میں کہتا ہوں پنڈت جی تم میرے بیٹے ہو، تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا کہ پنڈت جی تم میرے بیٹے

ہو۔ اب میرے کہنے سے تم میرے منہ بولے بیٹے ہو گئے اور بقول تمہارے منہ بولے بیٹے کے تمام احکام ثابت ہو گئے۔ بیٹے کی بی بی حرام اور بیٹے کی ماں حلال۔ تو تمہاری ماں میرے لیے حلال ہو گئی، کہنے لگا: آپ گالی دیتے ہیں، فرمایا: میرا مدعا ثابت، جب تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا نہیں ہو جاتا، یہ سن کر پنڈت نے مجمع سے چلا کر کہا کہ آپ کے مولوی صاحب چلے گئے تھے، اب میں جاتا ہوں (یعنی: مولوی قدرت اللہ مدرس شاہی مسجد)، مجمع نے اس کے پیچھے تالیاں پیٹیں۔

۲۔ دہلی میں رام چندر نامی ایک آریہ بہت خوش آواز تھا، غیر مقلدین نے اُسے کچھ قرآن مجید کی سورتیں بھی اچھے لہجہ کے ساتھ یاد کرا دی تھیں۔ بہت ہی دریدہ دہن تھا۔ بریلی میں اس نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا، مسلمانوں نے اس کا چیلنج قبول کیا اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ کوئی عالم مناظرہ کے لیے مقرر فرمایے۔ انہوں نے ان لوگوں سے فرمایا کہ ابھی مراد آباد تار دو رات کو صدر الافاضل تشریف لے آئیں گے اور صبح مناظرہ شروع ہو جائے گا۔ تار کسی قدر تاخیر سے پہنچا، ریل کا وقت گزر گیا، صبح کو صدر الافاضل بریلی کو روانہ ہو گئے۔ دس بجے صبح بریلی پہنچے، حضرت حجۃ الاسلام نے صبح انتظار کیا، جب صدر الافاضل نہ پہنچے تو حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب رامپوری کو جو ایک بڑے جلیل فاضل تھے، مناظرہ کے لیے پیش کر دیا اور رام چندر سے روح ومادہ کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔ جس وقت حضرت صدر الافاضل جلسہ گاہ میں پہنچے تو گفتگو جاری تھی، مگر علمی بحث سے عوام کو بالکل دلچسپی نہ تھی۔ حضرت صدر الافاضل نے حجۃ الاسلام سے فرمایا کہ اگر میں کلام شروع کرتا ہوں تو آریہ کہے گا کہ آپ کے مولوی صاحب ہار گئے، اس لیے دوسرے مولوی کو کھڑا کیا ہے،

لہٰذا آپ صدر ہیں، اعلان کر دیجیے کہ گری کا وقت ہو گیا ہے، گیارہ بج گئے ہیں، بقیہ بحث رات کو ہو گی۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اعلان فرما دیا۔ جلسہ رات تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ صدر الافاضل نے فرمایا کہ سب لوگ اور دونوں مناظر چند منٹ کے لیے ٹھہر جائیں، میں مجمع کو یہ بتادوں کہ پنڈت جی اور مولانا صاحب کی اب تک کی گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا، سب لوگ ٹھہر گئے، صدر الافاضل نے رام چندر سے فرمایا کہ پنڈت جی آپ یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی وحیوانی ایک ہے، صرف صورت نوعیہ کا فرق ہے، پنڈت نے کہا: جی ہاں، صدر الافاضل نے فرمایا کہ مولانا صاحب نے فرمایا ہے کہ فقط صورت ہی کا فرق نہیں بلکہ روحِ حیوانی اور روحِ انسانی میں بہت فرق ہے، مولانا ظہور الحسن نے فرمایا: صحیح ہے۔ صدر الافاضل نے مجمع سے دریافت کیا: آپ لوگ کچھ سمجھے؟ مجمع نے کہا: کچھ نہیں، صدر الافاضل نے فرمایا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ آدمی اور گدھے میں روحانی کچھ فرق نہیں، گدھا اور آدمی ایک ہیں، فقط صورت میں فرق ہے، تمہارے سامنے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ روح حیوانی اور انسانی ایک ہے، یہ سن کر تمام مجمع قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ پنڈت جی اور گدھے میں فقط صورت کا فرق ہے، ورنہ دونوں ایک ہیں۔ مجمع میں شریک لوگ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ صدر الافاضل کو زندہ وسلامت رکھے، جنہوں نے دو لفظوں میں سارے مناظرہ کا نچوڑ ہمیں سمجھا دیا۔ یہ جلسہ کامیابی سے ختم ہوا۔ رام چندر نے کہا کہ اس وقت میں آپ کے یہاں آیا ہوں، شام کو آپ ہمارے مندر میں آئیں، وہاں گفتگو ہو گی۔ صدر الافاضل نے منظور فرمایا۔ صدر الافاضل کی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی، اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ رات کو آپ مندر میں جائیں گے؟ صدر الافاضل نے عرض کیا کہ حضور ہم تبلیغِ اسلام کے لیے مندر میں جائیں گے، اعلیٰ حضرت نے کامیابی کے لیے دعا

فرمائی۔ شب کو بعد نمازِ عشاء مندر پہنچے، رام چندر نے بڑے فخر کے ساتھ کہا: مولانا آپ مجھ سے کیا بحث کریں گے؟ میں آپ کی کتاب یعنی: قرآن پاک کے پندرہ پارے نوکِ زبان پر رکھتا ہوں، آپ میرے وید کے پندرہ ورق ہی اس طرح سُنا دیجیے، حضرت صدر الافاضل نے فرمایا: پنڈت جی یہ بات دوبارہ نہ کہنا، اس میں تمھیں سخت ذلت ہے، اس نے جواب میں کہا: واہ جناب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، آپ میری کتاب نہ پڑھ سکیں اور میری ذلت ہو، ذلت آپ کی ہو گی یا میری؟ صدر الافاضل نے فرمایا کہ ذلت تمہاری ہو گی، میں بڑی مہربانی سے یہ بات کہتا ہوں۔ اگر پھر آپ نے یہ کہا تو بہت ذلیل ہوں گے۔ پنڈت نے کہا: وہ کیسے؟ صدر الافاضل نے ارشاد فرمایا کہ جی آپ میری کتاب کے تو ۱۵ پارے یعنی: آدھی کتاب سُنا سکتے ہیں، اپنا وید جسے تم خدا کی کتاب مانتے ہو، اس کو تو آدھا سُنا دو، چہارم سُنا دو، ۱۵ ورق ہی، پانچ ورق ہی فقط پڑھ دو۔ اس سے قرآن مجید کی صداقت کا پتہ چلتا ہے کہ مخالف کی زبان پر بھی اس کا یہ فیض ہے کہ وہ پندرہ پارے سنانے کے لیے تیار ہے اور ماننے والے یعنی: مسلمان تو کوئی جاہل سے جاہل گاؤں کا رہنے والا بھی ایسا نہیں، جسے کچھ نہ کچھ قرآن مجید یاد نہ ہو، کم از کم ایک آیت: بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہی اس کو یاد ہو گی، قرآن پاک کا دعویٰ ہے: ھُدیً لِلنَّاسِ۔ یہ کتاب سارے جہان کے لیے ہدایت ہے، یہ دعویٰ پنڈت جی تمہارے قول سے ثابت ہو گیا اور قرآن مجید کا سارے عالم کے لیے ہدایت ہونا، آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ اس مضمون کو حضرت نے ایسے شاندار طریق سے بیان فرمایا کہ سارا مجمع حتیٰ کہ ہندو تک بھی قرآن مجید کو کتابِ الٰہی ماننے پر مجبور ہو گئے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت لگائے اور پنڈت رام چندر بہت خفیف ہو کر کہنے لگا: یہ مکان جلسہ کے لیے مستعار لیا گیا ہے، وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ اب میں جلسہ ختم کرتا ہوں، کل پر گفتگو ملتوی

کرتا ہوں، جلسہ ختم ہوا مسلمان کامیابی کے ساتھ فتح وظفر کے خوشی میں نعرے لگائے ہوئے واپس ہوئے اور پنڈت جی راتوں رات بریلی سے روانہ ہوگئے، صبح کو اسے تلاش کیا تو جواب ملا، جلسہ رات ختم ہوگیا سب مہمان چلے گئے۔

۳۔ نواحِ متھرا اور آگرہ میں شردھانند نے جب فتنۂ ارتداد شروع کیا، حضرت نے اسے مناظرہ کی دعوت دی، اس نے دعوت قبول کی۔ حضرت دہلی تشریف لے گئے وہ دہلی سے بھاگا اور بریلی پہنچا۔ حضرت نے بریلی جاکر اسے چیلنج کیا، وہ وہاں سے لکھنؤ بھاگا، حضرت لکھنؤ پہنچے، وہاں سے وہ پٹنہ پہنچا، حضرت نے پٹنہ اس کا تعاقب کیا، وہاں سے وہ کلکتہ روانہ ہوا۔ حضرت نے وہاں جاکر اسے پکڑا، تو اس نے مناظرہ سے صاف انکار کر دیا۔ جناب احمد حسن صاحب رضوی نے نجیب آباد سے اعلیٰ حضرت کو تار دیا کہ اشرف علی یہاں آیا ہوا ہے، ہم نے مناظرہ کی دعوت اسے دی ہے، آپ فوراً مناظر بھیجے۔ اعلیٰحضرت نے صدرِ شریعت مولانا امجد علی صاحب اور حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کو روانہ کیا اور فرمایا کہ مراد آباد اُتر کر صدر الافاضل کو اپنے ہمراہ لے کر نجیب آباد جاؤ اور صدر الافاضل کو ضرور ہمراہ لینا۔ حجۃ الاسلام نے بریلی سے تار دیا اور حضرت کو ہمراہ لے کر نجیب آباد پہنچے، وہاں پہنچ کر اشرف علی کو خط لکھا، تھانوی نے صبح جواب دینے کا وعدہ کیا اور راتوں رات نجیب آباد سے بھاگ گئے، دوسرے دن صبح معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ روانہ ہو گئے۔ وہاں فتح کا جلسہ کر کے یہ حضرات واپس ہوئے۔ بھاگلپور میں حضرت حامیِ سُنت جامع شریعت وطریقت عالمِ نبیل فاضل جلیل مولانا الحاج الشاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی کے مریدین میں مولوی عبد الشکور کاکوروی وغیرہ نے جاکر اہلسنت کے خلاف تقریریں کیں اور میدان خالی دیکھ کر مناظرہ کا چیلنج دیا، ان لوگوں نے حضرت والا درجت مولانا شاہ احمد

اشرف صاحب کو اس کی اطلاع دی، حضرت موصوف نے اعلیٰ حضرت کو یہ واقعہ تحریر کیا اور خود بھاگلپور تشریف لے گئے اور مناظرہ کی دعوت قبول کی اور خلیفہ باغ کی مسجد مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صدر شریعت مولانا امجد علی صاحب اور صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو بھاگلپور بھیجا، وہابیہ نے گیدڑ بھبکیاں شروع کیں، پہلے "المدد یا پولیس" پکارا اور داروغہ کو بھیجا کہ مناظرہ بند کرو۔ صدر الافاضل نے فرمایا: انسپکٹر صاحب آپ کو مناظرہ بند کرنے کا اختیار نہیں، یہ اختیار مجسٹریٹ کو ہے، اس کا حکم لائیے۔ انسپکٹر صاحب نے کہا: مجھے نقضِ امن کا اندیشہ ہے، حضرت نے فرمایا: اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ میں جیسا کہوں گا، مجمع اُسے تسلیم کرے گا۔ میں آپ کو تحریر لکھے دیتا ہوں۔ داروغہ صاحب مجبوراً واپس ہوئے اور وہابیہ کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی، تو خلیفہ باغ کی مسجد کے متولی کو بھیجا کہ وہ متولی ہونے کی حیثیت سے مناظرہ موقوف کر دیں۔ متولی صاحب نے آکر کر کہا کہ میں مناظرہ بند کرتا ہوں، مسجد میں مناظرہ کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت صدر الافاضل نے ارشاد فرمایا کہ متولی صاحب اپنی تولّیت کی خیر منائیے اور تشریف لے جائیے، وہابیہ کی شکست پر ان حیلوں سے پردہ نہیں پڑ سکتا۔ متولی صاحب نے کہا کہ وہ مناظرہ کے لیے تیار ہیں، حضرت نے فرمایا کہ پہلے انہیں میدانِ مناظرہ میں لائیے پھر کچھ فرمائیے، اس پر متولی صاحب نے کہا: میں مناظرہ بند کرتا ہوں، حضرت نے فرمایا: مسلمانو! تم ایسے متولی کو جو مسجد میں اللہ کے ذکر کو روکے، متولی ہونے سے معزول کرتے ہو، مجمع پکار اُٹھا: ہم نے اس متولی کو معزول کیا، حضرت نے فرمایا: رائے عامہ متولی کو موقوف کر سکتی ہے۔ تشریف لے جائیے، آپ کی تولیت باطل ہوئی، متولی صاحب روانہ ہوئے، تو وہابیہ نے یہ فریب کیا: ایک شخص کو بھیجا کہ مولوی محمد علی صاحب مونگیری جو وہابیہ کی طرف سے مناظر ہیں، کہتے ہیں

کہ مناظرہ عربی زبان میں ہو گا، حضرت نے فرمایا: منظور اور دو شرطیں ہماری طرف سے اور زیادہ ہیں، عربی میں ہو گا اور غیر منقوط زبان میں ہو گا اور نظم میں ہو گا، یہ سُن کر وہابی حیران ہو گئے، ان میں یہ قابلیت کہاں تھی، وہ تو دھوکہ بازی کے لیے شرط لگا رہے تھے کہ علماءِ اہلسنت اس شرط کو منظور نہ کریں گے، جب یہ فریب بھی نہ چلا تو خائب و خاسر ہو کر بھاگے اور حضرت صدر الافاضل اور حضرت صدر شریعت اور حضرت سراپا برکت مولانا سید احمد اشرف صاحب فتح کے جلسے کرکے مظفر و منصور واپس آئے۔

الحاصل حضرت کی ساری عمر اسی طرح اِحقاقِ حق واِبطالِ باطل میں گزری، حتیٰ کہ صاحبِ کتاب 'براہینِ قاطعہ' مولوی خلیل احمد انبیٹھوی پر اعلیٰ حضرت کے فتوئے کفر پر اِتمامِ حجت کے لیے اُن کے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور خود حضرت قدس سرہ اور آپ کی معیت میں منشی شوکت علی[ے۱] صاحب رامپوری اور سید حبیب صاحب مدیر 'سیاست' لاہور گئے۔ گفتگو فرمائی، حکمِ شرعِ مطہر سے باخبر کیا، وہ جواب سے عاجز و مجبور ہو کر کہنے لگا: آپ مجھے کافر نہیں، اَکفر کہیے مگر میرے پاس جواب نہیں'۔ اس طرح وہ ذلیل ورُسوا ہوا، مگر قبولِ توبہ کی جرأت رفیقِ حال نہ ہوئی۔

غرض آپ کی علمی واِفادی کارہائے دینی کہاں تک بیان کیے جائیں۔

(بصد شکریہ سوادِ اعظم لاہور)

ے۱ کنز الایمان اور خزائن العرفان کے پہلے کاتب ۱۲ منہ

پاکستان آمد:

مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

ناظرینِ گرامی! تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا، یہ وہ واقعات تھے، جن میں سے اکثر کا تعلق صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ظاہری کے دور سے تھا، یعنی: تقسیمِ ہند سے پہلے کا دور۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جو واقعات پیش آئے، اُن کی بھی کچھ جھلکیاں گذشتہ صفحات میں آگئی تھیں اور عزیز محترم ڈاکٹر حامد علیمی سلمہ نے انہیں منضبط کیا، اب مجھے کچھ اور باتیں یاد آتی ہیں، انہیں ضبطِ تحریر میں لا رہا ہوں۔ ان میں بھی کچھ تقسیم ہند سے پہلے کی ہیں اور کچھ اُس دور کی جس میں تاج العلماء پاکستان آگئے تھے۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد بر صغیر میں جو واقعات پیش آئے، وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں، سرکاری ملازمین میں کچھ وہ تھے، کہ جب اُنہیں پاکستان میں ملازمتیں میسر آئیں، تو وہ پاکستان آگئے، لیکن جب حالات خراب ہوئے، کشت وخون کا بازار لگ گیا اور عوام نے بھی پاکستان کا رخ کیا اور بہت سے وہ تھے، جنھوں نے ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔ ہندوستان کے بعض رہنماؤں نے کہا کہ ہمارا مقصد، جس کے لیے آزادی حاصل کی تھی، وہ پورا ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب صدر الافاضل سے پاکستان جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: 'مقصد، حصولِ آزادی تھا، وہ پورا ہو گیا، اکثریتی والے صوبوں کو آزادی مبارک۔۔۔'۔ تفصیلات سے قطعِ نظر جب مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ممکن نہ رہا، تو لوگ جوق در جوق پاکستان آنے لگے۔

تاہم اُصولوں کی زندگی پر عمل پیرا لوگوں نے ہندوستان چھوڑنا گوارا نہ کیا اور اس کے علاوہ یہ بھی ناممکن تھا کہ اقلیتی صوبوں کے سب مسلمان ہندوستان سے ترکِ وطن کریں۔ چنانچہ صدر الافاضل اور اُن کے معتقدین و متوسلین ہندوستان میں رہے۔

چونکہ آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اُس کا مقصد بھی پورا ہو گیا تھا، نیز ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشرتی اور تبلیغی سرگرمیاں ممکن نہ رہی تھیں، اس لیے آل انڈیا سنی کانفرنس کی سرگرمیاں بھی جاری نہ رہ سکیں۔ مفتی محمد عمر نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲/ مئی ۱۹۴۸ء کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ براستہ لاہور پاکستان کے دورے پر تشریف لائے۔ یہ دورہ مختصر مدت کے لیے تھا، دورہ کے بعد یہ دونوں حضرات ۸/ جون ۱۹۴۸ء کو واپس ہندوستان روانہ ہو گئے۔

دورانِ سفر ہی صدر الافاضل بیمار ہو گئے تھے، تاہم واپسی کے کچھ دنوں بعد سخت علیل ہو گئے، جس نے تاج العلماء کو نہایت مصروف کر دیا اور آپ خود ضیق النفس یعنی: دمہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، تاہم صدر الافاضل کی بیماری نے اپنی بیماری کو بھلا کر رکھ دیا تھا۔ ایسے میں آپ کی مصروفیات میں ایک اور اضافہ ہو گیا کہ جو لوگ صدر الافاضل سے بیعت ہونے آتے تھے، آپ اُن سے صدر الافاضل کی طرف سے بیعت لیا کرتے تھے۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے پیر کے دن ۱۹/ ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۸ء، رات بارہ بج کر پچیس منٹ پر سفر آخرت فرمایا اور دوسرے دن ۳ بجے دن آپ کو جامعہ نعیمیہ میں مسجد کے قریب دفن کیا گیا۔ صاحبزادگان کی موجودگی کے باوجود نمازِ جنازہ تاج العلماء نے پڑھائی۔ نیز بعد میں صدر الافاضل کی نیابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

یہاں یہ بات لکھنے پر مجبور ہوں کہ مراد آباد کے بعض لوگ تحریکِ پاکستان کے مخالف ہونے کے باوجود پاکستان آ گئے تھے، ایسے لوگوں کے نام میں نے قصداً نہیں لکھے ہیں۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اکثریتی فرقہ والوں اور قوم پرست قوتوں کو کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا اور وہ لوگ جو دو قومی نظریے کے حامل تھے، مصیبتوں کا شکار ہونے لگے۔ انہی میں تاج العلماء بھی تھے، آپ کو دو محاذوں کا سامنا تھا، سیاسی محاذ (نائب ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس) اور دوسرے وہ لوگ جو مفادات کی خاطر تاج العلماء سے کد رکھتے تھے، وہ لوگ پس پردہ مخالفت پر آ گئے، لیکن تاج العلماء کی امانت، صداقت اور خلوص کا مقابلہ نہ کر سکے[۱۸]۔ صدر الافاضل کی علالت کے دوران اور انتقال کے بعد بھی جامعہ نعیمیہ مراد آباد کا نظم ونسق پوری طرح آپ کے زیرِ انتظام رہا، اس کے علاوہ معاشرتی سرگرمیوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی ضروریات کو بھی سنبھالا، اس موقع پر مجھے یہ شعر یاد آ رہا ہے:

من از بے گانگاں ہر گز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تاج العلماء نہ تو مالدار تھے، (نہ اَپر مڈل کلاس) بلکہ صرف سفید پوش تھے۔ جامعہ نعیمیہ سے جو مشاہرہ ملتا تھا، وہ اخراجات کے سلسلہ میں ناکافی تھا۔ لیکن صدقِ نیت اور رزق میں برکت شامل حال رہی۔ ماہنامہ السواد

---

۱۸ مرتب کے بے انتہا اِصرار کے باوجود قبلہ مفتی اطہر نعیمی صاحب نے اشارۃً بھی ان میں سے کسی کا نام نہیں بتایا، بلکہ فرمایا: ان میں اب اکثر کا انتقال ہو چکا ہے۔ علیمیؔ

الاعظم کو چلاتے رہے، لیکن حالات سے مجبور ہو کر اس کو بھی بند کرنا پڑا تھا۔ نعیمی پریس بھی بند ہو چکا تھا۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جامعہ نعیمیہ کی مصروفیات کی وجہ سے نہ تھا، اس کے علاوہ تادم مرگ لوگوں کی تصانیف پر نظرِ ثانی سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی[۱۹]۔ یاد رہے کہ اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا تھا۔

(مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب نے ضمناً یہ فرمایا کہ) ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو والدۂ صاحبہ مع اہلِ خانہ اور چند دیگر رشتہ داروں کے مراد آباد سے پاکستان کے لیے روانہ ہوئیں۔ پہلے پہل لاہور آئیں اور پھر کچھ دن قیام کے بعد ۶/ نومبر ۱۹۵۰ء کو کراچی پہنچیں۔

مذکورہ بالا ناگفتہ بہ حالات اور علالت کے باوجود تاج العلماء جون ۱۹۵۱ء تک مرادآباد میں ہی رہے۔ وہاں سے بغداد شریف حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے سفر پر روانہ ہوئے، یہ سفر بمبئی کے راستہ سے نہیں، بلکہ براستہ کراچی ہونا تھا، جو چند دنوں پر مشتمل تھا۔ مراد آباد (انڈیا) سے دوبارہ پاکستان ۵/جون ۱۹۵۱ء کو روانہ ہوئے اور ۸/جون ۱۹۵۱ء مطابق ۲/رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ کراچی آمد ہوئی۔ یہاں قیام کے دوران ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں کشیدگی ہونے لگی، وجہ یہ تھی کہ وزیرِ اعظم پاکستان لیاقت علی خاں نے ہندوستانی وزیرِ اعظم کو مُکا دکھایا تھا۔ لہٰذا تاج

---

۱۹ نوٹ: انتقال کے بعد چار پانچ مسودات آپ کے صاحب زادے مولانا محمد اطہر نعیمی نے لوگوں کو واپس کیے تھے، جو علالت کی وجہ سے دیکھ نہیں سکے تھے۔ علیمیؔ

العلماء کو کراچی میں قیام طویل کرنا پڑا، نیز بغداد شریف کا سفر بھی مؤخر کرنا پڑا، اس لیے کہ بغداد شریف میں مختصر قیام کے بعد دوبارہ ہندوستان جانا تھا۔

یہاں کراچی میں اَعزہ واقربا کے علاوہ مبلغِ اسلام شاہ عبد العلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ اور اِصرار تھا کہ آپ یہیں قیام کریں، شاہ صاحب نے فرمایا: 'مولانا نعیمی صاحب! آپ کا کراچی میں قیام، گھر والوں کے لیے نعمت تو ہے، لیکن میرے لیے بھی باعثِ اطمینان، میرا ارادہ ہے کہ کراچی میں دار العلوم قائم کروں، تاہم اپنی حسبِ منشا، میں کسی شخصیت کی تلاش میں تھا، اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ میں اکثر وبیشتر پاکستان سے باہر رہتا ہوں، میرے لیے دار العلوم کی نگرانی ممکن نہیں'۔ چنانچہ مولانا عبد العلیم صدیقی کے اِصرار سے تاج العلماء کو پاکستان کی نیشنیلٹی مل گئی۔ البتہ مولانا عبد العلیم رحمۃ اللہ علیہ کو ہنگامی طور پر بیرونِ ملک سفر درپیش ہوا اور یہ منصوبہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

یہاں یہ بات لکھتے ہوئے ڈر سا معلوم ہوتا ہے کہ تاج العلماء کے کراچی قیام سے بہت سوں کو خوشی ہوئی، تو وہاں بعض ایسے بھی تھے کہ اس قیام سے اُن کی سیادت وقیادت متأثر ہونے لگی۔ تاج العلماء کو کراچی میں قیام کے دوران یہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی اور ضیق النفس (دمہ) مزاحم ہونے لگا۔ یہاں آپ کو مناسب مصروفیت درکار تھی اور اس کے علاوہ بود وباش کے لیے مناسب مکان کی احتیاج بھی۔ آپ کے اہلِ خانہ پہلے ہی پاکستان آچکے تھے اور کراچی میں ایک فلیٹ میں قیام پذیر تھے، جو تیسری منزل پر دو چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا، تاج العلماء سے ملنے آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی کوئی مناسب جگہ نہ تھی اور مہمانوں کی آمد پر اُن کی پذیرائی حسبِ عادت نہ ہونے پر بہت احساس دلاتی تھی، یہاں پہلے ہی دس نفوس رہا کرتے تھے۔

اس صورتِ حال کو سمجھتے ہوئے حاجی عبد المجید، جو بمبئی میں ہوتے تھے، انہوں نے آپ کے لیے ایک کمرہ کا انتظام کیا۔ تاج العلماء صبح سے دوپہر تک وہاں بیٹھتے تھے۔ جب تشنگانِ علم کو یہ پتہ چلا تو انہوں نے پڑھنے آنا شروع کر دیا، یوں آپ کو بھی مصروفیت مل گئی اور اس کمرہ نے باقاعدہ ایک مدرسہ کی شکل اختیار کر لی۔ ان پڑھنے آنے والوں میں موجودہ صدر پاکستان ممنون حسین، اُن کے بھائی اختر حسین اور مولانا جمیل احمد نعیمی مد ظلہ اور مفتی عبد اللہ مرحوم وغیرہ شامل ہیں۔ حالات کی ناسازگاری اور اپنی علالت کے سبب تاج العلماء کوئی شایانِ شان مدرسہ نہیں بنا سکے۔

فلیٹ کی تیسری منزل پر ہونے کے سبب آنت کی شکایت (اپنڈکس) ہوئی، ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ گراؤنڈ فلور پر رہائش اختیار کی جائے، چنانچہ تلاش شروع ہوئی، لیکن حسبِ منشا کوئی جگہ دستیاب نہ ہوئی۔ (مولانا محمد اطہر نعیمی فرماتے ہیں کہ) میں نے سرکاری اسکیم کے ذریعہ قسطوں پر ایک جگہ ناظم نمبر ۴ میں الاٹ کرا لی تھی، تاج العلماء اپنے اہل وعیال کے ساتھ اُس فلیٹ میں رہتے ہوئے تقریباً تین سال تک مسلسل تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت کا کام بحسن وخوبی ادا کرتے رہے۔ تین سال کے بعد ناظم آباد نمبر ۴ میں لی گئی جگہ پر مکان کی تعمیر شروع ہوئی، یہ کام یکم مارچ ۱۹۵۶ء کو شروع ہوا، جو حالات کے سبب تقریباً آٹھ ماہ تک بقدرِ ضرورت جاری رہا۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد تاج العلماء اپنے اہل وعیال کے ساتھ ۲۴/ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۸/ نومبر ۱۹۵۶ء کو اس مکان میں منتقل ہوئے۔ یہاں آپ نے دیگر اُمور کی انجام دہی کے ساتھ اپنے بچوں کی شادیوں کا بندوبست بھی کیا۔ اس دوران جامع مسجد آرام باغ، جو اُس

تعمیر نہ ہوئی تھ، میں خطابت شروع کی۔ کچھ دنوں بعد عالیشان مسجد کی تعمیر ہوئی۔ یہ سلسلۂ خطابت ملازمت نہ تھا بلکہ یہ سلسلہ اعزازی تھا، جو دمِ آخر تک جاری رہا۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت:

۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختمِ نبوت اپنے عروج پر تھی، دیگر علماءِ اہلسنت کی طرح تاج العلماء نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اسے خوب پھیلایا۔ اس سلسلے میں علماءِ اہلسنت نے حکومتی ظلم وجبر کی پرواہ کیے بغیر اس تحریک کو جاری رکھا، کئی علماء ومشائخ کو قید وبند کی صعوبتوں اور دیگر مشکلات وتکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ سیفٹی ایکٹ کے تحت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ۱۶/ مارچ ۱۹۵۳ء کو تحریکی کارکن ہونے کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا اور تقریباً چوبیس دنوں کے بعد ۲۵/ رجب المرجب ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۰/ اپریل ۱۹۵۳ء کو رہا کیا گیا۔ اِن اسیروں میں مفتی مظفر احمد صاحب (ڈاکٹر مسعود احمد مرحوم کے برادر) بھی شامل تھے۔

مشہور علماءِ کرام:

مرتبِ کتاب اس موضوع پر لکھوا کر میرے لیے دشواریاں پیدا کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ والدِ محترم کے ملاقاتی علماء ومشائخ میں بہت سے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، لیکن بحمدہ تعالیٰ اُن کے معتقدین ومتوسلین تو بقیدِ حیات ہیں، میری ترجیحات اُن کے لیے وجہ شکایت ہو سکتی ہیں اور میرا نقطۂ نظر میرا راز ہے۔

والدِ محترم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ اپنے سے چھوٹے سے بھی پر تپاک انداز اختیار کرتے، جب بعض لوگوں کو اعتراض ہوا، تو فرمایا: میری خوش اخلاقی کی وجہ سے اگر کسی کی عزت افزائی ہونے لگے اور لوگ یہ سوچیں کہ مفتی صاحب کا طرزِ عمل اُن کے ساتھ مشفقانہ ہے تو میرے لیے باعثِ ثواب ہو گا، "دل بدست آور کہ حجِ اکبر ست"۔

تبلیغی اسفار و زیارتِ حرمین:

تقسیمِ ہند سے قبل اور بعد تبلیغی سفر تو بہت کیے، لیکن بیرونِ ملک سفر حرمین شریفین دو ہی مرتبہ ہوا اور بغداد شریف کا سفر ایک مرتبہ۔

سیاسی سرگرمیاں:

سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تحریکِ آزادیِ پاکستان کے سلسلہ میں سُنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے علاوہ سُنی کانفرنس کے نائب ناظم ہونے کی وجہ سے شدھی اور تحریکِ خلافت وغیرہ میں کبھی کھلے عام اور زیادہ تر خاموش کارکن کی حیثیت سے سرگرمیاں جاری رکھیں (میں نے یہ جملہ اس لیے کہا ہے کہ اُن کے سیاسی دشمن کہا کرتے کہ مولانا عمر نعیمی تو حسبِ ضرورت اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں)۔

خدمت خلق و رفاہی کام:

سطورِ بالا میں درج کاموں کے علاوہ والد محترم کا مطمحِ نظر اپنے شاگردوں اور معتقدین کو مضمون نگار بنانا تھا، کبھی اُن کی نو تصنیف کتابوں اور مضامین کی اِصلاح آپ کا اضافی مشغلہ تھا۔

لباس:

تاج العلماء سادہ زندگی گزارا کرتے تھے، ان کا لباس سفید کُرتا اور سفید پاجامہ ہوا کرتا تھا، سردی میں عمامہ اور گرمی میں گول کلف دار ٹوپی اور ناگرہ جوتی، سردی میں گرم شیروانی اور گرمی میں موسم کے مطابق ہلکے رنگ کی۔ خود بھی سادگی اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی اسے اختیار کرنے کی تعلیم دیتے، البتہ بھڑک دار لباس زیبِ تن کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

وصال:

۲۳/ ذو القعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۷/ مارچ ۱۹۶۶ء بروز جمعرات، کراچی میں واصل بحق ہوئے۔ جنازے میں عوام وخواص کی کثیر تعداد نے شرکت کی، نمازِ جنازہ کی امامت کے سلسلے میں مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ والد محترم کے انتقال کے بعد جامع مسجد آرام باغ کی خطابت کا مسئلہ بھی تھا۔ یہاں مجھے مولانا عبد الحامد بدایونی یاد آرہے ہیں جب والد صاحب کی نماز جنازہ کے لیے ناظم آباد نمبر ۳ عید گاہ جارہے تھے، تو مولانا نے مجھ سے کہا تھا کہ شیروانی اور عمامہ ساتھ لے لینا میرے علاوہ میرے چھوٹے بھائی حافظ محمد ازہر مرحوم سے بھی کہا وہ مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا بدایونی نے عمامہ اور شیروانی کے لیے کہا ہے غرض یہ کہ شیروانی اور عمامہ ساتھ لے لیا گیا، جنازہ گاہ پہنچ کر مولانا بدایونی نے جنازہ کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ نمازِ جنازہ مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد اطہر نعیمی پڑھائیں گے جو مفتی صاحب کا بیٹا ہونے کے علاوہ ماشاء اللہ عالم

بھی ہیں۔ چنانچہ نمازِ جنازہ میں نے پڑھائی [۲۰]۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ مبارک مسجد دار الصلوٰۃ ناظم آباد نمبر ۴، کراچی میں ہے، تاریخِ وصال ''مفتیِ جنت محمد عمر'' (۱۳۸۵ھ) ہے۔

نوٹ:

یہاں تک مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ نے مرتب کو حیاتِ تاج العلماء کے بارے میں لکھ کر اور کئی مقامات اِملا کروا کر عنایت کیے۔ جبکہ آنے والی سطور کے لیے 'سوادِ اعظم لاہور' اور کراچی سے شائع ہونے والے کچھ پُرانے اخبارات کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا۔ ہم ذیل میں اس سے استفادہ کرتے ہوئے مزید چیزیں پیش کرتے ہیں۔ یہ مواد صاحبزادہ محمد نعیمی خلف مفتی محمد اطہر نعیمی نے راقم کو عنایت فرمایا، اللہ تعالیٰ سب کو دارین کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ علیمیؔ

---

[۲۰] دیکھیے ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی دسمبر ۲۰۱۴ء۔

سانحۂ ارتحال کی خبریں

روزنامہ 'نئی روشنی'، کراچی:

کراچی سے نکلنے والے روزنامہ 'نئی روشنی' میں درج ذیل خبریں شائع ہوئیں:

۱۷ مارچ ۱۹۶۶ء بروز جمعرات :

مولانا مفتی محمد عمر نعیمی انتقال فرما گئے

کراچی ۱۷ مارچ (نمائندہ نئی روشنی) یہ خبر علمی اور دینی حلقوں میں نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ہر چیز کے جید عالم، مولانا مفتی محمد عمر آج صبح ۴ بجے کے قریب انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ جامع مسجد آرام باغ کے خطیب تھے، مرحوم اپنے اعلیٰ علمی تبحر کی بنا پر مشائخِ اسلام میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ پاکستان اور ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مرید ہیں۔ انتقال کے وقت مرحوم کی عمر ۷۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ آپ کا جنازہ آپ کی رہائش گاہ واقع ناظم آباد بلاک نمبر ۴ سے آج شام ۳ بجے اُٹھایا جائے گا۔

۱۸/ مارچ ۱۹۶۶ء بروز جمعہ:

'حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرحوم'

حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کل ۱۷/ مارچ کی صبح سویرے تقریباً چار بجے اللہ کو پیارے ہو گئے اور اس مادی دنیا سے نقل مکانی فرما گئے۔ چار بجے سہ پہر قبل عصر ناظم آباد عید گاہ میں مرحوم کے بڑے صاحب زادے جناب حافظ محمد اطہر صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ناظم آباد میں مرحوم کے مکان کے بالکل قریب مسجد سے باہر دفن کئے گئے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کی وفات کی اطلاع کراچی کی بے شمار مسجدوں میں نمازِ فجر کے وقت دی گئی، مذہبی دنیا میں کہرام مچ گیا۔ (مذہبی دنیا کو اس لیے مخصوص کر دیا کہ کراچی

ہیں مذہب سے بے نیازی کا جو عالم ہے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں)۔ نئ روشنی میں شائع اطلاع کے مطابق جنازہ مرحوم کے گھر سے تین بجے اُٹھایا جائے گا۔ وہ لوگ جو علماء کرام سے والہانہ محبت اور اُلفت رکھتے ہیں، مرحوم کے گھر پہنچنے لگے اور ہجوم بے اندازہ ہو گیا، مرحوم کو غسل دے کر اور کفنا کر مرحوم کے کمرہ میں رکھ دیا اور عاشقانِ مذہب مرحوم کا آخری دیدار کرنے لگے، کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

میری دانست میں کراچی کے جملہ علماءِ کرام میں سے شاید گنتی ہی کے علماء ایسے ہوں گے، جو تشریف نہ لا سکے، چند علماء کو میری آنکھیں تلاش کرتی رہیں، مگر میں اُن کو کوشش کے باجود نہ دیکھ سکا، حالانکہ حضرت مفتی صاحب مرحوم امامِ اہلِ سنت وجماعت تھے اور جن کو میری آنکھیں تلاش کر رہی تھیِ وہ بھی امامِ اہلسنت وجماعت ہی تھے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم مراد آباد میں حضرت مفتی محمد نعیم الدین صاحب کے جانشین تھے اور حضرت نعیم الدین صاحب کا غیر منقسم ہندوستان کے جید علماء میں شمار تھا۔ حضرت مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کے وعظ میں مجھے اکثر شرکت کا شرف ملا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ حضرت مفتی صاحب کا طرزِ بیان اور طریقۂ وعظ واحد انوکھا اور اچھوتا تھا، مفتی صاحب مرحوم دین کے اُن مسائل کو جو ایک مسلمان کو بالخصوص اور ایک نمازی کو بالعموم جاننا ضروری ہیں، بڑی آسان زبان اور نرم وشیریں لہجہ میں بیان فرما دیا کرتے تھے۔ جامع آرام باغ میں حضرت مفتی صاحب نے کم وبیش سولہ سترہ برس تک نماز جمعہ اور نمازِ عیدین کی امامت فرمائی ہے اور بالکل بے لاگ۔

حضرت مفتی صاحب سیاسی رجحان سے بالکل مبرا تھے، وہ کبھی کسی حکام اور افسر سے ملنے کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک دو مرتبہ حضرت م فتی

صاحب کو قصرِ صدارت میں دعوت دی گئی، لیکن مرحوم نے بڑے عجز وانکسار کے ساتھ معذرت کر لی۔ حضرت مفتی صاحب خوبیوں ہی خوبیوں کا مجسمہ اور تاج العلماء تھے۔ حضرت مفتی صاحب ناظم آباد میں رہتے تھے اور مسجدِ آرام باغ تک آمد ورفت کے کرایہ کے بھی کبھی روادار نہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق کی تلاش کرنے والوں کو حضرت مفتی مرحوم جیسی شخصیت کی ابھی اور ضرورت تھی، لیکن مرضیِ مولیٰ، جب تک خالقِ اکبر نے ان کو زندہ رکھنا مناسب سمجھا، زندہ رکھا اور حق کی تعلیم اُن کے سپرد فرمائی اور حق سبحانہ نے مناسب سمجھا اُن کو اپنے پاس بلالیا، بندہ دخل نہیں دے سکتا۔ یہ پیدا کرنے والے ہی کی مصلحتیں ہیں، جو وہی اُن کو بہتر سمجھتا ہے۔ یہ خاکی پتلا عاجز ہے، اب ہم ان کے لیے صرف دعائے خیر ہی کر سکتے ہیں اور اُسی چیز کی اب اُن کو ضرورت بھی ہے۔ لہٰذا ہم سب کا فرض ہے کہ ہم حضرت مفتی صاحب مرحومؒ کے لیے مالکِ دو جہاں سے دعائے مغفرت طلب کریں۔ (اس کُل کائنات نے فنا ہونا ہے اور ہر چیز جو پیدا کی گئی ہے، اُس نے اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا ہے، صرف خدائے وحدہ لاشریک کی ذات نے قائم رہنا ہے اور ہر ایک شے نے فنا ہونا ہے۔)

۲۰/مارچ ۱۹۶۶ء بروز ہفتہ:

'مفتی صاحب مرحوم کے لیے فاتحہ مغفرت'

حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرحوم کے لیے دعائے فاتحۂ مغفرت آج بروز ہفتہ مفتی صاحب مرحوم کے مکان واقع ناظم آباد نمبر ۴ کے نزدیک مسجد میں ظہر وعصر کے درمیان قرآن خوانی ہوگی اور بعد نمازِ عصر دعائے مغفرت مانگی جائے گی۔

روزنامہ 'انجام'، کراچی

کراچی سے نکلنے والے ایک اور اخبار، روزنامہ انجام ۱۹/ مارچ ۱۹۶۶ء میں وصال کی خبر یوں شائع ہوئی:

مفتی محمد عمر نعیمی رحلت کر گئے مرحوم کو سپردِ خاک کر دیا گیا

کراچی ۱۷/ مارچ (اسٹاف رپورٹر) پاکستان کے جید عالم مولانا مفتی محمد عمر نعیمی آج صبح ۴ بجے انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پہلے اُنھیں بسلسلۂ عارضۂ قلب ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ جہاں ڈاکٹروں نے سخت جدوجہد کی، لیکن اُن کی حالت بگڑتی ہی گئی۔ مولانا کی خواہش تھی کہ انتقال کے وقت گھر ہی پر موجود ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے انتقال سے چند گھنٹے پیشتر اُن کے لواحقین سے کہا کہ وہ اُنھیں گھر لے جائیں۔ مرحوم جامع مسجد آرام باغ کے خطیب اور اعلیٰ تبحر اور علمیت کی بنا پر اُنھیں مشائخِ اسلام میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ آرام باغ میں آپ نے تقریباً ۱۵ سال تک خطیب کی حیثیت سے اعزازی طور پر خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ آمد و رفت کا خرچ بھی خود ہی برداشت فرماتے۔ انتقال کے وقت مرحوم کی عمر ۷۵ سال تھی۔ آج شام ۴ بجے مسجد دار الصلوٰۃ کے قریب مرحوم کی تدفین عمل میں آئی۔ نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد شریک تھے۔

افسوس صد افسوس! علمِ دین اور اسلامی زندگی کا یہ جگمگاتا چراغ ۱۷/ مارچ ۱۹۶۶ء کو گُل ہو گیا۔ خُلقِ محمدی کا ایک نمونہ زیرِ زمیں روپوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنے بے شمار الطاف کی بارش فرمائے۔ (انجام کراچی)

خصوصی مقالہ جات

ملک کے دیگر شہروں کی طرح کراچی کے اخبار و جرائد میں مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی مقالہ جات لکھے گئے اور اہلِ علم نے اپنے اپنے طور پر خوب خراجِ عقیدت پیش کیا، ہم اِن میں سے چند کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

ا۔ وصالِ پُر ملال کے موقع پر مدیر 'سوادِ اعظم' لاہور نے ۷/اپریل ۱۹۶۶ء کے شمارے میں لکھا:

آہ! حضرت 'تاج العلماء' العلامہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدثِ کراچی رحمۃ اللہ علیہ

یہ خبر انتہائی رنج والم، شدید درد وکرب، گرتے آنسو اور لرزتے قلم سے سپردِ قرطاس کی جارہی ہے کہ دنیائے اہلِ سنت کے آفتاب، موجود زمانہ میں پاک وہند کے تمام علماءِ اہل سنت کے اُستاذ الاساتذہ اور آپ کے اس ترجمان 'سوادِ اعظم' کے مُربی وسرپرست، سیدی واستاذی، ملجائی وماوائی حضرت علامہ تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدثِ کراچی رحمۃ اللہ علیہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۶۶ء بروز جمعرات صبح چار بجے مرضِ کلیہ میں تقریباً چار ماہ علیل رہ کر کراچی میں وصال فرماگئے، اِنَّا للهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ۔

آپ سیدی ومرشدی اُستاذ العلماء صدر الافاضل حضرت مولانا حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ العزیز کے نہ صرف ارشد تلامذہ میں سے تھے، بلکہ دستِ راست اور اخیر وقت تک قوتِ بازو تھے۔ اور صحیح معنی میں آپ ہی اپنے مشفق استاذ قدس سرہ کے علمی وارث وجانشین تھے۔ آپ نے تمام عمر مبارک، آخری لمحہ تک

دین حق کی اشاعت وخدمت اور تعلیم و تبلیغ میں صرف فرمائی۔ آج پاک وہند میں جتنے بھی علماء اہلِ سُنت ہیں، اُن میں سے اکثر وبیشتر واسطۃً یابلا واسطہ آپ ہی کے شاگرد، یا آپ کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے جہاں آپ ساس کے مؤسسین میں سے ہیں، وہاں آپ اس کے صدر مدرس و مہتمم بھی رہے اور ۱۹۴۹ء تک اُس کا انصرام واہتمام آپ ہی کے سپرد رہا۔ پھر کراچی میں آپ نے بحر العلوم مدرسہ 'مخزنِ عربیہ' جاری فرمایا۔ آپ نے ہر اسلامی تحریک میں پوری شد و مد کے ساتھ حصہ لیا۔ جب فتنۂ ارتداد اُٹھا، تو آپ نے بھی اُس فتنہ کے استیصال میں بھرپور قوت صرف فرمائی۔ گاندھی گردی کا فتنہ اُٹھا، تو آپ نے بھی پوری شدت سے اُس کا استیصال فرمایا۔ کانگریسی فتنے اُٹھے تو آپ نے مکمل عزم وہمت سے پامردی کے ساتھ اُس کا مقابلہ کیا اور جب قیامِ پاکستان کی تحریک اُٹھی، تو آپ نے قیامِ پاکستان کے لیے سَر دھڑ کی بازی لگادی۔ بنارس میں آل انڈیا سُنی کانفرنس جو تحریکِ قیامِ پاکستان کی مساعی میں سے ایک اہم سعی تھی، اُس میں شبانہ روز بھرپور حصہ لیا۔ اور آپ جمہوریتِ اسلامیہ آل انڈیا سُنی کانفرنس کے نائب ناظمِ اعلیٰ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد استحکامِ پاکستان کی غرض سے اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر مراد آباد سے ۱۹۴۹ء میں ہجرت فرماکر کراچی میں قیام پذیر ہوگئے۔ تحریکِ ختمِ نبوت کے زمانہ میں بھی آپ کو قید وحبس کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء تک علامہ ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کی مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کے آپ نائب صدر رہے۔ اسی طرح اخیر وقت تک حضرت مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی صدر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کراچی کے علمی طریقہ سے ممد ومعاون رہے۔

سوادِ اعظم:

مراد آباد کے دورانِ قیام، ماہانہ 'السواد الاعظم' نو سال تک جاری فرمایا، اور اُس کے طابع وناشر اور مدیر کے فرائض انجام دیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے اپنے اس خادم راقم الحروف کو حکم واِذن فرمایا کہ 'سوادِ اعظم' کو جاری کرو۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء سے یہ 'سوادِ ااعظم' آپ کی سرپرستی (نگرانی) اور اس خادم کی اِدارت میں جاری ہوا اور بفضلہ تعالیٰ اب تک جاری ہے[۲]۔

آہ! آج ہم سے یہ نعمتِ عظمیٰ اُٹھالی گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھارہا ہے۔ دنیائے سُنیت سُونی ہو رہی ہے۔ اس بات کا افسوس سب سے زیادہ ہے کہ اس 'قحط الرجال' کے زمانہ میں ایک ایک کرکے اساطینِ اسلام دنیا سے اُٹھتے جارہے ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ جہاں آپ کو اپنی ردائے رحمت وغفران میں ڈھانپے، وہاں آپ کے پس ماندگان، تلامذہ اور احبابِ اہل سُنت کو صبر جمیل اور رضائے الٰہی کے شکر کی توفیق رفیق فرمائے۔

آہ! آج ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ سیدی ومرشدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے فرزندان وپسماندگان وتلامذہ کو صبر کی توفیق بخشے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل، ہمارے سیئات کو محو فرمائے اور دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

چشم پُرنم غلام معین الدین نعیمی غفرلہ

---

[۲] سید غلام معین الدین نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد یہ بھی 'بند' ہو گیا تھا۔ علیمی

۲۔ وصالِ پُر ملال کے موقع پر مولانا اختر مظہری شاہجہاں پوری نے یوں اظہارِ خیال پیش کیا:

"ماہِ مارچ کی سترہ ۱۷ تاریخ کو دنیائے اسلام کا وہ مہرِ درخشاں ہم سے پنہاں ہو گیا، جس کے انوار سے سر زمینِ پاک وہند کا ذرہ ذرہ تابانی حاصل کرتا رہا تھا، مذہبِ حقّہ اہلِ سنت وجماعت کا وہ کون سا فرد ہو گا، جو آپ کے انتقال پُر ملال پر ایک عظیم خلا محسوس نہ کرتا ہو؟ حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سچّے جانشین تھے۔ "تاج العلماء" صرف تاج العلماء ہی نہیں تھے، بلکہ استاذ الاساتذہ بھی تھے۔

آپ کا وصال قحط الرجال کے زمانہ میں ہوا، موت العالم موت العالم کے مصداق آپ کی وفات حسرت آیات کا پوری دنیا کو افسوس ہے۔ سُنی حضرات اپنے ایک عظیم رہبر سے جُدا ہو گئے۔ ابھی تو محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، رئیس المناظرین ومتکلمین مفتی اعظم سنبھل حضرت مولانا محمد اجمل شاہ صاحب اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفسرِ اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی جُدائی کے زخم مندمل ہونے بھی شروع نہ ہوئے تھے کہ حضرت تاج العلماء بھی ہم سے جُدا ہو گئے۔

آپ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اپنے اُستادِ مکرم سے اتنی محبت تھی کہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے دستارِ فضیلت پانے کے بعد حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی جدائی گوارا نہ کی، بلکہ اُسی جگہ ایک قلیل مشاہرہ پر بطور مدرس کے کام کرنے لگے، حالانکہ دوسری جگہ آپ معقول تنخواہ حاصل کر سکتے تھے (مدرسۂ عالیہ کلکتہ کی وائس پرنسپل کی ملازمت قبول نہ کی، جہاں

سے مالی منفعت حاصل ہوتی)۔ اُسی میں آپ فتویٰ نویسی کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ پھر ایک مدت تک اُس عظیم درس گاہ یعنی: جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں بطور صدر المدرسین کے اپنی سعیِ پیہم اور ان تھک جد وجہد سے ادارہ کو چار چاند لگاتے رہے۔ 'السواد الاعظم' کے نام سے ایک بصیرت افروز اور معلوماتی پرچہ بھی آپ کی زیرِ اِدارت نکلتا رہا، جس کے ذریعہ بد مذہبوں کے ہذیانات کا جواب دیا جاتا، اور عوام کو غیر اسلامی رسومات، اور خلافِ شرع حرکات کی قباحت ووبال سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہ پرچہ پاکستان میں حکیم مفتی غلام معین الدین صاحب نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کی زیرِ اِدارت لاہور سے جاری رہا۔ ایسے خالص مذہبی اور اصلاحی اخبارات ورسائل کی ہر ممکن امداد کرنا از حد ضروری ہے، خصوصاً آج کل جبکہ ہر بد مذہب اپنے مذہبِ نامہذّب کی ترویج واشاعت میں چاق وچوبند ہے اور سُنیوں کی آواز گھٹتی جارہی ہے۔ اکثر اخبارات ورسائل دم توڑ چکے ہیں، یا عالمِ نزع میں پڑے سسک رہے ہیں۔ یہ امر علمائے اہلِ سُنت کے لیے بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

تاج العلماء اپنے شیخ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آریوں اور کافروں، بد مذہبوں کی شرارتوں کے استیصال اور رَد وتردید میں پیش پیش تھے۔ شُدھی اور سنگھٹن وغیرہ اسلام دشمن تحریکوں کی بیخ کنی میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اُستادِ مرحوم کی طرح عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بھی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ شانِ رسالت کے پیشہ ور گستاخ فرقہ کے افراد سے آپ کو از حد نفرت تھی، یہ اَلْحُبُّ فِی اللهِ وَالْبُغْضُ فِی الله کی وہ عظیم خوبی ہے، جس کے معیار پر بہت تھوڑے حضرات پورے اُترا کرتے ہیں۔ آپ کا تعلق مراد آباد کے ایک متوسط گھرانے سے تھا، لیکن سادگی آپ کو بے حد پسند تھی۔

حدیث وفقہ میں آپ بہت وسیع النظر تھے۔ ۱۹۴۸ میں بھارت سے پاکستان ہجرت کر کے آئے اور اُسی وقت سے آخری دم تک کراچی میں مرجعِ خلائق بنے رہے"[۲۲]۔

روزنامہ نئی روشنی:

روزنامہ نئی روشنی کراچی ۱۷ر مارچ ۱۹۶۶ء کو یہ مقالہ خصوصی شائع ہوا:

حضرت علامہ مفتی اعظم محمد عمر نعیمی، امام اہلِ سنت و سربراہِ احناف کا وصال ایک ایسا المیہ ہے، جس پر منصر رشد وہدایت کے سرفراز ہر طبقہ وعقیدہ کے علمائے حق وقفِ الم ہوں، تو تعجب کیا ہے۔۔؟ حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی حضرت علامہ دہر فاضل اجل الحاج مولانا مفتی محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جان نشیں تھے اور علمِ فقہ وحدیث میں امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ تعمیرِ پاکستان کے بعد اُن جیسے عالمِ برحق کا بھارت جیسے ملک میں جہاں مسلمان ہونا سب سے بڑا جرم ہے، قیام ممکن نہ تھا، کیونکہ حضرت مولانائے مرحوم اس گروہِ علماء حق سے تعلق رکھتے تھے، جس نے پاکستان کی پرزور تائید سے دریغ نہیں کیا۔ اور اپنے شاگردانِ رشید وحلقہ اثر جس کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، تحریکِ اِحیائے اسلام کی حمایت میں متفق فرمادیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء کے معرکہ آراء انتخابات عمومی میں یوپی کے ساتھ شہروں کے حلقے سے مسلم لیگکن کی عظیم الشان کامیابی میں اُن کا حصہ ناقابلِ فراموش تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے عالم برحق کا بھارت میں قیام ظاہر ہے کہ کتنا دشوار تھا۔ جب کہ حامیانِ کانگریس مولوی صاحبان کی درگت کے حقائق اظہر من الشمس رہے ہیں۔ لہٰذا اُنھوں نے ہجرت فرمائی۔ پاکستان تشریف لانے کے بعد

---

۲۲ اختر شاہجہاں پوری مظہری، "آہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ" سوادِ اعظم لاہور، یکم جون، ۱۹۶۶ء، ص ۸۔

حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی صاحب مسجد آرام باغ سے متعلقہ جامع العلوم مظہریہ کی مسند علم و عرفان کو زینت بخشی اور درس و تدریس سے بھاری تعداد کو نوازا۔ ان کی عالمانہ شان زہد و تقویٰ فقیرانہ ودرویشانہ زندگی قابلِ تقلید علماء رہتی۔ کبھی بحث و تمحیص اور اختلافی اُمور میں انھوں نے حصہ نہ لیا۔ نہ ہی تبلیغ حس سے کوتاہی فرمائی۔ جو مسائل جو تشنہ کام آپ کی خدمت میں حاصل ہوا، اُس کی تسلی تشفی فرمانے میں پوری توجہ فرمائی۔ حق کے اظہار میں کبھی دریغ نہ کیا اور باطل اوہام پرستی کی نفی میں کسی سے خائف نہ ہوئے۔ ان کی عالمانہ اور درویشانی زندگی سلفِ صالحین کا مکمل نمونہ تھی۔ اور کردار واخلاق میں خلقِ محمدی کی جھلکیاں نمودار رہتیں۔ اپنے مسلک پر ہمیشہ پختگی سے قائم رہے اور کبھی دنیاودنیاداری کا تعاقب نہ کیا بلکہ توکل ورضائے الٰہی پر قانع کی پوریشان سے تمام عمر استقامت حق پر گزار دی۔ کراچی اور پاکستان میں ایسے ہزارہا افراد وہستیاں موجود ہیں، جو حضرت مرحوم کے دامن عقیدت وحلقہ تلمذ سے وابستہ ہیں۔ خود حضرت مرحوم کی ذاتِ گرامی کا حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ نعیم الدین صاحب نور اللہ مرقدہ اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر بزرگوں سے جو روحانی اور تلمیذی تعلق رہاہے، اُس نے حضرت مرحوم کو مسند علماءِ حق اور مکتبہ رشد وہدایت مسلکِ اہلسنت کا سرجات قرار دیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں وہ مفتیِ اعظم اہلِ سُنت تھے۔ رہنمائے طریقت وشریعت حقہ تھے، ماحِ بدعت والِحاد تھے۔ ان کی ذات گرامی ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ ان کی رحلت اس نعمت سے محرومی ہے۔ ان کی وفات ایک ایسا حزینہ کہ جس پر نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت کے مسلمانوں اور وابستگان عقیدت کو بھی صدمہ عظیم پہنچنا لازمی ہے۔ عالم اسلام کے لیے اُن کی جدائی ایک خلا ہے، جو کبھی پُر نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو آغوشِ رحمت میں

مقامِ اعلیٰ عطا فرمائے، اور متبعین و متوسلین دامنِ صبر جمیل عطا ہو۔ نئی روشنی اور اس کے ناظرین اس صدمہ عظیم میں برابر کے شریک غم ہیں۔

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

۲۶/ فروری ۱۹۶۸ء کو مفتی صاحب کی بھانجی محترمہ نزہت بانو (ایم۔اے) نے یہ خصوصی مقالہ لکھا:

ایک عالمِ باعمل
مفتی محمد عمر صاحب نعیمیؒ

وہ علمیت اور دانشمندی کا سمندر تھا

موت اُس کی ہے، کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

۱۷/ مارچ کو صبح چار بجے مفتی محمد عمر نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ وہ دھڑکتا ہوا دل سکوت میں آ گیا، جس کے ساتھ لاتعداد دلوں کی دھڑکنیں متعلق تھیں۔ ہر زندگی کو ختم ہو جانا ہے، ہر آغاز کا ایک انجام ہے، ہر ابتدا کی انتہا۔ اس دنیا میں کوئی نہیں رہے گا، صرف خدائے عزوجل کی ذات ہے، جو باقی رہنے والی ہے۔ تاہم ابھی حق کی جستجو کرنے والوں کو اُن کی ضرورت تھی، لیکن خدا کی یہی مصلحت تھی اور وہ اپنے کوموں کو خوب سمجھتا ہے۔

مفتی صاحب نے مراد آباد کے ایک متوسط خاندان میں آنکھ کھولی۔ انتھک محنت، جہدِ مسلسل اور بے لوث جذبۂ عمل سے کام کیا۔ آپ کو داخلہ کے لیے حضرت علامہ نعیم

الدین صاحب کے مدرسے بھیجا گیا۔ آپ صحیح جواب نہ دے سکے، اس پر حضرت مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا: تمہارے استاد نے اس طرح پڑھایا ہے؟ آپ نے جواب دیا: میرے استاد نے تو صحیح پڑھایا ہو گا، مجھے ہی غلط یاد رہا۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجیے کہ ایک معصوم بچہ اس غلطی کو اپنے استاد سے منسوب نہیں کرنا چاہتا، بلکہ غلطی کی نسبت اپنی ذات سے کر رہا ہے۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو داخل فرمالیا۔ بعد ازاں آپ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اس دور کے طالب علموں کو موجودہ دور جیسی سہولتیں میسر نہ تھیں، تاہم آپ رات گئے مطالعہ میں غرق رہتے۔ اسی محبت اور کاوش کا نتیجہ تھا کہ ۱۳ برس کی عمر میں آپ کی دستار بندی ہو گئی اور آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کی دستار بندی کی۔

بعد ازاں آپ نے سلسلۂ درس و تدریس شروع کیا، تاہم اپنے آپ بھی اپنے استاد صاحب سے علم حاصل کرتے رہے۔ ایک وہ وقت آیا کہ جس مدرسہ میں بحیثیت طالبِ علم کے داخل ہوئے تھے، اس کے صدر مدرس قرار پائے۔

آپ ایک واعظ بھی تھے، مجھے ذرا سے جرأت کر لینے دیجیے اور بتانے دیجیے کہ آپ کا طریق وعظ بالکل اچھوتا اور انوکھا تھا۔ جن لوگوں کو آپ کے وعظوں میں شرکت کرنے کا شرف ملا، وہ بتاتے ہیں کہ آپ دین کے مسائل کو اس خوبی کے ساتھ سہل زبان میں بیان فرماتے کہ ایک عام مسلمان بھی استفادہ کر سکے۔

آپ سیاسی جھگڑوں سے ہمیشہ علیٰحدہ رہے، تاہم ہمیشہ تحریکِ پاکستان کی تائید کی اور جاہں کہیں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے واقعات سُنتے، آپ کا دل تڑپ اُٹھتا۔ ۱۹۴۵ء میں جب انتخابات ہوئے، تو مسلم لیگ کی کئی نشستوں کے جیتنے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد آپ کراچی تشریف لے آئے۔ آرام باغ مسجد سے متعلق رہے۔ یہاں پر جمعہ اور عیدین کی اعزازی طور پر امامت فرماتے۔ دینی علوم کی تبلیغ کے لیے ایک مدرسہ بحر العلوم قائم کیا، جہاں سے متعدد افراد علمِ دین حاصہ کر کے نکلے۔

پُر خلوص اور ملنسار انسان تھے۔ صبح سے شام تک متعدد افراد سے ملاقات ہوتی۔ اجنبی تھوڑی ہی دیر کی ملاقات کے بعد یوں محسوس کرنے لگتا گویا انھیں برسوں سے جانتا ہے۔ مروت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ دوسرے کی عزت اور وقار کا خیال کرتے۔ اگر کسی کی کوئی بات ناگوار گزرتی تو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے نرمی سے اُسے ذہن نشین کراتے۔ دوسروں کے جذبات کا بے انتہا خیال رکھتے۔ اگر کوئی مایوس ہوتا، تو ہمیشہ حوصلہ بڑھاتے۔ صبر وسکون کی تلقین فرماتے۔ عزم وہمت کی ترغیب دیتے۔ ان کی یہی عادات تھیں، جس کی وجہ سے ہر طبقہ کے افراد اُن کے پاس جمع رہتے۔ میں نے ان کے پاس ایسے لوگوں کو بھی آتے دیکھا ہے، جن کے آپس میں اختلاف ہوتے، تاہم ان کے پاس آکر ایک ہو جاتے۔

جذبۂ خدمت آپ کی روح میں داخل تھا۔ ہر ممکن طریق پر دوسروں کے کام آنے کی کوشش کرتے۔ اگرچہ کئی ماہ سے مسلسل بیمار چلے آرہے تھے، تاہم ۳/ مارچ کو

ایک شخص بلانے آتا ہے، آُنے اس کی درخواست کو رد نہیں فرمایا اور اس کے گھر چلے جاتے ہیں۔(۷ار مارچ کو آپ نے انتقال فرمایا)۔

دنیاوی چیزوں کا لالچ بالکل نہ تھا۔ برسوں آرام باغ مسجد میں امامت فرمائی، لیکن اپنے مکان سے مسجد تک جانے کے روادار بھی نہ ہوئے۔ بیواؤں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ کی مالی امداد اس طرح فرماتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہوتا۔ اگر کسی کی استعانت فرماتے تو اس پر احسان نہ جتاتے۔ قدرت نے آپ کو بے نفسی بے غرضی اور قناعت اور صبر وضبط کی نعمتوں سے نوازا تھا۔

آپ بلاشبہ حدیث وفقہ کے امام تھے۔ اکثر و بیشتر لوگ فتویٰ پوچھنے آتے اور آپ فوراًلوگوں کی ذہنی تکلیف دور فرماتے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اپنی دانش مندی اور تبحر علمی کی بدولت ایک عام انسان کو ذہن نشیں کرادیتے۔ ایک مرتبہ مجھے آپ کی خدمت میں صحیح بخاری شریف پڑھنے کا موقع ملا، مجھے بہت سی حدیثوں کا مطلب اور تشریح سمجھنا تھی، بالعموم معلم افراد کتاب سامنے رکھ کر احادیث پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں۔ مگر آپ کو تو جیسے احادیث حفظ تھیں، آپ نے بغیر کتاب دیکھے ہی سب کچھ سمجھا دیا۔

حیا اور شرم کا مادہ آپ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ گویا قدرت نے آپ کو اسی سانچہ میں ڈھالا تھا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر کو بھی جسم دکھانا گوارا نہ تھا۔ عموماً آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر شخص زندگی سے نالاں نظر آتا ہے۔ گردش روزگار اور مصائب وآلام کا شکوہ کرتا رہتا ہے۔ اپنے حالات سے کچھ نہ کچھ بیزاری کا اظہار کرتا پایا جاتا ہے، لیکن یہ بات میں نے آپ ہی کی ذاتِ بابرکات میں دیکھی کہ ہمیشہ اطمینان وسکون کا اظہار فرماتے، اکثر فرمایا کرتے تھے: ’اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے، وہ ہمارے سب کام پورے کرادیتا ہے‘۔

اپنے استاد کی بڑی قدر و منزلت فرماتے۔ ہر سال استاد مرحوم کا عرس فرماتے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو، جبکہ استاد کا تذکرہ اچھے الفاظ میں نہ کرتے ہوں۔ بالعموم یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان گھر سے باہر بڑا با اخلاق نظر آتا ہے، لیکن گھر کے اندر اس کی زندگی کا رخ کچھ اور ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی اندرونی اور خارجی زندگی میں بڑی حد تک مخالفت نظر آتی ہے، گھر میں بھی ہر فرد کا خیال کرتے۔ ہر ایک کے حقوق کا کما حقہ ادا فرمانے کی کوشش کرتے۔ گھر کے کسی فرد کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاتے۔

آپ کی شخصیت کی میں کون کون سی خوبیاں بیان کروں، آپ مجسم حسن و خوبی تھے۔ ہر شخص سے بہترین اخلاق کے ساتھ ملاقات کرتے۔ آپ کے کردار کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ یہی چیز اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر شخص خواہ اپنا ہو یا غیر آپ کے بارے میں یہی کہتا تھا کہ 'مجھے وہ سب سے زیادہ چاہتے تھے'۔

ذرا غور کریں اخلاق کا کتنا اونچا مقام ہے، آپ کے اخلاق میں خلقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس نظر آتا۔ بھلا اس سیرت و کردار کی ہستی انتقال کر سکتی ہے؟ کیا موت انھیں ہم سے جدا کر سکتی ہے؟ نہیں! وہ اپنے کارناموں میں اپنی سیرت میں اپنے کردار میں اپنے اخلاق میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

تواریخ و قطعات تاریخِ وصال:

استاذ الشعراء حضرت مولانا ضیاء القادری بدایونی مدّ فیضہ نے اپنی قلبی کیفیات کا اِظہار یوں کیا:

تواریخ نوائے ملال!

۱۳۸۵ھ

بسالِ وصال انتقالِ پُر ملال عالمِ بے مثال 'تاج العلماء' سراج الفقہاء
حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اشرفی قادری مراد آبادی قدّس سرّہٗ

حیف صد حیف کہ مولانا عمرؔ چھوڑ کر مجلسِ عالَم کہیے
عازمِ گلشنِ فردوس ہوئے سب کو ہے یہ غمِ پیہم کہیے
وہ مُفسّر تھے، محدث تھے، وہ آپ تھے دین کے ہمدم کہیے
شیخِ کُل عارف وعالم تھے حضور تھے وہ اُستادِ مکرم کہیے
اے ضیاء! سالِ وصالِ مرحوم 'قطبِ ربّانیِ اعظم' کہیے
۱۳ ھ ۸۵

دیگر

عالمِ ذی جاہ مولانا عمر تھے سراجِ علم مثلِ مہر ومہ
اے ضیاء! ہے آپ کا سالِ وصال عالی ہمّت رحمۃ اللہ علیہ
۱۳ ھ ۸۵[۲۳]

دیگر

ہیں رواں جنت کو مولانا عمر مبتلائے رنج وغم ہیں، نیک وبد
مدرسے میں کل جو تھے استادِ عصر قبر میں ہے، آج وہ نوری جسد

۲۳؎ تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص ۴۹۷۔

وہ مفتی، وہ محدث، وہ فقیہ دُور از عمرِ نکو قیدِ حسد
درس اور تدریس معمولِ مُدام اہلِ سُنت کے معاون اور ممد
تا ابد یا رب! رہیں وہ شاد کام اُن پہ رحمت روز ہو زیرِ لحد
بے سروپا ہیں قضا سے اے ضیاء! شغل وعقل ونفس اور زُہد وخِرد

۲۰۰ +۵ +۸۰ +۱۰۰ +۱۰۰۰

۱۳ ھ ۸۵ =

دیگر (برائے قبر)

شد چو مولیٰنا عمر خلدِ مکیں یک جہاں در غمِ اُو شد رنجور
عیسوی سَن بہ زبانِ ہاتف معتصم گفت ضیاء شد مغفور

۱۳۲۶ + ۶۴۰

۱۹ ھ ۶۶ =

دیگر

مولیٰنا عمر نعیمی فردوس مکیں شیخِ اکبر، شیخِ اعظم
گو سال ضیاءؔ صالح ہادی مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

۱۳۳۶	+ ۱۴۹
۱۳ ھ ۸۵	=

دیگر

میرِ جنت عمر نعیمی ہیں عرش کے تاجدار کے محتاج
خلد مسکن جناں نشیمن ہیں لے رہے ہیں وہ اہلِ حق سے خراج
مستحق عطائے رحمٰں تھے تھے وہ شیدائے صاحبِ معراج
سالِ رحلت بزرگ دوراں کی سوچیے کچھ بطور رسم ورواج
وادیِ خلد میں بزرگ شہر ہیں محمد عمر نعیمی آج

۷۳۴ + ۶۵۱= ۱۳۸۵ھ

دیگر

مولانا، ضیائے بینوا کے لا ریب تھے مونسِ قدیمی
تھے آپ مُدرس ومفسر آئینۂ عظمتِ عظیمی
اِتمام علومِ درسیہ کے بے شُبہ تھے ثانی تمیمی
تاریخِ وصال اُن کی کہیے تھے 'صدق اثر عمر نعیمی'

۱۳ ھ ۸۵

نذرِ عقیدت

منجانب ناصر الاسلام الحاض سید محمد عبد السلام قادری باندوی

مادہ ہائے تاریخِ وصال تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی، محدثِ کراچی قدس سرہ مطابق ۱۳۸۵ھ **"مفتیِ جنت محمد عمر"**

۱۳ ھ ۸۵

خدا کے پاس لیے قلب کو سلیم گئے　کرم کے سایہ میں رہ کر رہِ کریم گئے
نعیمیت میں فنا ایسے تھے وصال کے بعد　عمر نعیمی سوئے جنتُ النعیم گئے
جنابِ مفتی محمد عمر نے رحلت کی　جدائی سے ہمیں اپنے کیے الیم گئے
فنا تھے مُرشد واُستاد کی جو اُلفت میں　قریب صدرِ افاضل کے وہ ندیم گئے
اشرفیو! رضویو! نعیمیت کے ہمیں　فیوض دینے یہاں پر جو تھے مقیم، گئے
ہزار حیف کہ روحِ روانِ بحرِ علوم　بنا کے سیکڑوں عالم سوئے علیم گئے
"نعیمیہ عُمریہ" ہو اب مدرسہ کا نام　کہ یادگار ہمیں دے کے ایک قدیم گئے
فنا کی منزلیں کیں پاس سب بقا کے لیے　ز ملکِ فانی بہ باقی ومستقیم گئے
امین ووارثِ علمِ نبی ودولتِ دیں　زعیم ملتِ بیضاء، رہِ زعیم گئے

نعیمیؔ نعمتیں لینے بسنِ ہجری سلاؔم
عمر نعیمی بخلد جہانِ نعیم گئے

۱۳ ھ ۸۵

بنا سنِ رحلت ہے، اُن کا دگر نعیمی ہے فردوس مفتی عُمر
۱۳ ھ ۸۵
ہوا تیسرا سنِ مفتی عمرؔ سپرد بہشتی محمد عمر
۱۳ ھ ۸۵

ہے تاریخ رابع بوقتِ سفر نکھار بہشت محمد عمر
۸۵ ھ ۱۳

ہے تاریخ پنجم یہ مدِ نظر کر نہا بہشت محمد عمر
۸۵ ھ ۱۳

دیگر مادہ ہائے تاریخ

مندرجہ ذیل مادہ ہائے تاریخِ وصال مفتی محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ہیں، شعرائے کرام گرہ لگا کر قطعات ادارہ "سوادِ اعظم" لاہور یا دیگر اخبارات ورسائل میں شائع فرمائیں، اسی غرض سے یہ مادے نکالے گئے ہیں۔ راقم فقیر سید محمد عبد السلام القادری باندوی غفرلہ

انعام باد خلد محمد عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ قدر محمد عمر پائے بجنت النعیم ۱۳۸۵ھ
بعزّت محمد عمر جنتی ہو گئے ۱۳۸۵ھ ساکن ہوئے جناں میں جو مفتی عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ
صبح عمر نعیمی لائقِ جنت النعیم ۱۳۸۵ھ عمر نعیمی گوہرِ جنت النعیم ۱۳۸۵ھ
جنت امان مفتی عمر ۱۳۸۵ھ ما بین فردوس مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ
قباء فردوس مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ بقاءِ فردوس مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ
مفتی عمر نعیمی جناں دار مید ۱۳۸۵ھ حصۂ فردوس مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ
خلد محاصل محمد عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ صمصامِ خلد عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ
بسپر جنت نعیم عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ وہاجِ فردوس مفتی عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ
مقبولِ بہشت عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ یعقوبِ بہشت عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ
جلیس فردوس مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ جناں راس مفتی عمر نعیمی ۱۳۸۵ھ

برندۂ جناں	مفتی عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ	صمصامِ جناں	مفتی عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ
صفیِ جنت	نعیم محمد عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ	خلد راس	عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ
خلد دارمید	عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ	زیّانِ خلد	عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ
خلد اسر	عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ	فتوحات	عمر نعیمی	۱۳۸۵ھ

قطعاتِ تاریخی عالمِ وجیہ

۱۹ ء ٦٦

علمِ بدیع "تاج العلماء" محمد عمر نعیمی!

۱۳ ھ ۸۵

از فقیرِ نعیمی غلام معین الدین مخدوم مدیر "سوادِ اعظم" لاہور

ز دارِ فانی بسوئے جنت، برائے رویت حبیب اکرم
فقیہ و مفتی، محدث اعظم کہ ذات بودش و قارِ مسلم
معینِ محزوں بچشمِ گریاں بگفت سالِ وصالِ بیچوں
بمدحِ مولیٰ روانہ گردد، عمر نعیمی بنزدِ مُنعمؔ!

۱۳ ھ ۸۵

دیگر

در صنعتِ صوری و معنوی بتعمیۂ داخلہ

وہ تاجدارِ ملّت وہ فاضلوں کے سرور
سوئے جناں سدھارے حضرت عمر نعیمی
صوری و معنوی سَن مخدومؔ مع "جناں" لکھ
چوبیس ذیقعد کی، سَن تیرہ سو پچاسی

۱۹ء٦٦ = ۱۸ ٦۲ + ۱۰۴

زبدۂ اولیاء عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳ ھ ۸۵

از مولانا غلام قطب الدین احمد نعیمی برکاتی اشرفی

(برادر مولانا غلام معین الدین نعیمی)

بپا ہے اہلِ سُنن میں ماتم عمر نعیمی عمر نعیمی غریب پرور تھے سب کے ہمدم عمر نعیمی عمر نعیمی

جہانِ عالَم کے تاجور تھے شہِ عرب کے پیامبر تھے عدو کے حق میں تھے شیر ضیغم عمر نعیمی عمر نعیمی

حَسین منظر حَسین محفل، وہ بحث و تمحیص کے مناظر رہے نہ زخمی دلوں کو مرہم عمر نعیمی عمر نعیمی

تمہارے علم و ہنر کے آگے نہ پیش جاتی کسی کی ہرگز فنا تھے باطل کے سارے دم خم عمر نعیمی عمر نعیمی

علوم و حکمت کے تم تھے مخزن ہر ایک باطل کے جانی دشمن عدو بھی اب ہے بچشمِ پُرنم عمر نعیمی عمر نعیمی

وہ دینِ قیّم کے سچے خادم، علاءِ حق کے نڈر سپاہی خطیب و مفتی، فقیہِ اعظم عمر نعیمی عمر نعیمی

خیال تاریخِ وصلِ حق کا، جو دل میں احمد نعیمی آیا

پکارا ہاتف سراجِ عالَم عمر نعیمی عمر نعیمی

۱۳ ھ ۸۵

منقبت

شیدائے مصطفیٰ ہیں محمد عمر نعیمی مداحِ کبریا ہیں محمد عمر نعیمی

دلبند مرتضیٰ ہیں محمد عمر نعیمی فرزند فاطمہ ہیں محمد عمر نعیمی

حسنین کی ادا ہیں محمد عمر نعیمی اصحاب کی رضا ہیں محمد عمر نعیمی

ہادی و رہنما ہیں محمد عمر نعیمی مفتی و مقتدا ہیں محمد عمر نعیمی

تھے آفتاب وہ دین مبین کے اسلام کی ضیا ہیں محمد عمر نعیمی
حق دین و حق نما ہیں محمد عمر نعیمی آئینہ غوث کا ہیں محمد عمر نعیمی
گلزار اشرفی کی شاخ نعیمیہ کا ایک پھول خوشنما ہیں محمد عمر نعیمی
ہمدرد و بے نوا ہیں محمد عمر نعیمی بیکس کا آسرا ہیں محمد عمر نعیمی
خلق خدا کے واسطے حق سے تمام عمر کرتے ہیں دعائیں محمد عمر نعیمی

شہدا کربلا معلی کے نام پر
قربان کے ثنا ہیں محمد عمر نعیمی

۱۳ ھ ۸۵

قطعۂ تاریخ

از حضرت ابوالمخدوم صوفی صابؔر اللہ شاہ اشرفی نعیمی

روانہ گردد بسوئے جنت کہ دارِ فانی نکو نیامد
جنابِ حضرت عمر نعیمی امامِ دوراں فقیہِ اعظم
بسالِ وصلش بگفت صابؔر بچشمِ پُرنم بآہ وزاری
مُنیب مُنعم عمر نعیمیؔ جناں بیاہد زربِّ اکرم

۱۳ ھ ۸۵

منقبت

تاثیر ہر دعاء عقیدت اثر میں ہے   یہ کیفیت ثناء محمد عمر میں ہے
انوار علم و فضل عیاں ہیں جمال سے   فاروقیت کی شان جلالت عمر میں ہے
اللہ نے وہ علم عطا آپ کو کیا   صدیق کی نظر میں ہے قلب عمر میں ہے
انوارِ مصطفیٰ ہیں سرِ بزم آئینہ   جلوہ نما وہ نور، محمد عمر میں ہے
وہ معرفت پناہ ہیں وہ مخزن العلوم   یہ شان علم و فضل محمد عمر میں ہے
سرتاج عالماں ہیں زمانہ کہ آنحضور   وہ تاجور ہر انجمنِ تاجور میں ہے

تعزیت نامے

پاکستان کے مختلف شہروں سے تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے وصالِ پُر ملال پر تعزیت نامے آئے، جن میں سے چند کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

صابر براری نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے مدیر 'سوادِ اعظم' لاہور کو لکھا:

حضرت مکرم السلام علیکم! اُستاذ المعظم 'شیخ الحدیث مفتی نعیمی صاحب' کے وصالِ پُر ملال پر 'سانحۂ جانگداز راہیِ جنت' اِرسال ہے۔ آہ 'دنیائے علم وعرفان کا نمایاں چراغ بجھ گیا'۔ اس پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے۔ اور اس کا نعم البدل تلاش کرنا بے سود۔ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اگر مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ اور فقرے پسند ہوں تو 'سوادِ اعظم' میں جگہ دے دیں اور ۲، ۳ کاپیاں مجھے بھی

ارسال کر دیں، تو نوازش ہو گی۔ فقط۔ کوئی اخبار 'تاج العلماء نمبر' بھی شائع کرے۔ صابر براری عفی عنہ

تاریخِ راہی فردوس عالم بے بدل

۱۹۶۶ء

عالمِ حقانی زبدۂ آفاق شیخ اہلِ سنت

۱۹۶۶ء

مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی مراد آبادی

۱۹ء ۶۶

ہو کیوں نہ چشمِ حق بیں یوں اشکبار صابر عالَم سے اُٹھ گیا ہے، اِک عالمِ قدیمی
تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دیں میں تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد شمیمی
شیخ الحدیث تھے وہ اس دورِ حاضرہ کے اسلافِ ذی شرف کے مجموعۂ عمیمی
پہنچا دے اُن کو یارب! دربارِ مصطفیٰ میں دے خُلد اُن کو، تیری ہر شان ہے کریمی

سالِ وصال صابر لکھ 'فقر' کو ملا کر
ہادیِ اہلِ سنت مفتی عمر نعیمی

۱۹ء ۶۶

خان پور:

ادارۂ عربیہ سراج العلوم نہایت صد رنج واَلم کے ساتھ حضرت علامہ ''تاج العلماء'' مولانا قبلہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدثِ کراچی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلتِ طیبہ پر اِظہارِ

تعزیت کرتا ہے۔ حضرت علامہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں واحد شخصیت کے مالک تھے۔ موت العالم موت العالَم فرمانِ نبوی علیہ السلام کے مطابق حضرت کی رحلتِ طیبہ سے جو پاکستان میں بہت بڑا خلاء پیدا ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارۂ ہٰذا پسماندگان کے اس عظیم صدمہ میں برابر کا شریک ہے، اللہ تعالیٰ حضرتِ موصوف کے صاحبزادگان کے حضرت کے نقشِ قدم پر چلائے، آمین ثم آمین۔

دعاگو

حافظ سراج احمد مہتمم ادارۂ عربیہ سراج العلوم خان پور۔

حیدر آباد:

حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدثِ اعظم کراچی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقالِ پُر ملال پر بزمِ رضا حیدر آباد کے زیرِ اہتمام ۲۶ر ذیقعد کو دار العلوم احسن البرکات میں بغرض ایصالِ ثواب قرآن خوانی کی گئی اور تبرک تقسیم کیا گیا۔

(محمد جمیل رضوی قادری، ناظم نشر و اشاعت بزمِ رضا حیدر آباد)

میلسی:

یہ خبر اندوہ اثر سُن کر کہ یادگارِ صدر الافاضل حضرت مفتی محمد عمر صاحب نعیمی انتقال فرما گئے صدمہ شدید ہوا۔ حضرت مفتی صاحب، صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ کی روحانی و علمی یادگار تھے، باوجود کہ ایک بے مثال فاضل و مفتی تھے مگر تمام مسائل میں اپنے اکابر سیدنا اعلیٰ حضرت، سیدنا صدر الافاضل، حضرت

صدر الشریعت قدست اسرارہم کی طرف ہی رجوع فرماتے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ ہمارے بعض حضرات تحقیق کے نام پر اپنے اکابر اساتذہ ومشائخِ طریقت سے ٹکراتے ہیں، مگر قربان جایے حضرت مفتی صاحب قبلہ کے وہ اکابرِ کرام اہلِ سُنت کے مقابلہ میں آنے اور اُن کے مقابلہ میں اپنی تحقیق منوانے کے لیے قطعاً کوئی تحریک کرتے تھے۔ مولانا حسن علی صاحب قادری رضوی مہتمم مدرسہ حنفیہ غوثیہ انوارِ رضا کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان ومتعلقین کو تعزیت فرمائیں، اراکینِ مدرسہ انوارِ رضا اُن کے اس عظیم غم میں برابر شریک ہیں اور اُن کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

(فقیر محمد حشمت علی قادری رضوی غفرلہ)

"سوادِ اعظم لاہور" کا خصوصی شمارہ

(۱۵/ مئی ۱۹۶۶ء)

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر جہاں قومی اخبارات، رسائل وجرائد میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا، وہیں مفتی سید غلام معین الدین نعیمی نے اپنی ادارت میں نکلنے والے 'سوادِ اعظم لاہور' میں تاج العلماء کی حیات وخدمات کے حوالہ سے ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا، اس کے چند اقتباسات کو مستقبل کے محققین کے لیے ذیل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا چہلم مبارک:

کراچی میں حضرت تاج العلماء قدس سرہ کا چہلم مؤرخہ ۱۶۔۱۷/ اپریل ۱۹۶۶ء ہفتہ اتوار کو واقع مزار مبارک متصل مسجد دار الصلوٰۃ بلاک نمبر ۴ شمالی ناظم آباد کراچی منعقد ہوا۔ مقامی علماءِ اہلِ سُنت کے علاوہ بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی تقدس علی خاں بریلوی

دامت برکاتہ، مولانا محمد صالح صاحب (نعیمی، شاگرد تاج العلماء) مہتمم جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی اور فقیر غلام معین الدین نعیمی نے شرکت کی۔ قُل شریف اور چادر مبارک چڑھانے کے وقت فقیر غلام معین الدین نعیمی نے حضرت کے فرزندِ کبیر مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی کی دستار بندی کی۔ رات کو آرام باغ میں بسلسلۂ عُرس مبارک سیدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ عظیم الشان جلسہ ہوا وہاں پر حضرت "تاج العلماء" قدس سرہ کے آخری فارغ التحصیل پانچ طلبہ کی دستار بندی کی گئی۔

(۱۵ر مئی ۱۹۶۶ء، مدیر سوادِ اعظم، لاہور)

چہلم کے موقع پر ہی ۱۵ر مئی ۱۹۶۶ء کو 'سوادِ اعظم لاہور' شمارہ نمبر ۲ میں فرزانہ احمد صاحبہ نے لکھا:

'یوں تو ارشاد خداوندی کے مطابق موت ہر ذی روح کے لیے ضروری ہے اور جو بھی اس عالمِ فانی میں آیا ہے، اُسے عالمِ بقا کی طرف کوچ کرنا ہے۔ رحلت کرنے والوں کے لیے رنج اور افسوس بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ بعض کی موت صرف اعزا اور احباب کو متأثر کرتی ہے، جبکہ بڑی ہستیوں کی وفات پوری قوم کے لیے سانحہ اور ایک عظیم نقصان کا باعث ہوتی ہے اور ایسی وفات پر قوم جتنے بھی آنسو بہائے کم ہے۔

تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب قدس سرہ کی وفات حسرت آیات بھی اسی نوعیت کے مشاہیر کی وفات ہے۔ موصوف کی ذات گرامی مذہب سے بیگانگی اور بے دینی کے موجودہ دور میں دینی حلقوں کے لیے ایک بڑا سہارا تھی۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، بقول مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اس کا پُر ہونا ممکن نہیں۔ مفتی صاحب مرحوم کی تمام زندگی دینِ اسلام کی خدمت میں گزری۔ آپ نے اپنی پچاس سالہ عملی زندگی میں کیا کچھ کیا اور کس

قدر خدمات انجام دیں، اس کے لیے تو خیر ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے۔ یہاں مختصراً حضرت کی زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی جرأت کر رہی ہوں۔

مفتی صاحب قبلہ کا تعلق مرادآباد یوپی کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے اور اسی وجہ سے خاندان بھر کی آنکھوں کا تارا تھے۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے کئی بھائی صغر سنی میں وفات پا چکے تھے۔ آپ کے نانا نے منت مانی تھی میری لڑکی کے اگر کوئی اولادِ نرینہ زندہ رہی تو اس کو دینی علوم سے آراستہ کروں گا۔ خدا کے فضل سے آپ زندہ رہے اور ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو صدر الافاضل کی خدمت میں عربی تعلیم اور درسِ نظامی کی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا تھا اور انھوں نے اسی وقت اس ہونہار طالبِ علم کی ذہانت کا اندازہ لگا لیا، لیکن اپنے اصول کے مطابق کچھ سوالات معلوم کیے اور اپنی شاگردی میں قبول فرما لیا۔

جامعہ نعیمیہ مرادآباد اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔ بے سروسامانی کا عالم تھا، نہ تو اس وقت جامعہ کے پاس ڈھنگ کی عمارت تھی اور نہ دیگر ضروری سامان، لیکن کارکنان جامعہ اور طلبہ کے دل میں خدمت اور تبلیغ اسلام کی ایک لگن تھی۔ اسی عالم میں مفتی صاحب مرحوم زیرِ تعلیم رہے۔ آپ کی ذہانت، ہونہار پن، فرمانبرداری اور خدمت نے استاد محترم کو بطور خاص متأثر کیا اور آپ پر خاص توجہ دی جانے لگی۔ دن بھر مدرسہ میں گزارنا، شام کو استاد محترم کی خدمت میں حاضری اور رات گئے تک اسباق کا مطالعہ۔ انہی کاوشوں اور محنت کی بدولت تیرہ سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کی دستار بندی کے موقع پر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی موجود تھے اور انہی کے دست مبارک سے آپ کے دستارِ فضیلت باندھی گئی۔

مفتی صاحب کی خدمت اور علمیت سے استاذِ محترم پہلے ہی متأثر تھے، دستار بندی کے بعد سے آپ کو جامعہ نعیمیہ میں ہی بطور مدرس مقرر کر دیا۔ درس و تدریس کے ساتھ ہی استاد محترم کی خدمت میں مزید تعلیم اور فتوے کی مشق کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ دن میں مدرسہ میں درس دینا اور رات کو دس گیارہ بجے تک فتویٰ نویسی۔ غرضیکہ انتھک محنت اور جانفشانی کے بعد آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور فتویٰ نویسی میں کافی مہارت پیدا کر لی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ آپ اسی جامعہ کے شیخ الحدیث مقرر کر دیے گئے۔ اس دوران کلکتہ، ناگ پور، مبارک پور وغیرہ سے آپ کو خطوط موصول ہوئے، جن میں وہاں کے مدارس کے لیے صدر مدرسی پیش کی گئی تھی، لیکن آپ نے استاذِ محترم سے جدائی گوارانہ کی اور مراد آباد کے قلیل مشاہرہ کو ان مقامات کے معقول مشاہرہ پر ترجیح دی۔

جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی صدر مدرسی کے ساتھ ساتھ آپ نے استاذِ محترم کی معیت میں تبلیغِ دین کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اس سلسلہ میں برصغیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکات اس زمانہ میں شباب پر تھیں۔ ہر طرف مسلمانوں کے دین و مذہب پر ڈاکا جارہا تھا۔ مفتی صاحب مرحوم نے ان تمام اسلام دشمن تحریکات کے خلاف پوری مستعدی کے ساتھ جہاد کیا۔ ہم عصر علماء کے ساتھ باہم مشوروں سے ایسی تدابیر اختیار کیں، جن سے فتنۂ ارتداد کو روکا جاسکے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ایک رسالہ 'السواد الاعظم' جاری کیا۔ یہ ایک خالص مذہبی رسالہ تھا، جس میں تبلیغِ اسلام کے ساتھ غیر مسلموں کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا جاتا تھا۔ یہ اعتراضات بیشتر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، اسلام اور قرآن کریم پر ہوتے تھے۔ 'السواد الاعظم' نے جہاں غیر مسلموں کے منہ بند کیے، وہاں اپنے بامقصد اور معلوماتی مضامین کے باعث دینی اداروں کے

طلبہ کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ معمولی پڑھے لوگوں نے بھی 'السواد الاعظم' کا خوش دلی اور دل چسپی سے خیر مقدم کیا۔ 'السواد الاعظم' کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دیہات میں معمولی طور پر تعلیم یافتہ شخص نے شدھی کی تحریک کا مقابلہ صرف اسی رسالہ کے مضامین کی بدولت کیا۔ اس شخص نے اس حد تک افادہ کیا کہ غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات دیتا اور پھر خود بھی تناسخ اور دوسرے مسائل پر غیر مسلموں سے اپنے سوال کرتا۔

مفتی صاحب عملی سیاست سے بالکل علیحدہ رہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ آپ کو قوم وملت اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود سے دل چسپی نہ تھی۔ عملی سیاست سے علیحدگی کے باوجود آپ نے حصول پاکستان کے لیے جد وجہد کی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی حاصل کردہ نشستوں میں سے اکثر کے لیے آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ 'آل انڈیا سنی کانفرنس' جس کا تاریخی اجلاس بنارس میں منعقد ہوا تھا، اس میں بھی تائید پاکستان کی گئی تھی۔

تقسیم کے بعد آپ ۱۹۴۸ء میں اپنے استاذِ محترم کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے۔ لاہور، کراچی، بہاول پور اور دیگر شہروں کا دورہ کیا اور یہاں آپ نے علوم کی ترویج وترقی کا جائزہ لیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ مستقلاً پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں ایک دینی ادارہ قائم کیا، جہاں حدیث، فقہ وتفسیر کی تعلیم کے انتظامات کیے۔ الحمد للہ یہ ادارہ اب بھی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس ادارہ سے بہت سے علماء فارغ ہو کر نکلے اور اب ملک کے مختلف حصوں میں ملک وملت اور دین ومذہب کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر، حدیث، فقہ اور فتویٰ میں آپ کی علمیت اور وسعتِ نظر کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے۔ آپ اسلامی زندگی کا عملی نمونہ تھے۔ نمود و نمائش سے آپ کو نفرت تھی۔ شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ تمام زندگی آپ نے فوٹو کھنچوانے سے احتراز کیا۔ حالانکہ آج کل بیشتر علماء اس بدعت کو اختیار کر چکے ہیں، لیکن آپ کو اگر کسی جلسہ میں ایسا موقع پیش آیا کہ فوٹو گرافر کسی دوسرے کا فوٹو لے رہا ہے اور آپ کو خیال ہوا کہ ان کا فوٹو بھی آسکتا ہے، ایسے مواقع پر یا تو اپنا رخ تبدیل کر دیتے یا چہرہ پر رومال کی آڑ فرما لیتے۔ غرضیکہ دینی اُمور کے سلسلہ میں آپ کسی بدعت کے قائل نہ تھے۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو آپ نے اسی نظر سے دیکھا۔ مادی اشیاء کی آپ کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی، بلکہ بہت سی دنیاوی چیزوں سے احتراز ہی کیا۔ چنانچہ آرام باغ میں آپ نے تقریباً ۱۵ سال تک خطیب کی حیثیت سے اعزازی طور پر خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ آمد و رفت کا خرچ بھی خود ہی برداشت فرماتے۔

افسوس! صد افسوس! علمِ دین اور اسلامی زندگی کا یہ جگمگاتا چراغ ۱۷/ مارچ ۱۹۶۶ء کو گل ہو گیا۔ خلقِ محمدی کا ایک نمونہ زیرِ زمین روپوش ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان پر اپنے بے شمار الطاف کی بارش فرمائے[۲۴]۔

---

[۲۴] دیکھیے سوادِ اعظم لاہور، ۱۵/ مئی ۱۹۶۶ء۔

اولادواحفاد:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹوں اور بیٹیوں کی نعمت سے نوازا تھا، چنانچہ آپ کے ہاں پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ محمد اطہر نعیمی: پیدائش: ۲۷/ شعبان ۱۳۴۵ھ بروز بدھ۔

۲۔ حافظ محمد اظہر: پیدائش: ۱۰/ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ۔

۳۔ محمد اطیب: پیدائش ۱۰/ جمادی الاُخریٰ ۱۳۵۲ھ۔

۴۔ محمد طیب: پیدائش: ۲۶/ شعبان ۱۳۵۵ھ بروز جمعرات بمطابق ۱۲/ دسمبر ۱۹۳۶ء۔(گذشتہ سال ۲۰۱۷ء رمضان المبارک کے مہینہ میں یہ وصال فرماگئے۔ رحمۃ اللہ علیہ)

اور ۵۔ محمد طاہر۔ پیدائش: ۱۵/ رجب ۱۳۵۸ھ (ستمبر ۱۹۳۹ء)۔ تاج العلماء کو یہ سعادت حاصل رہی ہے کہ اُن کی تمام اولاد کے نام صدر الافاضل نے تجویز فرمائے۔

تذکرہ حافظ محمد ازہر:

مرادآباد کی مردم خیز زمین سے علم و فضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنکی ضیاپاشیوں سے ایک جہاں منور ہے۔ اس سرزمین کے ایک دینی گھرانے میں ۱۰/ ذی الحجہ ۲۹ ہجری ۸/ بجے شب تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کے گھر صاحب زادہ کی ولادت ہوئی۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب نے 'محمد ازہر' نام تجویز کیا۔

اردو کی ابتدائی کتب اور ناظرہ قران شریف والدہ صاحبہ سے پڑھا۔ حفظ قرآن حافظ عبد الحفیظ صاحب سے ۱۵ سال کی عمر میں کیا۔ عربی فارسی اور دیگر مضامین کی تعلیم 'جامعہ نعیمیہ' مراد آباد سے حاصل کی۔ صبح والد صاحب کے ہمراہ 'جامعہ نعیمیہ' جاتے تھے۔

وہاں حافظ عبد الحفیظ صاحب سے قران پاک کا دور کرتے اور دیگر مضامین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان آگئے اور یہاں اپنے والد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کے قائم کردہ دار العلوم مخزن عربیہ میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ ان دنوں مولانا عبد اللہ نعیمی شہد، مولانا جمیل احمد نعیمی اور ممنون حسین (موجودہ صدر پاکستان) بھی اسی مدرسہ میں متعلم تھے۔

پاکستان آکر قران پاک کا دور شاہ احمد نورانی صاحب کے ہمراہ کرتے تھے۔ پاکستان میں اُن دنوں دینی کُتب کے اشاعتی اداروں کا فقدان تھا، اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے تاج العلماء نے دینی کتب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور حافظ محمد ازہر کو اس کی ذمہ داری سونپ دی۔ جامع مسجد آرام باغ سے متصل 'ازہر بکڈپو' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور اس کے تحت دینی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ 'کنز الایمان مع خزائن العرفان'، 'حدائق بخشش'، 'سوانح کربلا'، 'رحمت خدا بسلطنت مصطفیٰ'، 'الکلمۃ العلیا'، 'کتاب العقائد' اور 'کشف الحجاب' وغیرہا کُتب شائع کیں۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ سندھی اور گجراتی زبان میں بھی کتابیں شائع کیں، نعلین پاک کا نقش پہلی مرتبہ رنگین اور آرٹ پیپر پر شائع کیا، جو بہت مقبول ہوا، لیکن یہ ادارہ معاشی طور پر مستحکم نہ ہو سکا اور بالآخر اس کو بند کرنا پڑا اور اس جگہ متبادل کاروبار کے طور پر 'ازہر پینٹ ہاؤس' قائم ہو گیا۔ لیکن یہ جگہ مستقل علم وہنر کی مقتدر شخصیات کی نشست رہی۔ حکیم سعید صاحب جن کا مطب نزدیک ہی تھا، اکثر آیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر فرید بقائی صاحب جب ڈاؤ میڈیکل کالج میں پڑھاتے تھے، تو واپسی پر یہاں رکتے تھے۔ سابق گورنر اور موجودہ صدر ممنون حسین اور اُن کے بھائی اختر حسین روزآنہ ہی آتے تھے۔

حافظ محمد ازہر صاحب انتہائی منکسر المزاج واقع ہوئے تھے، سخاوت رواداری، مروت اور رحمدلی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سماجی خدمات میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ غرباء اور مساکین کی غائبانہ امداد کیا کرتے تھے۔ ضعیفوں یتیموں اور بیواؤں کی دامے، درمے اور سخنے خدمت کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں سے اس کی بابت ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا۔ خاندان کی نادار بچیوں کا جہیز مہیا کرنا انہی کی ذمہ داری تھی۔

تاج العلماء کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کا قائم کردہ دار العلوم مخزن عربیہ بھی بند ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۸ء میں دار العلوم مخزن عربیہ کے نشأۃِ ثانیہ کا سلسلہ شروع ہوا اور مفتی محمد اطہر نعیمی، سید سعادت علی قادری، سید شجاعت علی قادری، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا اقبال حسین نعیمی، پروفیسر منیب الرحمٰن اور مولانا سراج کے ہمراہ فیڈرل بی ایریا میں عظیم الشان دار العلوم نعیمیہ کا قیام عمل میں آیا۔ حافظ صاحب نے نہ صرف دار العلوم اور مسجد نعیمی کی تعمیر کے لیے رقوم خرچ کیں، بلکہ اپنے احباب کو بھی رغبت دلائی۔ علماء کرام کے ہمراہ بیرون ملک گئے، ہندوستان کا سفر کیا، لندن کی منہاج القران کانفرنس میں شریک ہوئے، پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب سے بہت محبت کرتے تھے انکے ہمراہ ہانگ کانگ کا سفر بھی کیا۔

حافظ صاحب سلسلہ اشرفیہ میں حضرت محمد مختار اشرف صاحب سے بیعت تھے، جو کچھوچھہ شریف کے سجادہ نشین تھے۔ آپ نے تسلسل سے ۵۵ مرتبہ قرآن شریف کی تلاوت تراویح میں کی۔ مسجد دار الصلواۃ، ناظم آباد اور دار العلوم نعیمیہ (فیڈرل بی ایریا) کی مسجد کے علاوہ دور دراز کی مساجد میں بھی تراویح پڑھانے چلے جاتے تھے اور تمام اخراجات بھی خود ہی برداشت کرتے تھے۔ کراچی کی بہت سی مساجد میں تراویح کے لیے حفاظ کا

انتظام بھی کرتے تھے۔ حافظ صاحب نے پہلا حج ۱۹۶۵ء میں والدہ محترمہ کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد اہلیہ اور بچوں کے ساتھ بھی حج کی سعادت حاصل کی۔ کئی بار عمرہ کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔

۱۹۹۶ء میں گُردوں کی پتھری کے مرض میں مبتلا ہوئے، ختم قرآن کے بعد آپریشن کا ارادہ کیا، تاکہ آئندہ سال کی تراویح کا مُصلیٰ نہ چھوٹے، لیکن شومی قسمت کہ آپریشن کامیاب نہ ہو سکا اور مستقل علیل رہنے لگے۔ علالت کے باعث گھر پر تراویح کا اہتمام کیا اور تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، گُردوں کی خرابی کے باعث ہائی بلڈ پریشر اور ذیابطیس جیسے امراض بھی لاحق ہو گئے۔ ۲۰۰۵ء میں شدید قسم کا فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، لیکن اس معذوری کی حالت میں بھی تین سال لگاتار عمرہ کیا اور روضۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کی۔ ۳/ جون ۲۰۰۸ء کو دل کا دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا اور آپ ۵/ جون کو صبح ساڑھے چار بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ 'جامع مسجد فیضان علی' میں مفتی محمد اطہر نعیمی نے پڑھائی، اس کے بعد پاپوش نگر کے قبرستان میں والدہ محترمہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں پاکباز نیک طینت را

تذکرہ محمد طیب نعیمی:

تاج العلماء کے چوتھے صاحبزادہ محمد طیب نعیمی کی ولادت ۲۶/ شعبان ۱۳۵۵ھ بروز جمعرات بمطابق ۱۲/ دسمبر ۱۹۳۶ء کو صبح ۱۰/ بجے ہندوستان کے مردم خیز شہر مراد آباد میں ہوئی۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین نے نام 'محمد طیب' تجویز کیا۔ اردو کی ابتدائی کتب اور ناظرہ قرآن کی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ پاکستان آنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول صدر اور گورنمنٹ اسکول ناظم آباد میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر تجارت کرنے لگے۔ ناظم آباد میں ایک چھوٹی سی دکان سے کاروبار کا آغاز کیا۔ طیب صاحب پیدائشی سماجی کارکن تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی انھوں نے اپنے سے پہلے دوسروں کی مدد کرنا سیکھ لیا تھا، جو ان کی زندگی میں کامیابی کی کنجی ثابت ہوا۔

تجارت اُن کا مزاج نہ تھی۔ لہذا کچھ ہی عرصہ میں ختم ہوگئی اور تجارت کو چھوڑ کر سماجی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ ایوب خان کی بنیادی جمہوریت کے دور میں کونسلر کے انتخاب میں بھی حصہ لیا، لیکن انکو اپنی یہ سیاسی مہم جوئی ایک غلطی محسوس ہوئی اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے سماجی خدمات کو اپنالیا۔ وقت بے وقت دور دراز سے لوگ اُن کے پاس آتے تھے اور وہ اُن کی امداد اور رہنمائی کرتے۔ محلہ میں کسی اختلافی صورتحال میں انکا فیصلہ آخری ہوتا۔

مسجد دار الصلوۃ ناظم آباد کی تعمیر و توسیع میں شامل رہے۔ ناظم آباد بلاک ۴ کے وسط میں کوئی مسجد نہ تھی، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ناظم آباد کلب کے سامنے ایک مکان خریدوا کر ایک عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی۔ آج یہ مسجد فیضان علی اہل سنت و

جماعت کا ایک عظیم مرکز ہے، جہاں ذکر و فکر کی محافل کے ساتھ ہر اہم موقع کی مناسبت سے عظیم الشان اجتماعات بھی ہوتے ہیں۔ سماجی خدمات کے لیے والد صاحب کے نام پر تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی ویلفیئر ٹرسٹ قائم کیا۔اس ٹرسٹ کے تحت بھلائی کے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ ہر سال رمضان المبارک میں مستحقین میں راشن تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاج العلماء کے عرس کے شاندار اجتماع کا انتظام و انصرام بھی انہی کے ذمہ تھا۔طیب صاحب کو متعدد بار حج و عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی، اسکے علاوہ بارگاہِ غوث اعظم کی حاضری کی غرض سے بغداد کا سفر بھی کیا۔والدہ صاحبہ کی خدمت و نگہداشت کو اپنا اولین فرض گردانتے تھے ۔شومیِ قسمت ایک حادثہ میں کولہے کی ہڈی کے ٹوٹ جانے کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ لیکن اُن کی سماجی خدمات کا سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہا۔

اب صحت نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا، مختلف امراض لاحق ہو گئے تھے، دار فنا سے دار بقا جانے کا وقت آ گیا تھا اور ۲۵ر رمضان المباک کو دوپہر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ و انا الیہ راجعون نماز جنازہ جامع مسجد فیضان علی میں مفتی منیب الرحمن نے پڑھائی اور پاپوش نگر کے قبرستان میں والدہ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔

عمر نعیمی میموریل سوسائٹی:

سوادِ اعظم لاہور میں، (یکم ستمبر ۱۹۶۹ء، ص۸) "**اہلسنت کی خبریں**" کے تحت لکھا ہے:

"یہ معلوم کر کے یقیناً آج کو مسرت ہو گی کہ حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرّہ کی علمی ودینی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور اُن کے مشن کو تازہ اور قائم رکھنے کے لیے "عمر نعیمی میموریل سوسائٹی" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور اس سوسائٹی کے اغراض ومقاصد حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ تعلیمی اداروں کا قیام، جہاں مروجہ علوم کے ساتھ دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے گی۔

۲۔ دار المطالعوں اور دار الکتب کا قیام، جہاں اسلامی کُتب ورسائل فراہم ہوں گے۔

۳۔ غریب ونادار طلبہ کو وظائف اور اُن کی تعلیمی مشکلات میں اِعانت۔

۴۔ ڈسپنسریوں اور دواخانوں کا قیام، جہاں عام مسلمان کم خرچ پر اور غریب اور نادار مفت طبی امداد حاصل کر سکیں گے۔

۵۔ ایسے غریب خاندانوں کی مالی امداد جن کے سرپرست بوجہ بیماری اور معذوری کسبِ معاش سے مجبور ہیں۔

فی الحال محدود ذرائع کے پیش نظر تعلیمی ادارے کی ابتدا کی جارہی ہے اور اگر بفضلِ ایزدی آپ جیسے حضرات کی سرپرستی حاصل رہی، تو ان شاء اللہ آئندہ جلدی دوسرے منصوبوں پر کام شروع کر دیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین کرام ہمارے مقاصد سے متفق ہوں گے اور اپنے حلقۂ اثر سے ہماری امداد فرمائیں گے اور اس طرح ہماری

سوسائٹی کی سرپرستی فرمائیں گے۔ حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی مدظلہ نے ازراہِ کرم ہماری سرپرستی قبول فرمالی ہے۔

مدرسہ مخزنِ عربیہ کراچی:

مولانا سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سیدی ومولائی حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدثِ کراچی قدس سرہ کے قائم کردہ مرکزی دار العلوم "مخزنِ عربیہ بحر العلوم" واقع رابسن روڈ کراچی نمبرا کا اہتمام وانصرام حضرت تاج العلماء قدس سرہ کے فرزندِ کبیر فاضل جلیل حضرت مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی مدظلہ العالی کے زیرِ انتظام جاری وساری ہے، احبابِ اہلسنت بدستور اس دار العلوم کے ساتھ ربط وتعاون جاری رکھیں اور دعا کریں کہ حضرت قدس سرہ کا یہ قائم کردہ باغ یوماً فیوماً ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بامِ عروج پر پہنچے اور دین ومذہب کی زیادہ سے خدمت کی سعادت نصیب فرمائے، آمین۔ تمام خط وکتابت اور رسول کی ترسیل جناب مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی مدظلہ کے نام ہونی چاہیے"[۲۵]۔

---

۲۵ سوادِ اعظم لاہور، یکم جون، ۱۹٦٦ء، ص۸۔

تعارف

'ماہنامہ السواد الاعظم' (مراد آباد)

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے من جملہ عظیم کارناموں میں سوادِ اعظم مسلک حق اہلِ سُنت کی ترجمانی کے لیے ایک ماہنامہ بنام "السواد الاعظم" کامراد آباد (انڈیا) سے ماہِ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ (دسمبر ۱۹۱۹ء) کا اِجراء ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں سے اسے مطبع نعیمی مراد آباد سے شائع کروانا شروع کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ماہنامہ کے جو اغراض و مقاصد ذکر کیے ہیں، وہ سب یا اُن میں کے اکثر آج سنی رسائل و جرائد میں کم از کم یکجا نہیں ملتے، ذیل میں مختلف شماروں میں ذکر کیے جانے والے اغراض و مقاصد کو ترقیم کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ قارئین اس ماہنامہ کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکیں:

السواد الاعظم

ناخواندہ مہمان: مشہور ہے کہ ناخواندہ مہمان نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے، آج میں امتحان کے لیے اُٹھتا ہوں۔ دیکھنا ہے کہ کون میرا خیر مقدم کرکے فراخ دلی کے ساتھ میری میزبانی کرتا ہے اور کون نا آشنا صرف نا آشنائی کی وجہ سے بیگانہ وار اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دیتا ہے؟ میں تو توکلاً علی اللہ بہت مدت کے پس و پیش کے بعد بے نوائی، بے سامانی کی حالت میں سفر کے لیے تیار ہو گیا اور دربدر حاضر ہو کر سلام کرنے کی دل میں ٹھان لی۔ اب اِکرام کیجیے یا نکال دیجیے آپ کو اختیار ہے۔ میری عزت کا اللہ والی ہے۔ ۱۔ دین کی خدمت، ۲۔ سُنت کی حمایت، ۳۔ مخالفینِ مذہب سے سینہ سپر ہونا، ۴۔ متانت و سنجیدگی کے ساتھ دشمنانِ دین و ملت کے ہر حملہ کو دفع کرنا اور ۵۔ اُن کی خفیہ تدابیر پر اہلِ مذہب کو

متنبہ کرنا، ۶۔ مسلمانوں کو اخلاقِ معاشرت سکھانا، ۷۔ قوم کی شیر ازہ بندی کرنا، ۸۔ وجوہِ تفرق واختلاف پر عمیق نظر ڈال کر اتفاق واتحاد کی تدابیر پیدا کرنا، ۹۔ کھوئی ہوئی دولت کا پتہ چلانا، ۱۰۔ گزرے ہوئے زمانہ کو واپس لانا، ۱۱۔ سوتوں کو جگانا، ۱۱۔ مردوں کو جِلانا، یعنی: مسلمانوں کی اِصلاح کر کے اُن کو اُن کی سابقہ حالت پر لانا، ۱۲۔ ناواقف مسلمانوں کو مذہب سے واقف کرنے کی کوشش کرنا، ۱۳۔ دین کی طرف توجہ دلانا، ۱۴۔ اہلِ اسلام کی دینی ودنیوی زندگی کو کامیاب بنانا، اس رسالہ کے بہترین مقاصد ہیں[۲۶]، یہ میرا فرض ہے اور اس کو انجام دینے کے لیے بے دست وپائی کی حالت میں مَیں نے ہمت کی ہے۔ اگر آپ نے دست وبازو بن کر میری مدد کی اور مقاصد کی اہمیت کو نظر انداز نہ کیا تو ان شاء اللہ میدان میرے ہاتھ ہے اور کامیابی میرے دم قدم کے ساتھ ہے۔ اگر آپ نے اس کمزوری وناتوانی میں میری دستگیری نہ کی تو پا شکستہ کب تک نہ تھکے گا۔ مگر یہ آپ انصاف کر لیں گے کہ ان مقاصد کا خون کس کی گردن پر رہے گا۔ میرا نام **"السواد الاعظم"** ہے۔ اور میں ماہ بماہ آپ کی خدمت میں پہنچا کروں گا۔ میں اپنے سالانہ مصارف کے لیے آپ کی عالی ہمتی سے صرف ایک روپے کی درخواست کرتا ہوں اس سے زیادہ ہمت فرمایئے تو آپ کی اُلو العزمی۔ بہر حال فکر کر رکھیے، خادمِ ملت ماہِ آئندہ میں ویلیو پر سوار ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا۔ میری مہمانداری کے متعلق جو کچھ خط وکتابت کرنا ہو وہ میرے خادم **عمر نعیمی** (مدیر "السواد الاعظم"، مراد آباد) سے کرنا چاہیے[۲۷]۔

---

۲۶ ماہنامہ السواد الاعظم، ج۱، نمبر ۳، بابت ماہ جمادی الاُخری ۱۳۳۸ھ، ان سائیڈ ٹائیٹل پیج۔

۲۷ ایضاً، ج۱، نمبر ۱، بابت ماہ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ، ص ۳۳۔ ۳۴۔

تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اُس زمانے میں جو نصیحت اہلِ قلم حضرات کو کی تھی، بعینہ آج کے قلم کاروں کو اُس پر عمل کرنے کی سخت ضرورت ہے، خصوصاً دوم اور سوم پر تو آج کے سُنی قلم کاروں کو عمل کرنے کی جتنی ضرورت ہے، اُتنی تاج العلماء کے زمانہ میں بھی شاید نہ ہو، چنانچہ آپ انہیں نہایت پیار بھرے انداز سے نصیحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اصحابِ قلم کی خدمت میں گزارش:

رسالہ کی زبان: فصیح اور شستہ زبان رسالہ کے لوازم ضروریہ میں سے ہے۔ نمونہ آپ کے سامنے ہے۔ مضامین ایسی ہی زبان میں درج کیے جاسکتے ہیں۔

طرزِ سخن: علمی مباحث اور تحقیقات مسائل ومناظرات میں سخت وشنیع الفاظ سے احتراز ضروری ہے۔ رسالہ کے اس انداز خاص کالحاظ رکھا جائے۔

مناظرات میں مطمح نظر: تعصب ونفسانیت کی روش سے رسالہ ان شاء اللہ تعالیٰ بالکل پاک رہے گا۔ مباحثات ومناظرات میں عدل وانصاف کے ساتھ حکم لگائے جائیں گے۔ ردوجواب میں تفہیم مدِ نظر ہوگی، تجہیل وتحمیق منظور نہیں، البتہ واقعی حالت کا بے رو رعایت کَمَا هِيَ ظاہر کرنا ممنوع نہیں۔

اتفاق: مسلمانوں کے باہمی اختلافات وافتراق دور کرنے اور اُن میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی تدابیر پر خامہ فرسائی رسالہ کے مقاصد میں سے ہے۔

اصلاح وتبدیل: شرعی اغلاط کی اِصلاح اور سخت الفاظ کی تبدیل کا مدیر کو اختیار ہوگا، اصحابِ مضامین اس کی اجازت فرمائیں[۲۸]۔

---

۲۸ ماہنامہ السواد الاعظم، ج۱، نمبر۳، بابت ماہ جمادی الاُخری ۱۳۳۸ھ، ان سائیڈ ٹائیٹل پیج۔

اس ماہنامہ نے بلندی کی کن منازل کو چھوا، آج کے دور میں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سُنی ماہنامہ کو بامِ عروج عطا فرمایا، کثرت سے اس کی اشاعت ہونے لگی، مختلف اربابِ علم ودانش کے منظور ومنثور تاثرات آتے رہے اور یہ مسلسل اپنے مقاصد کو بحسن وخوبی حاصل کرتا رہا، ایک مقام پر تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

"السواد الاعظم اپنی شان کا یکتا رسالہ ہے۔ اس میں حضرت صدر الافاضل دامت برکاتہم کی محققانہ تفسیر مستقل شائع ہوتی ہے۔ پنڈت دیانند نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ایک حصہ قرآن پاک پر اعتراضات کے لیے مخصوص کیا ہے اور سلسلہ وار تمام قرآن پاک پر اعتراض کیے ہیں، اس کا مستقل رد جو بہت دلچسپ اور نہایت مسکت اور پُر از تحقیق جوابات پر مشتمل ہے اور حضرت صدر الافاضل دامت برکاتہم کے قلم بدیع رقم کا لکھا ہوا ہے، اس رسالہ میں ہر ماہ چھپتا ہے۔ عہد حاضر کے وقائع وحوادث پر یہ رسالہ دینی پہلو سے بحثیں کرتا ہے اور مسلمانوں کو صحیح راہِ عمل بتاتا ہے۔ اہل سنت کے مذہب کی تائید اور مخالفین کے متانت کے ساتھ جواب شائع ہوتے ہیں۔ دینی اُمور میں مسلمانوں کی بہتر رہنمائی کرتا ہے۔ بحمد اللہ اس کی اشاعت بہت کثیر ہے معمولی طور پر "سوا ہزار" سے زائد شائع ہوتا ہے اور اس کے طلبگار اس کے پہنچنے کے دن گنتے رہتے ہیں۔ اشاعت، سُرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ سال ہے۔ جن حضرات کے پاس یہ رسالہ اب پہلی مرتبہ پہنچا ہے انہیں خریداری منظور ہو تو فوراً ایک روپیہ بھیج دیں یا اطلاع دیں کہ

فلاں وقت بھیجا جائے گا"۔[۲۹] (سُنا ہے کہ سالانہ چندہ کم آتا اور اعزازی رسالے کثرت سے جاتے تھے، اطہر نعیمی)

ماہنامہ السواد الاعظم اربابِ علم ودانش کی نظر میں:

اس ماہنامہ کی عظمت ورفعت کے اعتراف میں کئی تحریریں اسی میں شائع ہوئیں، ان میں چند کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

السواد الاعظم

(صاحب زادہ محمد عارف اللہ حبیبی قادری میرٹھی، کے قلم سے)

دنیائے علم وادب میں تاریکی چھارہی تھی کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں اُفق مراد آباد سے محبوب "السواد الاعظم" طلعت زیر ہوا اور طلب گاران وحدت وشیفتگانِ رسالت کو اپنی ضیا بیزیوں سے منور کر دیا۔ اس نشان وحدت کے نظارے اور صحیفہ متبرک نور سے باریک بین نگاہوں اور حقیقت شناس قلوب کو عجیب فرحت روحانی وحلاوت ایمانی حاصل ہوتی ہے۔ ایک ماہ کے انتظار شدید اور مضطربانہ چشم براہی کے بعد اس "السواد الاعظم" کی جھلک نظر آتی ہے اور ہمہ تن شوق نگاہوں کو اپنے نظارہ مسرت افروز سے جگمگاتی ہے۔ اے "السواد الاعظم"! تیری عنان ادارت آج اس سعید ہستی اور متبرک وجود کے مقدس ہاتھوں میں ہے جس کے علم کی تیز شعاعیں ہندوستان کے ہر گوشہ کو جگمگا رہی ہیں اور جس کی ذات وصفات سے خلوص اور ایثار کا وہی تعلق ہے جو روح کا جسم سے اور دھوپ کا آفتاب سے ہوتا ہے۔ اے "السواد الاعظم"! تیرے مدیر محترم مولانا عمر صاحب نعیمی کا قلم حق رقم آج اُن مسائل پر روشنی ڈال رہا ہے جن کا غیرتِ شریعت عرصہ سے تقاضا کر رہی تھی۔

---

۲۹ ماہنامہ السواد الاعظم، ج۴، نمبر ۳و۴، ماہ رجب وشعبان، ۱۳۴۶ھ، ص ۱۔

اے "السواد الاعظم"! آج وقت ہے کہ پورے طور پر جلوہ ریز ہو کر اپنی علمی شعاعوں سے ہندوستان کے ظلمت کدوں اور پرستارانِ جہالت کے قلوب کو منور و معمور کر دے۔

اے "السواد الاعظم"! اپنی مستانہ اور البیلی رفتار پر قائم رہ کر دنیا کو دکھلا دے کہ تاریکی و گمراہی کے زمانہ میں جس طرح "ستارۂ صداقت" انقلاب عظیم پیدا کر سکتا ہے۔

خادم العلماء محمد عارف اللہ الحبیبی القادری سند یافتہ الہ آباد یونیورسٹی، وسکرٹیری جمعیۃ المعارف خیر المساجد خیر نگر، شہر میرٹھ[30]۔

کرامت نامہ

حضرت حامی سُنت ناصرِ شریعت مولانا مولوی شاہ رکن الدین صاحب دامت برکاتہم

حامداً و مصلیاً

"افضل العلما اکمل الحکما زبدۃ الاصفیا معظمی جناب مولانا المحترم زاد مجدکم السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم! اس میں شک نہیں کہ آپ کا پرچہ السواد الاعظم بلحاظ مضامین نہایت مفید ثابت ہوا اور بنظر قیمت بھی نہایت ہی ہمدردی مسلمانوں کی پائی گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرماوے۔ ہر اہل سُنت پر لازم ہے کہ اس پرچہ کو خاص اہل سنت کا خیال کریں اور اس کی اشاعت میں بدل وجان سعی وافر میں لاویں۔ فقیر نے دس خریدار خاص اَلور کے اندر ہی پیدا کر دیے اور چند دیگر سے جناب کی خدمت میں اور پرچہ کی فرمائش پہنچے گی اور ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً بر وقت ملاقات احباب سے اس کی خریداری کے متعلق کہتا رہوں گا"۔

---

[30] ماہنامہ السواد الاعظم، ج۳، نمبر ۵، رمضان المبارک، ۱۳۴۵ھ، ص ۲۔

حضرت مولانا کی مربیانہ عنایت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور السواد الاعظم کے حامیوں سے ایسی ہی ہمت افزا توجہ کی اُمید کی جاتی ہے۔ مدیر[31]۔

اس کے استقبال کے سلسلے میں شائع ہونے والا یہ منظوم کلام بھی قابلِ غور ہے:

السواد الاعظم کا استقبال

منظوم کلام: حضرت مولوی حکیم مرزا احمد صاحب قادری

حامی ملت، ناصرِ سنت حضرت مولانا مولوی حکیم مرزا احمد صاحب قادری ناظم آل انڈیا سُنی کانفرنس بمبئی نے السواد الاعظم کو ملاحظہ فرما کر اپنی محبت وعنایت سے ایک نظر ارسال فرمائی ہے جو درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

مژدہ اے دل ہوا جاری وہ سوادِ اعظم — شکر داور کہ بر آئی یہ مرادِ اعظم

حق کی تائید ہو باطل کا ہو یکسر اقلاع — ہے یہی اسکی اشاعت سے مفادِ اعظم

سُنتِ ختمِ رُسل[32] سے ہے محبت اس کو — رکھتا ہے شیوۂ نجدی سے عنادِ اعظم

اس کی ہر لوح سے لائح ہے ہدایت کی ضیا — اس کی ہر سطر میں مضمر ہے سدادِ اعظم

رہبری اس کی مسلم ہے میانِ احناف — اہل کا ہے کیا خوب عمادِ اعظم

مندرج ہوتے ہیں اس میں مضامین مفید — تازہ ہو جاتی ہے پڑھ کر جنہیں یادِ اعظم[33]

---

[31] ماہنامہ السواد الاعظم، ج۵، نمبر ا، ماہ جمادی الاولیٰ، ۱۳۴۷ھ، ص ا۔

[32] علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

[33] اعظم: المراد منہ اعظم الائمۃ سراج الاُمۃ سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

زیر ہوجاتے ہیں بد مذہب واہل بدعت کرتا ہے سیف قلم سے وہ جہادِ اعظم
بحر عمان ہدایت وہ ہے جس میں صد ہا ملتے مومن کو ہیں لولوے رشادِ اعظم
قادری مانگو دعا تم بھی باخلاص تمام یا الٰہی! رہے جاری یہ سواد اعظم[۳۴]

=

[۳۴] ماہنامہ السواد الاعظم، ج۳، نمبر ۲، جمادی الاخری، ۱۳۴۵ھ، ص ان سائیڈ ٹائیٹل۔

رشحاتِ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مدارسِ اسلامیہ (قسط اول)

ہر قوم کی ترقی کا دار مدار تعلیم پر ہے۔ جب انسان کے دماغ میں سنجیدہ خیالات، بلند حوصلے، نفیس معلومات ہوں گے تو وہ اپنی عقل و تدبیر سے کوئی بھی کام لے سکے گا۔ نو عمر مسلمانوں کے معلومات بالعموم ناولوں اور عشقی قصے کہانیوں میں منحصر ہیں، اس کا جیسا گمراہ کُن اثر ہونا چاہیے ہو رہا ہے۔

مدارس کی کمی:

مدارس اور درس گاہیں بہت کم ہیں اور چونکہ ہمارا علمی مذاق خراب ہو چکا ہے اس لیے عام دماغوں میں مدارس کوئی ضروری اور کار آمد چیز بھی نہیں خیال کیے جاتے۔ اسی وجہ سے مدرسوں کی نہایت قلیل تعداد مسلمانوں کو بہت کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ قاعدہ کی بات ہے، جس چیز سے انسان کو رغبت ہوتی ہے، وہ کم بھی ہو تو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی اور اسلامی حالت روز بروز [خستہ] ہوتی جاتی ہے۔ عمدہ خصائل اور ملکات فاضلہ سے مسلمان محروم ہوتے جاتے ہیں۔ درندہ خصالی اور جنگ جوئی، سنجیدگی اور شائستگی کی جگہ لیتی جاتی ہے۔

ترقی کا دور:

مسلمانوں کی ترقی کے عہد کو سامنے لائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ہمارے اسلاف شب و روز تعلیم کی ترقی میں مصروف تھے اور اُن کی نگاہوں میں تعلیم ہر چیز سے زیادہ ضروری اور قابلِ قدر تھی۔ بے شمار درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ علماء کو بیش قرار

تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ مسلمانوں کی علمی قدر دانی طلبہ میں شوقِ تحصیل پیدا کرتی تھی۔ اُن کی راتیں مطالعہ میں سحر ہو جایا کرتی تھیں اور وہ اپنے اعزہ واقارب اور وطن تک کو مدتِ تحصیل تک فراموش کر دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں اُن کی عزت تھی۔ جہاں اُن سے تہذیب سیکھنے کے لیے سرِ نیاز جھکاتا تھا۔ وہ جس کام کے لیے قدم بڑھاتے تھے کامیابی اُن کا خیر مقدم کرتی تھی۔

آج بھی جو قوم با اقبال ہے اور زمانہ جس کا موافق ویار ہے وہ ترقی علم میں محو ہے۔ اور اُس نے ممالکِ بعیدہ میں درسگاہیں جاری کی ہیں اور روز بروز اُن کی ترقی اور اضافہ کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

مقصد:

جو سعی (کوشش) کسی مقصد کے لیے جاتی ہے اُس سے وہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ جَو بو کر گیہوں کاٹنے کی توقع فضول ہے۔ عمارت بے شک مفید اور کار آمد چیز ہے، بازار کی عمارت جس مقصد کے لیے بنائی جاتی ہے وہ تو اُس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ عمارت قلعہ کا کام نہیں دے سکتی۔ اسی طرح حفظانِ صحت کے لیے جو تعلیم دی جائے وہ انجینئر میں کام نہیں آ سکتی۔ اگر آپ کو انجنیروں کی ضرورت ہے، تو آپ کو اس مدعا کے لیے ایک جدگانہ دار التعلیم درکا ہے ۔ مڈیکل کالج اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ انجنیری کی درسگاہ وکیل اور بیرسٹر نہیں پیدا کر سکتی، کیونکہ وہ اس مقصد کے لیے جاتی نہیں کی گئی۔

انگریزی درسگاہیں ہمارے لیے کافی نہیں:

علیٰ ہذا انگریزی درس گاہیں خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ کالج اور یونیورسٹیاں ہوں یا تحمیلی اور پرائمری مدارس ومکاتب۔ مشرقی زبان کی درسگاہیں ہوں خواہ مغربی کی، وہ جس مقصد کے لیے جاری کی گئی ہیں اُس کے سوال دوسرا مقصد اُن سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظر کرنے، اسلامی عادات وخصائل کا رواج دینے، دینداری کے خُوگر اور عادی بنانے کے کام میں نہیں آسکتیں۔ اُن کے پڑھے ہوئے طلبہ اسلامی عقائد، اسلامی محبت ومودّت، اسلامی اُخوت واتحاد، اسلامی طرزِ معاملت ومعاشرت کا نمونہ نہیں ہوسکتے۔

غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کے لیے کوئی کار آمد چیز نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان درسگاہوں کے طلبہ بالعموم اسلامی اخلاق واوضاع، اسلامی عادات وخصائل سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہیں۔ صورت، عمل، عقیدہ کوئی چیز اسلامی نہیں رکھتے، گویا اسلام اُن کے لیے ایک اجنبی چیز ہوتا ہے۔ اور وہ اسلام اور مسلمانوں سے بے گانہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے شواہد بہت کثیر ہیں۔ سرِ دست تفصیل ضروری نہیں معلوم ہوتی۔ تعلیم جادو کی طرح اثر کرتی ہے، جن میں ابتدائے عمر سے یورپی تعلیم کا نشہ پیدا کیا گیا ہو اور مغربیت اُن کی عادت ثانیہ ہو گئی ہو، اگر وہ اپنے مذہبی امتیازات کو مٹاڈالیں تو کیا تعجب ہے، مسلمانوں کی تباہی کا یہ بہت بڑا سبب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنے خصوصیات کو محفوظ نہیں رکھ سکے اور اپنی قومی وملّی زندگی کو اُنہوں نے خود تباہ کر لیا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں اُن کی زندگی ہے۔

ہندوستان کی عام زبان:

اردو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ ہندو اور مسلمان اُس میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہیں، لیکن آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اُس کو مٹا ڈالنے کے لیے کیسی جانکاہ کوششیں کر رہے ہیں اور ایک مُردہ زبان کو جو اُن کی قومی یا مذہبی زبان ہے، رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیے کیسی جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ ترقی کے لیے شرطِ اول ہے۔ ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ انگریزی داں اور گریجویٹ ہیں، لیکن وہ اپنے مذہبی شعار وامتیازات کو نہیں کھو بیٹھے۔ فیصدی ایک کی نسبت سے بھی ہندو انگریزی دانوں میں ایسے لوگ نہ ملیں گے جنہوں نے اپنی قومی وضع ترک کر دی ہو۔ چوٹی کو وحشت خیال کیا ہو، ایک ڈورا جس کو جنیئو کہتے ہیں، باندھنا چھوڑ دیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ اُن کا رشتۂ محبت گستہ اور شیرازۂ قومیت منتشر نہیں۔

مغربی تعلیم سکھوں کے سر سے بالوں کا بوجھ نہ اُتار سکی، اُن کی داڑھی تک ولایتی استرہ نہ پہنچ سکا۔ انگریزیت اُن کی وضع کو تبدیل کرنے سے عاجز رہی، لیکن مسلمان اپنی مذہبی شعائر سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم اُنہیں غیر ضروری معلوم ہونے لگی، اسلامی صورت سے نفرت ہو گئی۔ اسلامی وضع عار معلوم ہوئی، فرائض کی ادائگی میں شرم آنے لگی، اسلامی اعمال وافعال سے وہ نا آشنا ہو گئے، اسلامی خصائل وخصائص سے اُن کی لوحِ زندگی سادہ ہوئی، کفار کی وضع اُن کا طرزِ معاشرت پسند آیا، یورپ کے رنگ میں رنگ گئے اور بایں حیثیت مسلمانوں سے مغائرت تامہ ہو گئی۔ اب جو مسلمان اسلامی وضع میں نظر آتا ہے اُس کی صورت سے ان کے قلب میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ علماء وصلحاء کے نام سے دل بیزار ہے، پابند مذہب مسلمانوں کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔

نمازیوں پر آواز کَسے جاتے ہیں اُن کو ''مُلّا'' کہتے ہیں، گویا کہ اُن کی اِصطلاح میں ''مُلّا'' حیوان لایعقل کا نام ہے۔ ہر ایک مذہبی ادا سے اِن کو تنفر ہے اور ہر اسلامی وضع رکھنے والا ان کی نظر میں حقیر وذلیل ہے۔ اُس کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے پیش آنا، بے تکلف بات کر لینا، سلام کرنا تو کیا معنیٰ کشادہ پیشانی سے سلام کا جواب دینا، یہ سب باتیں آپ کی توہین ہیں۔ یہی حالت اسلامی اتحاد واُخوت کو کس قدر صدقہ پہونچانے والی ہے، جس پر کسی قوم کی فلاح وبہبود، عزت وحرمت کا دار مدار ہے۔ ستم ہے ہزار حدیثیں سُنا دیجیے اثر نہیں۔ ایک انگریز کا قول پیش کر دیجیے، سر عقیدت سے خم ہو گیا۔ گردن ارادت جُھک گئی۔ کیا یہی دلِ مسلمان ہے یا غیر کی تعلیم نے اس کو اپنا کر لیا؟ اگر مذہبی علوم سے کچھ بھی بہرہ ہوتا یا علماء وصلحا کی صحبت رہی ہوتی، مذہب کا وقار دل میں ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی! دوسروں سے زیادہ اپنے مذہب وملت کے تحفظ میں جانیں نثار کرتے۔ مذہب کے ساتھ سچی عقیدت وگرویدگی ہوتی تو خدامِ مذہب اور حامیانِ دین کی عزت وتوقیر بھی دل میں ہوتی۔

میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور آپ معائنہ کر سکتے ہیں کہ ہندو اپنے پنڈتوں اور پُجاریوں کا کس قدر احترام کرتے ہیں، ایک والی ملک کا جلوس نکلتا ہے جب وہ ایک پاٹ شالہ کا افتتاح کرنے جاتا ہے، مگر اس شان سے کہ راجہ فٹن یا لیڈو میں سوار ہے اور اُس کے آگے ہاتھی پر طلائی عماری میں پنڈت وید لیے سوار ہے۔ رئیس کی نشست اپنی سواری میں مودبانہ ہے معلوم ہے کہ وہ اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے۔ عیسائی اپنے پادریوں کے ساتھ کس تکریم واحترام کا برتاؤ کرتے ہیں بخلاف اس کے ہمارے نونہالوں اور سپوتوں کی زبانیں علماء اہلِ مذہب کی توہین اور بدگوئی سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ اگر کبھی قلم ہاتھ میں آگیا ہے تو علماء کی خوبیوں کو عیب بناڈالا ہے اور اُن کی ہستی کو میٹ دینے کے لیے، اپنے امکان تک سعی کی ہے۔

آپ کے زبان و قلم سے آپ کے اکابر کی ایسی توہینیں ہوتی ہیں کہ مخالف (غیر مذہب والا) بھی باوصف جوشِ تعصب اُس کی ہمسری نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں اسلامی اجتماع کیوں کر باقی رہ سکتا ہے اور اُخوت و محبت کی بنیادیں جنہیں آپ نے اپنی پوری طاقت سے برکندہ کرنے کی کوشش کی ہے کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں۔ آپ جس عمارت پر ہیں اُس کی بنیادیں خود کھود رہے ہیں۔ یکے بر سرِ شاخ دبُن می برید والا معاملہ ہے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ انگریزی بادۂ رنگیں نے آپ کو سرشار کر دیا ہے اور آپ کا رُواں رُواں اُس کے کیف میں مست ہے۔ ہر بُنِ مُو سے اُسی کے بخارات پسینہ بن کر ٹپکتے ہیں اور اپنے خواص دکھاتے ہیں۔ علومِ اسلامیہ کے آبِ حیات سے آپ کے لب نا آشنا ہیں، اُس کی لذتیں ابھی تک جناب کو غیر معلوم ہیں اگر یہ اجنبیت دور ہو جائے اور دینی معلومات کی روشنی آپ کے دماغوں میں جلوہ گر ہو تو نئے دور کے علوم آپ کو جہالت کی تاریکی معلوم ہونے لگیں۔ جب تک اپنے خزائن کے جواہرِ نفیسہ پر آپ مطلع نہیں ہیں، اُس وقت تک دوسروں کے نقلی اور جعلی پتھروں کی جھوٹی چمک دمک پر مفتون ہیں، جس وقت اپنے لآلی آبدار سامنے آئیں گے وہ پتھر یقیناً آپ کی نظر میں بے وقعت ہو جائیں گے علومِ دینیہ سے تعلق ہو گا تو آپ اُن مقاصد کی طرف چل پڑیں گے، جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں۔ جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس جائے گی تو آپ کے پسینہ کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرما دے گا۔ آپ کے افعال واعمال میں آپ کے اطوار وعادات میں آپ کی خوبو میں آپ کے طرزِ عمل اور طریقۂ زندگی میں اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے، اسلامی معلومات سے دماغ روشن ہو اور انگریزی کی بجائے وہ آپ کی رگ وریشہ میں سرایت کر جائے تو آپ کے افعال ضرور اُس پیمانہ اور اُن میزان پر واقع ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے مقرر فرمائی ہے، پھر اپنے نفس سے لے کر دور دراز کے تعلقات تک درست ہو جائیں گے اور

آپ اعلیٰ زندگی بآسانی بسر کر سکیں گے، جب آپ کو ماں باپ، بھائی بہن، بیبی بچے، چھوٹے بڑے سب کے حقوق ومدارج معلوم ہوں گے، جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں اور آپ اُنہیں اپنا دستور العمل بنائیں گے اُسی کے مطابق اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک کریں گے تو خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور تدبیرِ منزل اور انتظام خانہ داری خود بخود اعلیٰ حیثیت پر آجائے گا۔ گھر کی چپقلش گھر والوں کے رنج وتعب، باہمی کشاکش سب دور ہو جائے گی۔ آپ شریعتِ طاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجیے، کسبِ معاش اور مصارف پر اُس کے منشاء کے مطابق عمل کیجیے پھر دیکھیے آپ کے مشکلات کافور ہوئے جاتے ہیں اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا ارتباط حاصل ہوتا ہے، جس سے زندگی کا لطف آجائے۔

عزیز اقارب، دوست آشنا، ہمسایہ محلہ دار، اہلِ شہر بلکہ تمام مسلمانوں کے حقوق جب آپ کو معلوم ہوں اور ہر ایک کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور اسلامی تعلیم آپ کی عادت ہو جائے تو آپ کا تمدّن درست ہو گیا یگانگت اور اتحاد، دوستی ویکدلی کے نقشے جابجا نظر آنے لگیں گے، دشمنی اور عداوت نیست ونابود ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے جانا گوار صدقے برداشت کرنا پڑتے ہیں، اُن سے امن رہے گی، بدخواہوں اور بدگویوں کی ایذا سے نجات ہو گی، لڑائی جھگڑوں میں عزت، مال وقت صرف ہونے سے بچے گا، اخوت ومودت، ہمدردی وغم خواری کی موجیں عجیب لطف پیدا کریں گی اور ہر مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے پیش آنے والی رکاوٹیں مرتفع ہو جائیں گی، آپس میں یکدلی ویکجہتی سے بہت سی آسانیاں بہم پہونچیں گی مسلمان جب اپنی ایسی حالت بنالیں تو اُن کا اجتماع اتم اور اتحاد مکمل ہو جائے۔ دنیا کی قومیں اُن کی عزت کرنے لگیں، جب ہر مسلمان ایک دوسرے کا مددگار اور خیر خواہ ہو اور ہر ایک کی زبان سے دوسرے کی نسبت کلمۂ خیر ہی نکلے۔ ایک دوسرے کی مرفہ الحالی ترقی

عزت جاہ منزلت دولت مال ثروت شوکت زہد ورع تقویٰ عبادت طاعت سے خوش ہو۔ غیبت اور حضور میں محبت بھرے کلمات سے ذکر کرے کسی کی زبان دے مسلمان کی برائی نہ سُن سکے، تو غیروں کی نگاہوں میں دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت وو قار کا وہی عالم ہو گا جو زمانہ سلف میں تھا۔ مسلمانوں کے یہی ہتھیار ہیں، یہی سلاح ہے، یہی جہاد ہے کہ وہ اپنے آپ کو پکّا مسلمان بنائیں، اپنے نفس کافر کیش کو مغلوب کریں اُن کو اسلام کا مطیع اور فرمانبر دار بنائیں اگر آج اسی پر قدرت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان بنالیجیے تو آپ دوسروں کو کیا مسلمان بنا سکیں گے! اگر آج اپنے نفس کافر کو مغلوب نہیں کر سکتے تو دوسرے کفار پر غلبہ حاصل کرنا کہاں تک قرینِ قیاس ہے ؟! تم مسلمان بنو، جہان تمہارے سامنے س افگندہ ہو گا، دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے، تمہارے عزت واقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اُٹھے گا، تمہاری کھوئی ہوئی دولت پھر واپس مل جائے گی، تمہارا وقت پھر لوٹ آئے گا، تمہاری مُردہ سطوت پھر جی اُٹھے گی، مسلمان بنو پکے مسلمان۔ علومِ دینیہ سے علاوہ پیدا کرو، علماء سے صلح کی بنیاد ڈالو، عیسائیوں کی گود میں پرورش پا کر پکے مسلمان بننے کی توقع بعید از عقل ہے، علومِ اسلامیہ کا دامن تھامو، مذہبی معلومات حاصل کرو، دینی درسگاہیں کھولو، بچے جوان بوڑھے سب مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں علم عام کیا جائے، اسلامی مدارس کو ترقیاں دی جائیں[۳۵]۔

۳۵ ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ج ۱، نمبر ۷، ص ۲۔۱۰۔

مدارسِ اسلامیہ کے دردناک نظارے (قسط دوم)

ہندوستان کی وسعت میں **مدارسِ اسلامیہ** ایک نادر چیز ہیں، جنہیں ہم اپنی غلط رائے اور غیر صحیح مذاق کی وجہ سے بہت کثیر سمجھ رہے ہیں، اتنے بڑے ملک میں چند مدارس ہیں، جو انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں۔ جن ان مدارس کی حالت پر نظر جاتی ہے تو دل کا سوز، جگر سے خون بن کر آنکھوں کی راہ بہہ جانے کی خواہش کرتا ہے۔ مدارسِ اسلامیہ شاکی تو بہت ملیں گی اور ملتے ہیں لیکن ایسے حضرات بہت کم ہوں گے جنہوں نے اپنے دماغ کو اُن اسباب کی جستجو میں پریشان کیا ہو، جن سے شکایتوں کے مادے تیار ہوتے ہیں۔ دینی درسگاہوں میں علی العموم مدرسین کی کوئی قدر نہیں ہوتی اور انہیں بسر اوقات کے قابل کفاف بھی میسّر نہیں آتا، قلیل تنخواہوں پر صبر کیے بیٹھے رہتے ہیں۔ دولت مند طبقہ انہیں مُنہ نہیں لگاتا۔ نئے تعلیم یافتہ اُن کی صورت کو حیرت ناک تماشہ سمجھتے ہیں، اُن کی وضع، رفتار گفتار، خصائل عادات سب اُن کی نظر میں قابل مضحکہ ہیں۔ اُن کی زندگی کے ایک ایک شعبہ کی نکتہ چینی اور حقارت آمیز عیب گیری کی جاتی ہے۔ قوم کا برتاؤ نہایت ناشائستہ جگر خوں کن ہیں۔ معاش اس قدر تنگ کہ گزارہ بمشکل ہو سکتا ہے۔ اس خدمت پر اُن کی حوصلہ افزائی کرنے والا نظر آتا ہے نہ اپنے ضروریات ہی کی طرف سے اطمینان ہے، باوجود اس کے مردانہ وار اُسی استقلال کے ساتھ اپنی خدمت کو انجام دیے جانا اور افکارِ مصائب کے عساکر وافواج سے سینہ سپر ہونا اپنوں بیگانوں کی سختیاں جھیلنا ہر طرح کی باتیں سُننا اور صبر وسکون کے ساتھ اپنا کام کیے جانا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا اسلام کی حقانیت کا ایک اثر ہے اور علومِ اسلامیہ کی روحیانیت کی زندہ دلیل ہے۔

سب سے **پہلی ضرورت** یہ ہے کہ حامیانِ تعلیم کے دماغوں کو فکرِ نان ونمک کی قیدوں سے آزاد کیا جائے اور اہل وعیال کی بدحالی کے غموں سے رہائی دی جائے تاکہ وہ فارغ زندگی بسر کرسکیں اور دماغی قویٰ سے آزاد ہوکر کارِ تعلیم کے لیے وقف ہوجائیں، اُس وقت تعلیم کا لطف آسکتا ہے اور سربراہِ کارانِ تعلیم اپنے فضل وکمال کے جوہر دکھاسکتے ہیں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ طلبہ متوسط درجے کی انسانی سے گِرے ہوئے نہ ہوں، بھوکا اُستاد کیا دماغ سے کام لے سکتا ہے، بھوکا شاگرد کیا اخذِ مطالب کرسکتا ہے۔ یہاں استاد بھی پریشاں حال ہیں اور شاگرد بھی۔ پھر کیا ان شاگردوں میں اُلوالعزمی پیدا ہو، جن کی معاش دَر دَر سے ایک ایک لقمہ جمع کرکے بہم پہنچتی ہے۔ اور وہ بھی کسی وقت پہنچتی ہے اور کوئی وقت صاف گزر جاتا ہے ان طلبہ کو یہ بھی اُمید نہیں ہے کہ کسی اگلے زمانہ میں اُن کو یہ محنتیں کام دیں گی اور اُن کے عیش وراحت کا ذریعہ ہوسکیں گی۔ اُن کے اُستاد اُن کے سامنے نمونہ ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر ہم نے جان ہلاک کرکے محنتیں جھیل کر اُستاد جیسا کمال پیدا کرلیا اور نصیب یاور ہوا اور بالفرض کہیں مدرّسی مل بھی گئی تو ہمیں کار آزما اور مشّاق ہوجانے کے بعد پھر اُن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، جن کے شکنجے میں حضرت اُستاد مدظلہ پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے حوصلہ فرسا اور ہمت شکن حالت ہیں کہ ان کے باوجود عزم واستقلال کو پایۂ ثبات سے محروم رہنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ مگر علومِ اسلامیہ کی گرفت وجذب اور دل آویزی وخاطر گزینی کا ثمرہ ہے کہ وہ باوصف ایسی تکالیف اور مصیبت جت جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہایت استقلال اور مردانگی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں سرگرم ہیں۔

مدارسِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اساتذہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اتنا کفاف مقرر کریں جو اُن کے دماغوں کو معاش اور ضرویات زندگی کی افکار سے آشنا نہ ہونے دے۔ طلبہ کے لیے ایسے وظائف مقرر ہوں کہ وہ معمولی درجے کے انسان کی زندگی بسر کر سکیں، لیکن اسلامی مدارس یہ دونوں فرض انجام نہیں دیتے۔ حدیث و تفسیر ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھائی جاتی ہے، مدرسہ کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ ایک نکتہ چیں یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ مدرس کسی بُری حالت میں ہیں، طلبہ اس عسرت و تکلیف میں ہیں، نشست کی جگہ نامعقول ہے۔ سارا نظم ہی خراب ہے اور انتظام ہی مختل ہے۔ مگر حقیقت میں جان سکتا ہے کہ قوم نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ مسلمانوں کی توجہ کا رُخ پھر گیا، ؏

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہَوا کا

دنیا ان مدارس کو غیر ضروری اور بے کار چیز شمار کرتی ہے، زمانہ چاہتا ہے کہ علماء اور طلباء کھانے پینے کے حق میں فرشتہ خصال ہو جائیں۔ وہ آمدنی جس کا مصرف یہی مدارس ہیں، دوسرے کاموں میں صرف کی جاتی ہے اور مستحق محروم چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ مدرّسوں کے پاس اتنا سرمایہ ہی نہیں ہوتا، جس سے وہ اپنی حالت درست کر سکیں۔ مدارس کو موجودہ قلیل تنخواہوں کا ادا کرنا دشوار ہے، اکثر تنخواہیں بے وقت ادا کی جاتی ہیں اور مہتمم کو تقاضے سُننے کی کوفت اُٹھانا پڑتی ہے، اُس کا دماغ اِن فکروں سے پریشان رہتا ہے اور کوئی صورت کامیابی کی نہیں نکلتی۔ مسلمان اس طرف سے بہت افسردہ خاطری برتتے ہیں۔ چندے بہت قلیل ہیں اور وہ بھی وقت پر نہیں پہنچتے۔ شکم سیر بے فکروں کو شکایت ہے کہ ان مدارس میں گداگری کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ ہمارے طلبہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، مگر یہ شکایت کرتے ہوئے اُن کو غیرت آنا چاہیے کہ انہوں نے مذہب و دین کے لیے

زندگیاں وقف کرنے والوں اور عیش وراحت سے دست کش ہو جانے والوں کو خود کس حالت میں رکھا ہے۔ کیا کسی مدرسہ کو آج یہ ثروت حاصل ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو انگریزی اسکول کے بورڈوں کی حیثیت میں رکھ سکے۔ طلبہ کی اُلوالعزمی اور مردانگی صد ہزار آفرین کی مستحق ہے کہ وہ باوجود اِن مصائب کے طلبِ علم میں محو ہیں اور آسائش کے مفہوم مفروض الوجود کا تصور بھی اُن کے قلب میں نہیں گزر سکتا۔ اب ہم آپ کو کسی اسلامی مدرسہ کی سیر کرائیں اور وہاں کی حالتیں آپ کے علم میں لائیں[۳۶]۔

مدرسہ اہل سُنت بریلی (قسط سوم):

ہندوستان کے مدارس میں یہ مدرسہ ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے، جو دوسرے کسی مدرسہ کو حاصل نہیں اس مدرسہ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام اہل سُنت مجددِ مائۃ حاضرہ دامت برکاتہم کے زیرِ سایہ ہے اور اس کو حضرت موصوف مدظلہ کے ظل ہمایون میں تربیت پانے کا فخر حاصل ہے گو کہ اس کی عمر تھوڑی ہے، مگر اس خصوصیت پر نظر کر کے بعید نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت تک یہ مدرسہ ایک بڑا دار العلوم بن گیا ہوتا اور ہندوستان کے مدارس اس کو اپنا مرکز مانتے اور فیض حاصل کرتے، میں نے تفصیلی طور پر کبھی اس مدرسہ کی سیر نہیں کی ہے، لیکن سرسری نگاہ میں جو کچھ دیکھ سکا ہوں، اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس مدرسہ کے پاس کوئی چیز بھی اس کی شان کے لائق موجود نہیں ہے، مکان چھوٹا اور تنگ ہے مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی حسن تدبیر سے اس میں بسر کرنے کی صورتیں نکالی ہیں ایک درجہ میں اگر متوسط آواز سے تعلیم دی جائے

---

[۳۶] ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ، ج ا، نمبر ۸، ص ۲۔۵۔

تو دوسرے درجہ میں ضرور وہ آواز پہنچے گی۔ طلبہ کو گُھٹ کر بیٹھنا پڑتا ہے اور غالباً اس مجبوری سے مہتمم صاحب کو بہت سے طلبا واپس کرنا پڑتے ہوں گے میرے انداز میں دو سو یا کچھ کم و بیش ہیں، مدرس کل نو یا دس ہیں۔ درجۂ اولیٰ کی تعلیم کا تکفل خود اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مدظلہ العالی کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا مولوی حامد رضا خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔ آپ کے علمی کمالات اسی سے ظاہر ہیں کہ آپ اعلیٰ حضرت کے فرزند ارجمند ہیں۔ حلِ مقاصد اور کشفِ مُعضلات اور مشکل ترک تابوں کے درس میں آپ کی زبان وبیان نعمتِ الٰہیہ ہے، تقریر کی شستگی پر علماء دلدادہ ہیں، زہے نصیب اُن کے جن کو ایسا اُستاد میسر آئے۔ اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحب زادے مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب اور برادر زادے مولانا حسنین رضا خان صاحب سلمہما اللہ تعالیٰ یہ دونوں حضرات یہی درس دیتے ہیں، چھوٹے صاحب زادے ماشاء اللہ عمدہ فقیہ ہیں اور مولوی حسنین رضا خان صاحب کی توجہ معقولات کی طرف زیادہ ہے۔ مولوی امجد علی صاحب اور مولوی رحم الٰہی صاحب یہ حضرات علومِ درسیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں اور اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی سے فیض یاب ہیں۔

اس مدرسہ کے علماء بفضلہ تعالیٰ سب اہل کمال ہیں، ناقصین کو ہمت ہی کیا ہے کہ وہ اس مدرسہ میں درس دینے کی جرأت کر سکیں جس کے سرپرست ایسے بڑے جلیل امام ہوں، مدرسہ کے طلبہ تو وہی ہیں، جن کے سامنے مولوی اشرف علی نے جہل کا اقرار کیا اور تابِ گفتگو نہ لا سکے مدرسہ کی تعلیم اور طلبہ کی دینی حالت بحمد اللہ بہت بہتر اور اعلیٰ ہے، حضرت کے فیض سے محلہ کے بچوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے دماغوں میں دینی معلومات کا نفیس ذخیرہ رکھتے ہیں، مدرسہ کے پاس کُتب خانہ بہت معمولی ہے، مدرسین کی تعداد مدرسہ

کی ضرورت سے نہایت کم ہے دار الاقامہ گویا کہ ہے ہی نہیں۔ مدرسہ تو کیا کہیے آستانہ رضویہ کا ایک فیض ہے کہ جاری ہے۔

آستانہ نشین خدام کا ایک مجمع رہتا ہے، علم کا چرچہ مدرسہ نہ ہوتا جب بھی ایسا ہی ہوتا جیسا کہ آفتاب کے طلوع سے جہاں منور ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے علم کی روشنی ضرور پہنچتی ہے کوئی کسب وطلب کا ارادہ کرے یا نہ کرے اس آستانہ کے مدرسہ کے لیے کم از کم پچیس مدرس ہوتے، دو سو طلبا سے دار الاقامہ آباد ہوتا۔ اُن کے خورد نوش کا معقول انتظام ہوتا۔ حجروں میں چراغ تک مدرسہ کے ملازم روشن کرتے طلبا کو کسب علوم کے سوائے کوئی اور کام نہ ہوتا عمارت وسیع ہوتی، کُتب خانہ عظیم الشان ہوتا لیکن ان میں سے کوئی سامان موجود نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی کی شان ی ہے کہ وہ کسی سے چندہ کے لیے فرماتے نہیں، مالی اُمور سے طبع معلیٰ کو بالکل نفرت ہے کاش اہل سنت اور درد مندان ملت توجہ کریں اور اس مدرسہ کو ایک مرکزی دار العلوم بنا دیں جا بجا مدارس کھولنے سے یہ بہتر ہے کہ موجودہ مدارس ہی کو ترقی دے کر اُوج کمال تک پہنچایا جائے پھر اُن کے فیض سے جا بجا مدارس بآسانی قائم ہو سکیں گے۔ خدا کرے کہ مسلمان متحدہ اور مجتمعہ قوت کے فوائد سمجھیں اور اس طرف توجہ کریں مدرسہ کی طرف سے بھی جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اس کو دار العلوم بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ میں تحریک کرتا ہوں کہ جناب مہتمم صاحب توجہ فرمائیں اور اس مقصد کے لیے وفد اٹھائیں جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گشت کرکے مسلمانوں کو اپنے مدعا سے باخبر کرے اور اپنے مقصد میں متفق بنائے اول اول وفد کا صرف اتنا ہی

مقصد ہونا چاہیے کہ وہ سنیوں میں ایک حرکت پیدا کرے اور اُن کو اپنا ہم خیال بنائے، اسی ضمن میں جو درد مند حامیانِ علم اور خدام دین متین اُن کی ایک فہرست مرتب کی جائے[ے۳]۔

۲۔ جامعہ نعیمیہ، مراد آباد

اہل سنت کی عظیم الشان درسگاہ اور علومِ اسلامیہ کا ایک مرکز ہے، یہ درسگاہ ۱۳۲۹ھ سے جاری ہوئی اور حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی حافظ محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم کی سعی وہمت سے عالمِ وجود میں آئی اور حضرت کے فیض کا یہ بہترین ثمرہ ہے، حضرت نے اس کے لیے بڑی شاقہ محنتیں اٹھائی ہیں، بڑی صعوبتیں برداشت کی ہیں، اپنی راحتوں کو ترک کر دیا ہے اپنے ضروریات کا لحاظ نہیں فرمایا ہے، اس زمانہ میں قربانی کی ایسی مثال تلاش کرنی دشوار ہے۔ مخالفت کی آندھیاں چل رہی تھیں، مشکلات کے طوفان زوروں پر تھے، موافقت کی کوئی پست آواز بھی سُننے میں نہیں آتی تھے، ان خوفناک حالات میں حضرت کی پامردہ ہمت کا استقلال عزم کی پختگی عمل کی قوت یقینی کرامت ہے کوئی مشکل کوئی دشواری آپ کے لیے حوصلہ شکن نہ ہو سکی، سُنیوں کی غربت وناداری، اُن کے شیرازہ کا انتشار، مذہب کی طرف سے بے اعتنائی اور مدرسہ کی بے سر وسامانی جس پر لوگ ہنستے تھے اور سُنیت کے اس ٹمٹماتے ہوئے چراغ کے گل ہو جاتے نے ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا اپنے احباب دل سوزی سے کہتے تھے، اس زمانہ میں ایسے ماحول میں

ے۳ ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ، ج۱، نمبر ۹، ص۲۷-۳۰۔

ایسے گرداب بلا میں اس ناداری کے ساتھ آپ اس کام کو کس طرح چلا سکیں گے، مگر آفریں ہے اُس ہمت پر جو نہ دوستوں کی مایوسی سے متأثر ہوئی نہ دشمنوں کی مخالفت سے۔

تنخواہ دار مدرّس رکھنے کی وسعت نہ تھی تو خود درس دیا، اپنے شاگردوں کو مدرّس بنا کر بٹھایا اپنے اوقات بھی صرف کئے، محنتیں بھی برداشت کیں، زر ومال بھی بے دریغ صرف کیا، اسی طرح مدتوں کام چلایا اور وہ محنت وجانفشانی اٹھائی، جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتی تھی۔ ابتدا ہی سے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت ممتاز رہی اور یہاں سے قابل طلبہ پیدا ہوئے، ہر سال جماعتیں کی جماعتیں فارغ ہونے لگیں، دنیا کی آنکھیں کھل گئیں کہ بے سامانی میں ناداری میں یہ جوشِ عمل یہ کام مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے مسائل سے با خبر ہوئے طلبا جابجا وعظ کہتے، مسلمانوں کو تلقین کرتے نظر آنے لگے، دار الافتاء سے محققانہ فتوے جاری رہے، آخر مسلمانوں کو علم سے ذوق پیدا ہوا، سینوں کے مُردہ جذبات میں کچھ جان آئی قلوب میں ہمدردی پیدا ہوئی اور تھوڑے عرصہ میں یہ مدرسہ قوت پکڑ گیا۔ جابجا اس کی شاخیں جاری ہوئیں، یہاں کے فارغ شدہ طلباء نے بڑے بڑے مدرسے جاری کیے اور ان کا اس مرکز کے ساتھ الحاق کیا ملک میں شہرہ ہوا اس مدرسے کے فیض تعلیم نے صدہا عالم بنا دیے، فضلِ الٰہی سے مدرسے کی ایک وسیع اور عظیم الشان عمارت بھی تیار ہو گئی، احاطہ مدرسہ کے اندر مسجد بھی بنائی گئی، دار الطلبہ لے لیے دار الاقامۃ بھی تعمیر ہوا اور بلحاظ مرکزیت علماء اہلسنت کی تجویز سے اس کا نام جامعہ نعیمیہ رکھا گیا، اب تک مدرسہ میں سات مدرس درس دیتے تھے، زیادہ سے زیادہ بے کس طلباء کے خورد نوش کا انتظام کیا جاتا تھا، مگر امسال مدرسین کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا، کئی قابل مدرس بڑھا

دیے گئے ہیں، دار الاقامہ سے کھانے کا انتظام بھی وسیع کر دیا گیا ہے، اس وقت بیس سے زائد طلبا کے کھانے کا مدرسہ کی طرف سے انتظام ہے اور طلبا زیادہ ہو رہے ہیں۔

ان شاء اللہ العزیز ارادہ ہے کہ اس سال میں دار الاقامہ سے خوراک پانے والے طلبہ کی تعداد چالیس تک بڑھا دی جائے گی، جو طلبہ داخلہ کے امتحان میں اچھے نمبر پائیں گے انہیں وظیفہ بھی دیا جائے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سایۂ رحمت کو دراز فرمائے، جس کے فیض سے یہ چمن پُر بہار ہو رہا ہے اور اس کے معاونین کو دارین کی نعمتیں اور دولتیں عطا کرے، جو اخلاص کے ساتھ دین کی حمایت کے لیے اس مدرسہ کی امداد فرمات ہیں اور اس قدر جلد یہ درس گاہ اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئی کہ اس کی نظر اسلامی مدارس میں شاید ہی کہیں ملے۔ خدا کرے کہ یہ جامعہ روز افزوں ترقی کرتا رہے اور اس کے فیض علم سے تمام ہندوستان فیض یاب ہوں اور مسلمانوں میں یہ دینداری کی روح پیدا کرے، آمین[۳۸]۔

۳۸؎ ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہ رمضان وشوال، ۱۳۵۳ھ، ج۹، نمبر ۹و۱۰، ص ۱۰۔۱۱۔

۳۔ بد کلامی

خالقِ عالم نے انسان کو تمام مخلوق پر اشرف کیا اور شرافت بخشی۔ عقل و ہوش عطا فرمائے تاکہ اس کی روشنی میں نقصان دینے والی چیزوں سے ہے۔ فائدہ دینے والے کام اختیار کرے۔ جہاں عقل عاجز و درماندہ ہو، اس کے حصول کے لیے انبیاء کرام بھیجے۔ ان نبیوں پر اپنا کلام نازل فرما کر مخلوق کی ہدایت فرمائی۔ ان تمام نبیوں کے آخر میں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا فرمایا۔ ان پر اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی جس کی روشنی نے دنیا کے ذلمت کدے کو نور عرفان سے منور کیا۔ انسانوں کو انسانیر مرحمت کی جہالت کی تاریکی کو دور کیا انسانوں کو نفع وضرر کی راہ سے آگاہ کیا۔ تاکہ نفع دہ چیزوں کو اختیار کریں، ضرر دینے والے افعال سے کنارہ کریں اور باز رہیں۔ فضائل سے آراستہ کیا گندے کام اور بری باتوں سے نفرت دلائی۔ اعلیٰ کردار بہترین اخلاق سے مزین کیا۔

خراب خصلتوں بری عادتوں سے بچایا وہ بری باتیں جن سے بچنے کا حکم دیا ان میں ایک بری خصلت 'بد گوئی' بھی ہے۔ بد گوئی کے معنی ہیں برا کلام، بری بات۔ بد گوئی چند قسم کی ہے۔ ان میں سے ایک جھوٹ ہے، جھوٹ خلاف واقع بات کہنے کا نام ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ جھوٹ بولنے والے اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔

جھوٹ بولنے سے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی: جھوٹ بات وہی لوگ بناتے ہیں، جو ایمان نہیں رکھتے۔

امام احمد و بیہقی نے روایت کی: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر خصلت مسلمان کی عادت ہو سکتی ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے"۔ یعنی: ایمان میں خیانت اور جھوٹ میں نہایت ضد ہے۔ ایمان کے ساتھ خیانت اور جھوٹ جمع نہیں ہو سکتے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سچ کو لازم پکڑو۔ سچ نکو کاری کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نکو کاری جنت میں پہنچاتی ہے اور جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچتے رہو جھوٹ بد کاری کی طرف لے جاتا ہے اور بد کاری جہنم میں لے جاتی ہے اور جو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے وہ اللہ کے نزدیک کذاب، بڑا جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے"۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب آدمی جھوٹ بولتا ہے، رحمت کا فرشتہ اُس سے کوس بھر دور ہو جاتا ہے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے، جو جھوٹ بولنے والے کے منہ سے نکلتی ہے"۔

لوگ جھوٹ بولنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ اس میں کچھ برائی محسوس نہیں کرتے۔ بلا وجہ بات کرنے میں جھوٹ بولتے ہیں بلکہ نصاریٰ کی تقلید میں جھوٹ بولنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اپریل کے مہینہ میں پہلی تاریخ کو کیسا ہی صریح جھوٹ بولا جائے اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ فخریہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کفار کی بری عادتیں اختیار کر کے اپنا دامن عفت میلا کرتے ہیں۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹی گواہی دینا بھی جھوٹ میں داخل ہے، حدیث شریف میں وارد ہے کہ جھوٹی قسم کی امت و وبال سے گھر کے گھر ویران ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ جو لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر دنیا کا تھوڑا سامال

اَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ	لیتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں
لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا	ان سے اللہ تعالیٰ روز قیامت کلام نہ فرمائے گا
یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَ لَا	اور ان کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا اور ان
یُزَکِّیۡهِمۡ ۠ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ○	کو گناہوں سے پاک نہ فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

'بد گوئی' کی ایک قسم فحش کلامی اور گالم گلوچ ہے۔ شارع علیہ السلام نے فحش گوئی اور گالم گلوچ سے نفرت دلائی۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے: رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان کو گالی دینا بڑے گناہ کی بات ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا: گالی بکنے والا اور بے حیائی کی بات کہنے والا اسلام میں سے اس کے پاس کچھ نہیں"۔

طبرانی نے بسند صحیح روایت کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بے حیائی کی بات کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا"۔

امام ترمذی اور بیہقی نے روایت کی:

لَیۡسَ الۡمُؤۡمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الفَاحِشِ وَلَا البَذِيءِ۔

"اللہ کے حبیب نے فرمایا کہ نہیں ہے مسلمان طعنہ دینے والا اور نہ لعنت کرنے والا اور نہ فحش بکنے والا اور نہ بے ہودہ گو"۔

یعنی: طعنہ زنی اور لعنت کرنا وار فحش باتیں کہنا اور بے ہودہ بکنا مسلمان کی شان نہیں۔ مسلمان کو ان بُری خصلتوں سے دور رہنا ضروری ہے۔

امام ترمذی نے روایت کی حضور علیہ السلام نے فرمایا:

”جو شخص آپس میں گالی گلوچ کرتے ہیں، شیطان ہیں کہ آپس میں جھوٹ کہتے ہیں اور بے ہودہ بکتے ہیں“۔

بخاری، مسلم، ترمذی وابوداود نے روایت کی حضور علیہ السلام نے فرمایا:

”اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیر گناہ ہے، صحابہ نے عرض کی: ایسا کون بد نصیب ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے، فرمایا: کسی کے ماں باپ کو گالی دی اس نے جواب میں گالی دینے والے کے ماں باپ کو گالی دی تو یہ اپنے ماں باپ کو گالی دلوانے کا سبب ہوا تو گویا اس نے خود نے اپنے مان باپ کو گالی دی“۔

ان حدیثوں سے گالی بکنے کی شناعت وبرائی معلوم ہوئی۔ مگر آج یہ حال ہے کہ لوگ بات بات پر گالی بکتے ہیں اور اس میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے بلکہ بعض دریدہ دہن تو جانوروں تک کو گالیاں دیتے ہیں، بعض وہ ہیں کہ گالیاں ان کا تکیہ کلام بن گئی ہیں، بغیر گالی کے کوئی ان کی زبان سے کلمہ ہی نہیں نکلتا۔ خاص کر بعض محکمہ کے افسران گالی کے ایسے عادی وخوگر ہو گئے ہیں کہ پناہ بخدا۔ ایسے فحش وگندے کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں کہ سننے والے کو حیرت ہوتی ہے۔ ایسے معزز عہدے پہ پہنچ کر ایسے گندے کلمات ان کی زبان سے کیوں کر ادا ہوتے ہیں ایسے فحش کلمات کہتے ہیں یہ کیوں حیا نہیں کرتے۔

شریعت اسلامیہ نے مسلمان کو شستہ وشائستہ بنایا ہے۔ مسلمان کی تہذیب اس کی راست بیانی وصداقت اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نَزِّهُوْا اَفْوَاهَكُمْ فَاِنَّهَا طُرُقَاتُ الْقُرْآنِ۔

”اپنے منہ کو پاک صاف وستھرا رکھو کہ قرآن کریم کا راستہ ہے“۔

جس راستہ سے حاکم گزرتا ہے وہ راستہ صاف وستھرا رکھا جاتا ہے۔ اس میں کوڑا کرکٹ گندگی نہیں ہوتی۔ اس میں صفائی کا بہترین انتظام کیا جاتا ہے۔ مسلمان کی زبان قرآن کریم کی تلاوت اللہ کے ذکر کے لیے مسلمان کی خیر خواہی کے لیے دوسروں کو نصیحت اور اچھی بات بتانے کے بنائی گئی ہے۔ مسلمان بات کہے تو اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

جس نے بری بات کہنے سے زبان روکی خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

مسلمان کو لغو وبے ہودہ گوئی سے روکا اور ہر گندگی وبے ہودگی سے بچایا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ۔

”جو شخص دو جبڑوں اور دو پیروں کے درمیان جو ہے اس کی حفاظت کرے مجھ سے ضمانت کرے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ دو جبڑوں کے درمیان زبان ہے اور دو پیروں کے درمیان شرمگاہ ہے۔ اللہ کے حبیب فرماتے ہیں: جو ان دونوں کی حفاظت کرے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں“۔

اکثر گناہ ان دونوں اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں ان دونوں کی حفاظت کرنے کا حکم فرمانا بے شمار گناہوں سے بچانا ہے۔ حیا وغیرت کو برقرار رکھتے ہوئے کیسی عمدگی سے ان گناہوں سے بچایا، جن کا ذکر حیا وحمیت کے خلاف ہے۔ جو گناہ زبان وشرم گاہ سے متعلق ہیں، ان کو وضاحت سے بیان فرمایا، بلکہ اجمال کے طور پر دو جملوں میں ان سب کی برائی اور

ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ہمیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی حفاظت کی بہت تاکید فرمائی۔ برے کلام سے پرہیز کا حکم دیا۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَدْرُونَ أَكْثَرَ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. أَتَدْرُونَ أَكْثَرَ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ الْأَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ.

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کون سی چیز بکثرت لوگوں کو جنت میں پہنچائے گی، وہ تقویٰ اور حسن خلق ہے اور کون سی چیز لوگوں کو بکثرت دوزخ میں پہنچائے گی وہ شرم گاہ اور مونھ (زبان) ہے"۔

یعنی: مسلمان کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اچھے اخلاق اور اپنی شرمگاہ اور زبان کی حفاظت کرے مسلمان کی زبان پر سچائی کا اثر ہو، جھوٹ، افترا، غیبت گالی گلوچ بری بات زبان پر نہ آئے مسلمان صداقت کا مجسمہ اور سچائی کا پتلا ہو۔

یہ وہ اخلاق ہیں جو ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور بدگوئی کی گندگی سے بچائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین[۳۹]۔

---

۳۹ سوادِ اعظم لاہور، ۱۵ نومبر ۱۹۶۷ء، ص ۷۔۶۔

۴۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آمد (میلادِ مقدس)

خزاں کے بعد بہار آئی پھر گلستاں میں

حضرت ابن مریم علیہ السلام کے دورِ نبوت کے بعد اس خود سَری دنیا میں کسی دینی مربی کا سایہ نظر نہ آتا تھا اور صدہا سال (صدیوں) تک دنیا کا ظلمت کدہ بے چراغ رہا یہ بھی ایک حکمتِ الٰہیہ تھی۔

متمدن قومیں اور وہ مخلوقات جو کسی بادشاہ کے زیرِ فرمان رہی ہوں، کسی عظمت و قوت والے تاجور کی صولتِ شاہانہ سے بہت جلد تسخیر ہو سکتی ہیں۔ جس قوم نے ایک مرتبہ اپنی گردنوں میں کسی فرمانروا کا حلقۂ غلامی پہنا ہے، بہت آسانی اور شائستگی کے ساتھ وہ دوسرے زبردست طاقتور صاحب طبل عَلَم کے حضور سرِ فرمانبرداری خم کر سکتی ہیں اور بہت جلد اُس کے حقوق پہچان کر شاہانہ خدمات بجالانے کی خوگر ہو سکتی ہیں۔ لیکن جن پر کبھی کسی فرمانروا کا تسلط نہ ہوا ہو اور حُریت وآزادی جن کی طبیعت ثانیہ ہو گئی ہو، جن کی گردنیں غلامی کے طوق سے اور جن کے کان حلقہ بگوشی کی رسم سے آشنا نہ ہوں اُن کا یکایک اِطاعت قبول کر لینا اور فرمانبرداری میں سلیقہ دکھلانا نہایت دشوار بلکہ مُحالِ عادی ہے۔

تاریخِ عالم نے ابھی تک ایسی کوئی نظیر نہیں پیش کی، جس سے اس کے خلاف ثابت ہو سکتا۔ بلکہ ہر جگہ خوکردہ سے بہ نسبت اجنبی کے کام لینا آسان ہوتا ہے۔ صحرائی گھوڑوں اور بَن کے ہاتھیوں اور وحشی جانوروں کو مسخر کرنے میں کیا کیا دقتیں پیش آتی ہیں اور پھر اُن کے مونھ میں لگام دینا، عماری کسنا کاندھے پر جوا رکھنا، بچے کو علیحدہ کر کے دودھ دُوھ لینا آسان نہیں ہے، لیکن خوکردہ جانوروں کی پیٹوں پر چھوٹے چھوٹے کم سِن

بچے شہسواری کرتے دیکھے جاتے ہیں اور اُن کی باگوں کے اشاروں پر دیو مگر باذ پیا کام کرتے ہیں۔

بہر حال یہ ہر جگہ ثابت ہے کہ جو آزادی کے عادی ہو گئے ہوں اور حریت جن کا شوقِ گلو ہو، اُن کو مطیع فرمانبر دار بنالینا اور اُن کا شائستگی کے ساتھ ایسی خدمات بجالانا جن کے لیے اعلیٰ ترین علم شعور و تجربے فراست و ریاضت کی ضرورت ہو، ایک عجیب امر ہے۔

حقیقی مالک الملک کو اپنے محبوب عربی تاجدار کا خسروی اقتدار آشکارا کرنا منظور تھا کہ اُنہیں حضرت مسیح علیہ السلام سے صد ہا سال بعد مبعوث فرمایا اور ایسی قوم پر اس آفتابِ ہدایت کی تجلیات کے فیض کا دریا بہایا، جن کے آباء واجداد بھی صدیوں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کی اطاعت اور اُس کی لذت سے بالکل نابلد تھے۔ اُن کی گردنیں کسی دینی مقتدا کے سامنے جھکنے کی عادی نہ تھیں۔ اُن کی خود سری اور خود رائی کا سکہ رائج تھا، اُن کی باتوں میں دخل دینا صدیوں کے لیے لڑائی خریدنا تھا۔ نفس و شیطان کی سلطنت تھی اور بتوں کا عمل بالخصوص عرب کے حریت پروردہ متکبر بے لگام تھے۔ جنہوں نے کسی فرمانروا کی اطاعت کی شکل پریشاں خواب میں بھی نہ دیکھی ہو گی، جن کو بچپن میں سُلانے کے لیے دایہ نے بھی کبھی حکومت کا افسانہ نہ سُنایا تھا۔ جو لوٹ مار، قتل وغارت، حرام کاری شراب خواری کو ممنوع الترک اوراد کی طرح لازم جانتے تھے، جنہوں نے خدا کے مقدس گھر میں پتھر اور مختلف چیزوں کے بُت تراش تراش کر معبودانہ حیثیت کے ساتھ بٹھائے تھے۔ جہاں بے گناہ اولاد اور معصوم لختِ جگر نامشفق ماؤں اور نامہربان باپوں کے ہاتھوں سے زندہ در گور کی جاتی تھی اور ننھی ننھی جانوں کو بے رحمی سے خاک کے نیچے دبا دینا قابلِ ستائش تھا۔ ایسے بے مہار، خود سروں کو رہ پر لانا اور اُن کی آزاد گردنوں میں غلامی کے طوق ڈال

دینا اور اُن کے ہاتھ پاؤں حکومت کی رسّی میں جکڑ لینا اُن کی جان ومال کا مالک بن جانا، اُن کے خصائل بدل کر شائستگی اور تہذیب کے زنداں میں قید کرنا، عقل میں نہیں آتا تھا کہ کسی زبردست سے زبردست مخلوق کی قدرت میں ہو۔ ایسے وحشیوں پر کسی سلطنت کی جابرانہ قوت کامیاب ہوسکتی تھی، عالمانہ اور حکیمانہ طرزروش کو مظفر ہونا متصور نہ تھا۔

عقلِ سلیم بتلاتی ہے کہ اُن کو راہ پر لانا آفتاب کو بعد غروب واپس لانے اور چاند کو کاٹ کر دو پارہ کرانے سے کم مشکل نہ تھا۔ عالم میں یہ ایک عجیب انقلاب تھا، جو بیسویں اپریل ۵۷۱ء مطابق بارہ ربیع الاول دوشنبہ کے روز پیر فلک نے اپنی آنکھوں سے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ نہ صرف تنہا سرزمینِ عرب کی، بلکہ سارے جہاں کی کایاپلٹ دینے والی شبِ تار کو روزِ روشن بنادینے والی مقدس ہستی نے ظہور فرمایا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ

وہ جس کے برکات نے درندوں سے گلہ بانی اور گرگ خونخوار سے چوپانی کی خدمت بحسن وخوبی انجام دلائی، خلقت کے اخلاق وشمائل بدل ڈالے اور گویا سینہ چیر کر دل نکال ڈالے اور نئے دل رکھ دیے۔ یہ تاریخ بت پرستی اور خداپرستی کی صدہاسالہ جنگ کے فیصلہ کی تاریخ تھی، جس کی صبح کو مشرق سے آنے والا آفتاب خداپرستی کی فتح کا جھنڈا بلند کرتا ہوا دھوم دھام سے نکلا اور تمام باطل قومیں پس پا ہوئیں۔

مجوسیوں کے پُرانے پُرانے معبدوں اور آتش خانوں کی آگ، ربانی انوار کی ایک جھلک میں سرد ہو کر رہ گئی اور اونچے اونچے شہ نشینوں پر سجائے ہوئے بُت مونھ کے بل اوندھے گرائے گئے۔ غرض کہ کفر کی سلطنت زیروزبر ہوگئی اور جہان کا پودا نئے لباس

سے آراستہ نئی ہَوا میں جھومتا لہلہاتا نظر آنے لگا۔ زمین کے افسردہ خاطروں پر طرب کی موسلا دھار بارش ہوئی اور عالم کا نقشہ بدل گیا۔

اگر آپ کو صحیح تاریخوں کا علم ہے یا آپ نے کبھی کُتبِ سیر پر نظر ڈالی ہے تو آپ کو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو چکا ہو گا کہ عالم میں ایسا عظیم انقلاب کبھی نہیں ہوا نہ دنیا کسی ایک ہستی کو پیش کر سکتی ہے، جس نے ہزار ہا باطل خداؤں کی زندگی کو سمیٹ کر توحید کی سلطنت کو ایسے ملک میں رواج دیا ہو، جہاں دشمنانِ توحید کا ملجا وماویٰ سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کے اخلاق بدل دینا اور اولاد کُشی، شراب خواری، زناکاری، قمار بازی، قتل وغارت، قطعِ طریق، میٹ کر سرکش بندوں کو خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کر قبلہ رُو کھڑا کر دینا اور یہ تمام لپکے چھڑا کر تارک الدنیا زاہد بنا دینا اور دشمنانِ توحید کو عرفاں کا ایک جام پلا کر توحید کی حمایت کے لیے سر کٹانے بھیج دینا، اہلِ عقل کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ آخر الانبیاء کی الٰہی طاقت اور اعجازی قوت دیکھ کر بلند آواز سے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ۔

اُنہیں سید الانبیاء کی مقدس زندگی حقانیت اسلام کی وہ زبردست دلیل ہے، جس کا جواب کسی قوم کے پاس نہیں اور غیر متعصب عیسائیوں اور دوسرے لوگوں نے بارہا اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو بات محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اشاروں میں پیدا کر دی تھی، دوسرے لوگ بے انتہا مال اور بے شمار جانیں صَرف کر کے بھی اُس کے عشرِ عشیر یا اقل قلیل تک بھی تیرہ سو برس کے عرصہ میں نہیں پہنچ سکے اور نہ آئندہ انہیں کامیابی کا کوئی موقع ہے۔

میرے اس مختصر بیان سے آپ اتنا سمجھ لیے ہوں گے کہ بارہویں ربیع الاول دنیا میں ایک ایسی تاریخ ہے، جس کا نظیر ابتدائے عالم سے آج تک اور آج سے قیامت تک وہم عُنقا نے بھی نہیں دیکھا۔

یہی تاریخ یہی دن حقیقی عید اور سچے جشن کا دن ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم اسی دن کی خبریں سُناتے اور بشارتیں پہنچانے آئے اور اسی دن کی تمنا اور آرزو ساتھ لے گئے۔ انجیل میں اسی سحر کے طلوع کا ذکر ہے، مگر قابلِ افسوس اُن بنی نوع کی حالت ہے، جو بڑے بڑے سلاطین س قطع نظر چھوٹے چھوٹے والیانِ ریاست کا جشنِ مولود مناتے ہیں اور زید وعمرو کی سالگرہ کی خوشیاں کرتے ہیں، مگر حاملِ اسرارِ ربانی سرکارِ ابدِ قرار احمد مختار محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی جشنِ عید میلاد میں اُن کو حصہ لینا نصیب نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے چمنستان نبوت کے خزاں رسیدہ نہ تنہا خزاں رسیدہ بلکہ ویران وتاراج شدہ بہار کو پھر دوبارہ نئی نرالی پھبن کے ساتھ واپس کیا اور عالم کو اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا تو ہم کو اُن کا شکریہ اور اُس پر اِظہارِ مسرت یقیناً لازم، جس طرح ہم سے ممکن ہو اور جو صورت ہمارے مقدور میں ہو ضروری ہے کہ ہم آج اپنے آقا کا احتشام دکھائیں[۴۰]۔

مژدہ ست غلامانِ سلطانِ عرب را

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

---

[۴۰] ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہِ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، جلد ۱، نمبر ۱۲، ص ۳۔۸۔

۵۔ رمضان المبارک

فضائل و مسائلِ رمضان و عید

عجب بابرکت مہینہ ہے مسلمانوں کے تمام اوقات روزوشب عبادت الٰہی میں گزرتے ہیں۔ دن میں وہ اپنے رب کی یاد میں اپنی خواہشات کی قربانی کرتے ہیں اور بدنی حوائج ولذائذ کھانے پینے اور مباشرت سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ عاشقانِ الٰہی کے چہروں کی زردی لبوں کی خشکی کیسی پیاری اور بھلی معلوم ہوتی ہے

؎ شکست رنگہا مہتابِ بامش

چھوٹے بڑے مرد عورت سب یاد الٰہی میں اپنے حوائج بدنیہ کو بھولے ہوئے ہیں اور ہمہ تن بندے ہو کر اُس کی عبادت میں مشغول ہیں۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک بے آب و دانہ بھوکے پیاسے رہ کر مغرب کے وقت افطار کرتے ہیں اور افطار کرتے ہی مسجدوں میں نماز مغرب کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر کچھ کھایا پیا کہ عشاء کی اذان ہو گئی پھر مسجد میں چلے آئے عشاء کے فرض وسنت سے فارغ ہو کر تراویح شروع کردی امام نے قرآن پاک شروع کیا ہے۔ مقتدی دن بھر روزہ رکھ کر اپنے رب کا کلام ہاتھ باندھے سن رہے ہیں۔ اور محو یاد ہو رہے ہیں۔ دن میں صیام ہے اور رات کو قیام عجب برکت والا دن ہے۔ اور عجب نورانی رات اسی وجہ سے حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

حدیث۱: إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ، فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ —وفي رواية—: فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ. وفي رواية: فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ.

ترجمہ: ”جب رمضان داخل (شروع) ہوتا ہے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین گرفتار کیے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں“۔

محدثین فرماتے ہیں کہ آسمان کے دروازے کھولنا رحمت نازل کرنے سے کنایہ (اشارہ) ہے اور جنت کے دروازے کھولنا نیکیوں کی توفیق عطا فرمانے سے، کیونکہ وہ دخول جنت کا سبب ہے اور جہنم کے دروازوں کا بند کرنا روزہ داروں کو گناہوں سے امن دینے سے کنایہ ہے، لیکن امام نووی نے فتح وخلق میں دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں مجازی معنی بھی حقیقی بھی۔

حدیث۲: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ، لاَ يَدْخُلُهُ إِلاَّ الصَّائِمُونَ. (متّفق عليه)

ترجمہ: ”بخاری و مسلم میں سہل بن سعد سے مروی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک نام باب الریان ہے روزہ داروں کے سوا اس سے کوئی داخل نہ ہو گا“۔

محدثین نے اس باب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اُس کی طرف کثرت سے نہریں جاری ہیں اور اُن کے قریب پھل پھول شگوفے چمن نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو سرور بخشنے والے بکثرت ہیں، اس لیے اس کو ''ریان'' کہتے ہیں۔

یا یہ وجہ ہے کہ جو وہاں تک پہنچے گا اس سے روز قیامت کی تشنگی زائل ہو جائے گی اور اُس کو طراوت و نظافت دائمی دار المقامہ (جنت) میں حاصل، ہوگی زرکشی نے کہا کہ ریان فعلان کے وزن پر ہے، اس کے معنی ہیں کثیر الری یعنی بہت زیادہ سیرابی والا۔ چونکہ روزہ داروں کی بھوک پیاس پر کثرتِ سیرابی کے ساتھ جزا دی جائے گی، اس لیے یہی نام رکھا گیا۔

حدیث۳: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، ومَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (متفق عليه)

ترجمہ: ''بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان و طلبِ ثواب کے لیے، اس کے تمام پچھلے گناہ (صغائر) بخشے گئے اور جس شخص نے ماہ رمضان میں ایمان و طلبِ ثواب کے لیے قیام کیا (یعنی: رات کے وقت عبادتوں میں مصروف رہے) اُس کے تمام پچھلے گناہ بخشے گئے اور جس نے ایمان و طلبِ ثواب کے لیے شب قدر کو قیام کیا اُس کے تمام پچھلے گناہ بخشے گئے''۔

حدیث۴: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ أَمْثَالِھَا إِلَی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلاَّ الصَّوْمَ، فَإِنَّہُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِہِ، یَدَعُ شَھْوَتَہُ وَطَعَامَہُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہِ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیحِ الْمِسْکِ، وَالصِّیَامُ جُنَّۃٌ، وَإِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ أَحَدِکُمْ فَلاَ یَرْفُثْ وَلاَ یَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّہُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَہُ، فَلْیَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ. (متفق علیہ)

ترجمہ: ”بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا ہر عمل مضاعف (دوگنا) کیا جاتا ہے، نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن روزہ بیشک وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا۔ (بندہ) اپنی خواہش و خوراک میرے لیے چھوڑتا ہے (یعنی میری رضاجوئی اور طاعت و فرمان کے لیے) روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں ایک فرحت تو افطار کے وقت (کہ وہ فرض سے عہدہ برآ ہوا) اور ایک فرحت اپنے رب سے ملاقات کے وقت (جب وہ ہمیں خود جزا مرحمت فرمائے گا) اور روزہ دار کے مُنہ کی بو اللہ کے نزدیک خوشبوئے مشک سے زیادہ پیاری اور پاکیزہ ہے اور روزہ سپر ہے (کہ دنیا میں معاصی سے اور عقبیٰ میں دوزخ سے بچاتا ہے)، جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو بیہودہ بات نہ بکے، شور نہ کرے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اُس سے لڑے تو کہدے کہ ”میں روزہ دار ہوں“۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ کا ثواب کسی کے اندازہ شمار میں نہیں آسکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ خود اُس کی جزا مرحمت فرمائے گا اور ملائکہ قدس کے سپرد نہ کریگا۔

حدیث۵: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الخَيْرِ أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ. (رواه الترمذي وابن ماجة)

ترجمہ: ''ترمذی وابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُنھوں نے کہا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی شب ہوتی ہے شیاطین اور سرکش جنات قید کیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں، پھر اُن میں سے کوئی دروازہ (ایک ماہ تک) نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی دروازہ پھر بند نہیں کیا جاتا اور پکارنیوالا پکارتا ہے: اے نیکی کے طلبگار! متوجہ ہو اور اے بدی کے طالب! (گناہ سے) باز رہ اور (ایسے بندے) آگ سے آزاد کیے ہوئے ہیں اور یہ ندا ہر شب ہوتی ہے''۔

شیاطین کے گرفتار ہونے سے برائیوں کی کمی مراد ہے، یعنی: رمضان کی برکت سے ایماندار اللہ کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اور گناہ کے کام چھوڑ دیتے ہیں شیطانوں کے لیے یہ قید ہے، جو اُنہیں اُن کے کام سے روکتی ہے۔

حدیث۶: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ. تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ

السَّمَاءِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَحِيمِ، وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ، لِلّٰهِ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ. (رواه أحمد)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس مقدس مہینہ رمضان آیا اللہ نے تم پر اُس کے روزے فرض فرمائے اُس مہینہ میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، سرکش شیطانوں کی گردنوں میں طوق ڈالے جاتے ہیں، اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس رات کی خیر سے محروم رہا بے شک وہ بھلائیوں سے محروم ہوا“۔

روزہ کی فرضیت شعبان ۲ھ میں ہوئی (لمعات)۔

حدیث۷: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ. (رواه أحمد)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کرینگے روزہ عرض کریگا: اے رب! میں نے اس کو کھانے اور رغبت کی چیزوں سے دن میں باز رکھا، میری شفاعت اُس کے حق میں قبول فرما، قرآن کہے گا: میں نے اس کو شب میں آرام کرنے سے روکا، میری شفاعت اس کے حق میں قبول کر، دونوں کی شفاعتیں اس کے حق میں قبول کیجائیں گی“۔

حدیث۸: عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتَزَّخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى حَوْلٍ قَابِلٍ، قَالَ: فَإِذَا كَانَ أَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيحٌ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ فنَشَرَتْ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُورِ الْعِينِ، فَيَقُلْنَ: يَا رَبِّ! اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ أَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ أَعْيُنُنَا وَتُقِرُّ أَعْيُنَهُمْ بِنَا. (رواه البيهقي)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنت رمضان مبارک کے لیے ابتدائے سال سے سال آئندہ تک یعنی پوری سال بھر آراستہ کیجاتی ہے، جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے جنت کے پتوں سے زیر عرش حوروں پر ہوا چلتی ہے، وہ کہتی ہیں: اے رب! ہمیں اپنے بندوں میں زوج عنایت فرما، جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں“۔

ان بے حد وپایاں برکات سے محروم رہنا انتہا درجہ کی بد نصیبی و محرومی ہے۔ افسوس اُن مسلمانوں پر جو رمضان مبارک میں روزہ نہیں رکھتے اور کمال بے غیرتی وبے حیائی کے ساتھ بازاروں میں پان کھا کھا کر نکلتے ہیں۔ اُن کی نگاہوں میں نہ رمضان المبارک کی حرمت ہے نہ دین پاک کی آبرو وہ گناہ کے علاوہ اسلامی اجتماع کو سخت صدمہ (نقصان) پہنچاتے ہیں۔ فرائض وہ چیز ہیں جن میں تمام مسلمانوں کو یکساں ہونا چاہیے۔ جب تک مسلمان دین کی پابندی کرتے تھے، دوسری قومیں بھی رمضان کا احترام کرتی تھیں اور اُنھیں یارانہ تھا کہ وہ اعلان کے ساتھ کھا پی سکیں۔ لیکن آج جبکہ مسلمان ہی اسلام کی عظمت نہیں کرتے دوسرے کیا کرینگے ”از ماست کہ برماست“ اپنی خراب حالتیں خود ہماری پیدا کی ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ روزہ رکھنے سے ایک کاغذ جسم کم

ہو جائے گا)۔ کسی قدر دبلے ہو جائیں گے کیا وہ امن میں (سوچ میں) ہیں کہ بیماری نہ آئیگی۔ ایک دن کا بخار یا گھنٹہ بھر کا درد وزن آدھا نہ کر دیگا، کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ انفلوئنزا، طاعون، ہیضہ میں کیسی کیسی تن آور اور قوی ہستیاں چند ساعت میں لقمہ اجل ہو جایا کرتی ہیں۔ اس فنا ہونے والے جسم اور ناپائیدار جسامت کی محبت میں اللہ کے فرض کو ترک کرنا کس درجہ کی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔ بچوں کو دیکھا ہے کہ شدت گرمی کے موسم میں شوق کے ساتھ تمام مہینہ روزے رکھتے ہیں۔ رمضان مبارک کے روزے فرض ہیں اسکا منکر کافر ہے۔ روزے کی نیت شب سے کرنا چاہیے اور اگر صبح کو نیت کی تو بھی جائز ہے، بشرطیکہ زوال سے قبل کی ہو۔ نیت عزم قلب کا نام ہے، الفاظ ضروری نہیں اگر یہ الفاظ کہہ دے: نَوَيْتُ لِلّٰهِ بِصَوْمِ الْغَدِ (میں اللہ کے لیے کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں) تو بھی مضائقہ نہیں نیت روزہ کے لیے شرط ہے رمضان کے روزہ کے لیے دوپہر سے قبل نیت کرنا کافی ہے اور اسی طرح مطلق روزہ کی نیت کافی ہے، خواہ فرض رمضان کے تخصیص کرے یا نہ کرے، بلکہ نفل یا دوسرے واجب کی نیت کی جب بھی روزہ رمضان کا ادا ہو گا۔ لیکن قضا رمضان اور روزہ کفارہ کے لیے شب سے نیت ضروری ہے اور تمام نفل روزوں کے لیے قبل زوال نیت کرنا درست ہے۔

رؤیتِ ہلال:

شعبان کی ۲۹ کو چاند کی تلاش واجب علی الکفایہ ہے، اگر چاند دیکھ لیں روزہ رکھیں ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کریں، اس کے بعد روزہ رکھیں ابو داود و ترمذی کی حدیث

ہے: صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمّ عَلَيْكُمُ الْهِلَالُ، فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِيْنَ يَوْمًا.

ترجمہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اگر ابر وغبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو“۔

منجموں کے قول اور لوگوں کے قیاس وتجربہ اور جنتریوں کی تحریریں سب چاند کے باب میں معتبر نہیں ہیں، جس دن کی رمضانیت میں شک ہو اُس دن کا روزہ نیت سے رکھنا کہ اگر یہ دن رمضان ہے تو روزہ رمضان کا ورنہ نفل کا، اسطرح کا روزہ مکروہ ہے لیکن جو لوگ ہر مہینہ کے اخیر میں نفل روزے رکھنے کے عادی ہیں، یا خالص نفل کی نیت کرنے پر قادر ہیں ان کو نیت نفل روزہ رکھنا جائز ہے۔ مفتی کو بھی اس دن نیت نفل سے روزہ رکھنا چاہیے عوام دو پہر تک انتظار کریں، اگر کہیں سے خبر آجائے روزہ رکھیں ورنہ افطار کرلیں جس شخص نے تنہا چاند دیکھا اور روزہ رکھے۔ اگرچہ امام اُس کی شہادت نہ قبول کرے جب آسمان پر ابر وغبار ہو امام رؤیت ہلال رمضان میں ایک آدمی کی شہادت قبول کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ سنن اربعہ میں مروی ہے:

حدیث: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ، فَقَالَ: أَتَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: يَا بِلاَلُ! أَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُومُوا.

ترجمہ: ”حضور کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا عرض کیا: میں نے چاند دیکھا ہے۔، فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، عرض کیا: بیشک، فرمایا: کیا

گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، عرض کیا: یقیناً، حضور نے فرمایا: اے بلال! اعلان کرو لوگ روزے رکھیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہلالِ رمضان کی رؤیت ایک شخص کی شہادت سے ثابت ہو جاتی ہے، لیکن جب امام (قاضی) نے ایک شخص کی شہادت قبول کر لی اور رمضان مان لیا جائے، تو لوگ ۳۰ روزے رکھ کر بغیر چاند دیکھے افطار نہ کریں گے۔ جب آسمان پر ابر وغبار کچھ نہ ہو تو جماعتِ کثیرہ کی شہادت درکار ہے، مطالع کا اختلاف معتبر نہیں۔ مشرق میں دیکھنے والے کی شہادت دینے سے مغرب والوں کے حق میں رؤیت ثابت ہو جائے گی۔

جب آسمان پر ابر یا غبار نہ ہو تو عید کے چاند کے لیے کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہارت ضروری ہے۔ روزہ کا وقت صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے، عورتوں کے حق میں حیض ونفاس سے پاک ہونا ادائے روزہ کے لیے شرط ہے، حائضہ اور نفاس والی عورت پر قضا واجب ہے۔

روزہ کے مکروہات:

کسی شے کا چکھنا اور چبانا بلا عذر مکروہ ہے، اگر عورت بد مزاج شوہر کی وجہ سے سالن چکھ لے، یا بچہ کے کھلانے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی گھر میں ایسا غیر روزہ دار شخص ہو جو روٹی چبا کر اُس کو کھلا دے، ایسی صورت میں عورت بچہ کے کھلانے کے لیے روٹی چبائے جائز ہے۔ شہد خریدنے کے لیے چکھنا مکروہ ہے۔ قدمچہ پر کشادہ بیٹھ کر استنجا میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا اور زیادہ دیر تک پانی سے منہ بھرا رکھنا مکروہ ہے۔ یہ بھی مکروہ ہے کہ روزہ دار منہ میں بہت سا تھوک جمع کرتا رہے، پھر نگل

جائے۔ مسواک جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔ سرمہ لگانا بالوں میں تیل لگانا مکروہ نہیں۔ جو شخص صبح کو جنبی اُٹھا، یا دن میں احتلام ہو گیا، غسل کر لے، حرج نہیں۔ مسافر کو روزہ مکروہ ہے اگر روزہ سے اُس کو غیر معمولی تکان ہو جائے یا مشقت بڑھ جائے ورنہ روزہ افضل ہے۔

سحری وافطار:

سحری کھانا مستحب ہے اور اس کا وقت آخر شب ہے۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ وہ شب کا پچھلا سدس یعنی: چھٹا حصہ ہے۔ سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے، مگر نہ اتنا کہ وقت ہی میں شک ہونے لگے اور افطار میں جلدی افضل ہے۔

حدیث: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً.

ترجمہ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے“۔

حدیث: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لاَ يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطْرَ. (متفق عليه)

ترجمہ: ”بخاری و مسلم میں حضرت سہل سے مروی ہے حضور نے فرمایا: لوگ بخیر رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے“۔

نماز سے پہلے افطار کرنا مستحب ہے، افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا سُنت ہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ۔

ترجمہ: ”یارب! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسہ کیا تیرے رزق پر افطار کیا، میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما“۔

مفسدات:

مفسدات دو قسم کے ہیں:

ایک وہ جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ دوسری وہ کہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ اگر روزہ دار نے بھول کر کھایا یا پیا یا جماع کیا روزہ میں کوئی نقصان نہ آیا۔

ایک شخص نے روزہ دار کو کھاتے دیکھا، اگر اس میں روزہ تمام کرنے کی قوت ہے، تو اس کو یاد نہ دلانا مکروہ ہے اور اگر وہ ضعیف ہے کبیر السن (بوڑھا) ہے، تو جائز ہے کہ اس کو خبر نہ دے۔

اگر کسی شخص نے بحالتِ اکراہ (مجبوری) وخطا کھایا اُس پر قضا ہے، کفارہ نہیں۔ اکراہ تو یہ ہے کہ وہ کھانے پر مجبور کیا گیا تھا اور خطا یہ ہے کہ اس کا ارادہ روزہ توڑنے کا نہ تھا گو کہ اُس کو روزہ یاد ہو اور ناہی وہ شخص ہے، جس کو روزہ یاد ہی نہ ہو۔

کسی شخص نے کلی کی یا ناک میں پانی ڈالا وہ پانی اُس کے پیٹ میں اُتر گیا، اگر اس کو اپنا روزہ یاد تھا، تو فاسد ہو گیا اور اُس پر قضا آئے گی اور اگر یاد نہ تھا تو فاسد نہ ہوا اگر کوئی ایسی

چیز نگل لی جو نہ عاد تاً غذا میں مستعمل نہ دوا میں، جیسے کہ پتھر یا مٹی اس سے روزہ جاتا رہیگا، لیکن کفارہ واجب نہیں۔

اگر کسی نے سر دھونے کی مٹی کھالی روزہ فاسد ہو گیا۔ اگر وہ مٹی کھانے کا عادی تھا تو اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔

دانتوں کے درمیان جو چیز رہ جاتی ہے، اس کو کھالیا، اگر کثیر ہے تو روزہ جاتا رہا ورنہ نہیں چنے کی مقدار اور اس سے زیادہ کثیر ہے اور اس سے کم قلیل۔

تل دانتوں کے درمیان رہ گیا تھا، اس کو نگل گیا روزہ فاسد نہیں ہوا اور اگر باہر سے اٹھا کر ایک تل نگل گیا چبا کر روزہ فاسد ہو گیا اور اگر بے چبائے نگلا تو کفارہ بھی واجب ہوا۔ غیر کا چبا ہو القمہ نگل لینے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

سحری کھارہا تھا مُنہ میں لقمہ تھا کہ فجر نے طلوع کیا اس کے بعد اس کو نگل گیا یا کھانے کے لیے روٹی توڑی تھی، اس وقت اُس کو روزہ یاد نہ تھا، جب چبایا تو یاد آیا کہ وہ روزہ دار ہے پھر اس کو نگل گیا اگر اس کو نکالنے سے قبل نگل گیا تو اس پر کفارہ ہے اور اگر اس کو منہ سے نکال لیا پھر منہ میں رکھ کر نگل لیا روزہ فاسد ہو گیا، کفارہ لازم نہیں۔

اگر دوسرے کا تھوک نگل گیا روزہ فاسد ہو گیا کفارہ لازم نہیں۔ لیکن اگر وہ کسی اور دوست کا تھوک تھا تو کفارہ بھی لازم ہے اور اگر اپنا ہی تھوک منہ سے نکال کر ہاتھ پر رکھا پھر اس کو نگل گیا روزہ فاسد ہو گیا، کفارہ نہیں۔

اگر کلی کے بعد تری باقی رہی تھوک کیساتھ اس کو نگل گیا، روزہ فاسد نہ ہوا۔ دانتوں میں سے خون نکلا اور حلق میں داخل ہو گیا، اگر تھوک غالب ہو تو مضر نہیں ورنہ روزہ فاسد ہوا۔

اگر مکھی منہ میں خود چلی گئی اور حلق میں داخل ہو گئی روزہ فاسد نہ ہوا غبار اور دھواں جس سے بچنا ممکن نہیں ہے، روزہ کو نہیں توڑتا۔

حقہ اور سگریٹ پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ کان میں پانی ٹپکایا روزہ فاسد نہیں ہوا۔ اِحلیل یعنی: مرد کے پیشاب کے سوراخ میں کوئی دوا ٹپکائی روزہ فاسد نہیں ہوا اور عورت کے ٹپکائی تو فاسد ہو گیا۔

دوسری قسم:

وہ مفسدات ہیں جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں، اگر کسی روزہ دار نے احد السبیلین میں جماع کیا اسپر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ ان دونوں محلوں (مقامات) میں انزال شرط نہیں۔

اگر کسی شخص نے قصداً ایسی چیز کھائی جو غذا یا دوا کے طور پر کھائی جاتی ہے، اسپر کفارہ لازم ہے۔ اگر کسی شخص نے جَو نگلا اگر بُھنا ہوا تھا کفارہ لازم ہو گا ورنہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے بھول کر کھایا یا جماع کیا، پھر یہ گمان ہوا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا، اس کے بعد قصداً کھالیا اس پر کفارہ نہیں ہے۔

کسی شخص کو قے آئی اس کو یہ گمان ہوا اس سے روزہ ٹوٹ گیا، اس کے بعد افطار کیا کفارہ لازم ہو گا اور اگر یہ جانتا تھا کہ قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا پھر کھالیا، کفارہ لازم ہو گا۔

ایسے ہی کسی شخص کو احتلام ہوا اُس نے گمان کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا اس کے بعد قصداً کھالیا کفارہ نہیں، اگر جانتا ہو کہ احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے تو اس پر کفارہ ہے۔

اَعذار مُبیحہ:

وہ عذر جن سے روزہ کا افطار مباح ہو جاتا ہے اس میں سے ایک مرض ہے، جب آدمی بیمار ہو جائے اور اُس کو جان کے تلف ہونے یا کسی عضو کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے بالاجماع افطار جائز ہے اور اگر مرض کے بڑھنے یا دیر پا ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو بھی افطار جائز ہے اور اس پر قضا لازم ہو گی۔

حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی جب انہیں اپنے یا بچہ کا اندیشہ ہو افطار کرے، پیاس اور بھوک جب اس قدر غلبہ کرے کہ اس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو افطار جائز ہے۔

شیخ فانی وہ بوڑھا مرد یا عورت جس کی قوت روز بروز کمی پر ہو اور آئندہ اُمید بھی نہیں کہ اس میں طاقت آئیگی، جب روزہ نہ رکھ سکے تو اس کے لیے افطار جائز ہے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھلائے اس کے بعد اگر اسے روزہ پر قوت حاصل ہو گی روزہ واجب ہو جائے گا۔

پیشہ ور اور مزدور جس کو اپنے عیال کے خرچ کے لیے محنت و مزدوری ناگزیر ہے، معذور نہیں اس پر روزہ رکھنا لازم ہے (ہمارے ملک کے بہشتی اور دھوبی وغیرہ محنت کا عذر کر کے روزے کھاجاتے ہیں ان کا عذر کوئی چیز نہیں)۔

روزے کے متفرق مسائل:

بچہ جب روزے کی طاقت رکھے تو اس کو روزہ رکھوایا جائے، بشرطیکہ روزہ اس کی صحت کو مضر نہ ہو، ابو حفص سے دریافت کیا گیا کہ دس برس کے بچے کو روزہ رکھنے کے لیے

مارا جائے؟ فرمایا: اس میں فقہا کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ روزہ بمنزلہ نماز کے ہے، یعنی دس سال کی عمر والے بچہ کو مار کے رکھوایا جائے۔

ایک شخص نے سحری کھائی خیال یہ تھا کہ ابھی وقت باقی ہے، بعد کو معلوم ہوا وقت نہ تھا فجر طلوع کر چکی تھی اس پر تمام دن کھانے پینے وغیرہ سے اس کا روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کرنا واجب ہے اور اس روزہ کی قضا بھی یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے یہ گمان کر کے روزہ افطار کر لیا کہ آفتاب غروب ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ غروب نہیں ہوا۔

روزہ کا کفارہ آج کے زمانے میں یہ ہے کہ دو مہینے کے متواتر روزے رکھے جائیں اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ہر مسکین کو ایک صاع جَو یا نصف صاع گیہوں، نصف صاع گیہوں پونے دو سیر ہوتے ہیں، یعنی: تقریباً دو کلو، پہلی احوط (احتیاطی) ہے، قضا رمضان کے روزے میں مستحب ہے کہ پے در پے (مسلسل) رکھے جائیں۔

شب قدر:

سال کی راتوں میں شب قدر افضل ترین رات ہے اور اس کی طلب مستحب، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے اور نہیں معلوم کہ وہ کونسی شب ہے کبھی اول ہو جاتی ہے کبھی بعد میں ہوتی ہے، صاحبین کے نزدیک تقدم و تاخر نہیں شب تو متعین ہے لیکن ہمیں اُس کا علم نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس کے محل میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ وہ کسی سال میں کوئی شب ہوتی ہے اور کسی سال میں کوئی اور شب، امام مالک وثوری واحمد واسحاق وابو ثور رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے، دوسرے علماء نے فرمایا کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں منتقل ہوتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ وہ متعین شب ہے کبھی منتقل نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ وہ رمضان کے کوئی شب ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ عشرہ آخر کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے بعض کا قول ہے وہ رمضان کی ستائیس ویں (۲۷) شب ہے اس پر اکثر علماء ہیں۔

وجہِ تسمیہ:

اس شب کو "شب قدر" اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ارزاق وآجال اور حوادث وواقعات تمام سال کو مکتوب ہوتے ہیں قال اللہ تعالیٰ: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ، اس میں ہر حکمت والا کام فیصل کیا جاتا ہے۔ علمائ اس آیت سے شبِ براءت بھی مراد لیتے ہیں۔

"قدر" کے معنی اندازہ کے ہیں اور اس معنی سے دال کو ساکن پڑھنا جائز ہے اور مشہور دال کی حرکت ہے۔ بعضوں نے کہا کہ عظمت قدر اور شرافت کی وجہ سے اس شب کا نام شبِ قدر ہے۔ بعضوں نے کہا کہ اس شب میں عبادت کرنے والا صاحب قدر ہو جاتا ہے اور اس شب کی طاعتوں کی قدر زائد ہے، اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

اِخفا کی حکمت:

علماء نے فرمایا کہ اس رات کے اخفا (ظاہر نہ کرنے) میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کی طلب میں کوششیں کریں اور ہر شب اس خیال سے عبادت میں گذاریں کہ شاید یہی رات شب قدر ہو اس طرح ان کے حسنات اور نیکیاں زیادہ ہو جائیں اور ان کو عمل نیک پر رغبت ہو اس لیے بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص سال بھر ہر شب قیام کریگا ان شاء اللہ اس کو پا ہی لے گا۔

علماء نے کیا لطیف نکتہ فرمایا: مَنْ لَمْ يَعْرِفْ قَدْرَ الَّيلَةِ لَمْ يَعْرِفْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، جس شخص نے رات کی قدر نہ جانی شب قدر کو کیا پہچانے گا۔

حديث: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِي الوِتْرِ مِنَ العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواه البخاري)

ترجمہ: "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو"۔

حديث: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ القَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: قُولِي: اللَّهُمَّ إِنَّكَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي. (رواه الترمذي وابن ماجة)

ترجمہ: "حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں جان لوں کہ فلاں رات شبِ قدر ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں، فرمایا: یہ کہو

یا رب! تو کثیر العفو (بہت زیادہ معاف فرمانے والا) ہے، عفو پسند فرماتا ہے، میری خطائیں معاف فرما"۔

حدیث: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدِهِمْ، يَعْنِي يَوْمَ فِطْرِهِمْ، بَاهَى بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِي مَا جَزَاءُ أَجِيرٍ وَفَّى عَمَلَهُ؟ قَالُوا: رَبَّنَا جَزَاؤُهُ أَنْ يُوفَى أَجْرَهُ، قَالَ: مَلَائِكَتِي عَبِيدِي وَإِمَائِي قَضَوْا فَرِيضَتِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوا يَعِجُّونَ إِلَيَّ بِالدُّعَاءِ، وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكَرَمِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَأُجِيبَنَّهُمْ، فَيَقُولُ: ارْجِعُوا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُونَ مَغْفُورًا لَهُمْ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے جبرائیل امین ملائکہ کی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور ہر قیام و قعود کرنے والے بندے پر جو خدا کے ذکر میں مشغول ہے، رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ جب عید فطر کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی ملائکہ پر اپنے ان بندوں کے ساتھ مباہات و مفاخرت فرماتا ہے: اے میرے ملائکہ! اس مزدور کی کیا جزا ہے جس نے اپنا کام پورا کیا؟ عرض کرتے ہیں: یارب! اس کی یہ جزا ہے کہ اس کو پورا پورا اجر دیا جائے۔ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے فریاد کرتے نکلے، مجھے اپنی عزت و جلال اپنے کرم اپنی

برتری اپنی بلند رتبگی کی قسم، میں بیشک ان کی دعائیں قبول فرماؤنگا۔ پس فرماتا ہے: لوگو! میں نے تمھیں بخش دیا، میں نے تمہاری بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیا، نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: بس وہ مغفور واپس ہوتے ہیں"۔

بدیوں کو نیکیوں سے بدلنے کی یہ مراد ہے کہ صحائف اعمال میں بفضل اللہ المتعال ہر بدی کی جگہ نیکی لکھی جاتی ہے ممکن ہے کہ یہ کرم روزہ داروں کے ساتھ عام ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ عاصیوں کے لیے غفران ہو اور تائب فرمانبرداروں کے لیے تبدیل جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ

مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کے پس یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیگا۔

اعتکاف:

لغت میں 'اعتکاف' کے معنی حبس و مکث یعنی (رُکنے اور باز رہنے) کے ہیں، اصطلاح شرع میں اعتکاف مسجد میں بمع نیت کے ٹھہرنے اور اس کو علی وجہ مخصوص لازم کر لینے کا نام ہے رمضان کے عشرہ اخیر کا اعتکاف سنت مؤکدہ (علی الکفایہ) اور اس کے ماسوا مستحب، البتہ اگر نذر کرلے تو واجب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے عشرہ آخر کے اعتکاف پر مواظبت فرمائی۔

حدیث: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ. ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ. (متفق عليه)

ترجمہ: "حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے سید عالم علیہ الصلوۃ والتسلیمات رمضان کے عشرہ آخر میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی پھر آپ کے بعد آپ کے ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا"۔

اعتکاف کے لیے چند شرطیں ہیں، ان میں سے ایک نیت ہے، چنانچہ بلانیت اعتکاف کرنا بالاجماع ناجائز ہے۔

ایک شرط مسجد جماعت ہے اس لیے اعتکاف ہر اس مسجد میں صحیح ہے جس میں اذان و تکبیر ہوتی ہو مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں اعتکاف افضل ہے۔ پھر مسجد النبی میں پھر بیت المقدس میں پھر جامع مسجد میں پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں۔

عورت گھر کی مسجد میں جہاں وہ نماز پڑھتی ہو، اور اگر گھر میں کوئی مقرر جگہ نہ ہو، توگھر میں کسی جگہ کو مسجد قرار دیکر اعتکاف کرے، یہ جگہ اس کے حق میں مسجد جماعت کا حکم رکھتی ہے حتی کہ سوائے حاجت انسانی کے اس جگہ سے نہ نکلے عورت کے لیے مسجد جماعت میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

اعتکاف کے شرائط میں سے روزہ بھی ایک شرط ہے، مگر اعتکاف واجب کے لیے، ظاہر الروایت میں ہے کہ اعتکاف نفل کے لیے روزہ شرط نہیں اور اس کی ادنیٰ مقدار کے لیے کوئی اندازہ نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نکلنے تک کے لیے اعتکاف کی نیت کرلی تو صحیح ہے۔

اعتکاف کے لیے اسلام و عقل اور جنابت (و حیض و نفاس) سے پاک ہونا بھی شرط ہے، اس لیے کہ کافر تو عبادت کا اہل نہیں اور مجنون نیت کا اہل نہیں جنبی اور حیض و نفاس والی ان لوگوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔ اعتکاف کی صحت کے لیے بلوغ شرط نہیں ہے، ہوشیار بچہ کا اعتکاف صحیح ہے۔

اعتکاف کے آداب و محاسن:

مستحب ہے کہ معتکف نیک باتوں کے سوا کلام نہ کرے اور رمضان میں دس روز اعتکاف کرے اور افضل یہ ہے کہ مساجد میں معتکف ہو تلاوت قرآن اور حدیث و فقہ کا پڑھانا اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاک حالات پڑھنا دیکھنا سُننا سُنانا صالحین کے احوال کا ذکر کرنا لازم رکھے۔

اگر ایسی باتیں کیں جن میں گناہ نہیں ہے تو بھی جائز ہے۔ معتکف اپنی جان کو بالکل عبادت الٰہی میں صرف کرتا ہے اور خود کو دنیاداری میں مشغول ہونے سے بچاتا ہے اور اپنے تمام اوقات کو حقیقتہً یا حکماً نماز میں صرف کرتا ہے، کیونکہ اعتکاف کا مقصدِ اصلی نماز کی جماعتوں کا انتظار کرنا بھی ہے۔ نماز کے انتظار کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نماز ہی کا ثواب دیتا ہے۔

مفسدات اعتکاف:

اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی جگہ سے رات یا دن میں کسی وقت بھی بغیر عذر شرعی کے نہ نکلے اگر ایک گھڑی بلا عذر باہر نکلا اعتکاف فاسد ہو گیا خواہ یہ نکلنا قصداً ہو یا

بھول کر۔ عورت اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل کر مکان میں نہ آئے گو کہ اعتکاف کی جگہ گھر ہی کا کوئی گوشہ ہو وہیں رہنا چاہیے ادائے جمعہ کے لیے جامع مسجد جانا جائز ہے۔

حوائج انسانی (بول وبراز) کے لیے نکلنا جائز ہے لیکن ضرورت سے زیادہ وقت خرچ نہ کرے۔ کھانے پینے سونے کے لیے باہر نکلنا نہیں کیونکہ معتکف کے لیے مسجد میں ان باتوں کی اجازت ہے مریض کی عیادت اور جنازہ کی شرکت کے لیے بھی نہ نکلے اگر نکلا اعتکاف فاسد ہو گیا یہ تمام احکام اعتکاف واجب میں ہیں اور اعتکاف نفل میں عذر و بے عذر نکلنا جائز ہے۔

معتکف پر جماع اور اس کے دواعی مباشرت تقبیل، لمس، معانقہ وغیرہ حرام ہیں، احتلام سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے۔

ممنوعات:

خاموشی جس کو معتکف عبادت سمجھے مکروہ ہے اور اگر عبادت نہ سمجھے تو مکروہ نہیں، لیکن معاصی سے زبان کو بچانے کے لیے خاموش رہنا اعظم عبادات ہے۔

معتکف کے لیے بیع اور شراء کھانے کی اور ضروری چیزوں کی جائز ہے، لیکن تجارت کے کاروبار کا جاری رکھنا اور مقام اعتکاف کو تجارت گاہ بنالینا مکروہ ہے۔ معتکف کو خوشبو اور سر میں تیل لگانا جائز ہے۔ اعتکاف واجب کے فاسد ہونے سے اس کی قضا واجب ہو جاتی ہے۔

تراویح:

تراویح کو "قیام رمضان" بھی کہتے ہیں، تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں جماعت کے ساتھ سنتِ مؤکدہ ہیں، اس پر اجماع ہے یہی جمہور اہلِ علم کا مذہب (طریقہ) ہے۔ ہمارے اصحاب اور امام شافعی اور امام احمد سب حضرات کا بیس (۲۰) رکعتوں پر اتفاق ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے چھتیس (۳۶) رکعتیں منقول ہیں کیونکر اہلِ مدینہ اتنی ہی پڑھتے تھے جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جو موطا میں یزید بن رومان سے مروی ہے:

حدیث۱: كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِثَلاَثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً.

ترجمہ: "کہا کہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں لوگ تیئس (۲۳) رکعتوں کے ساتھ قیام کرتے تھے، (۲۰ تراویح ۳ وتر)"۔

بیہقی نے بسند صحیح سائب بن یزید سے روایت کی:

حدیث۲: كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً.

ترجمہ: "حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں لوگ بیس (۲۰) رکعت (تراویح) کے ساتھ قیام کرتے تھے"۔

حدیث۳: أخرج البيهقي عن شُبْرَمَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ.

ترجمہ: "بیہقی نے شبرمہ سے روایت کی اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے وہ رمضان میں امامت کرتے تھے، پس پانچ ترویحہ (۲۰ رکعت) پڑھاتے تھے"۔

حدیث۴: أخرج أیضاً: إِنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ مِثْلَهِ.

ترجمہ: ”نیز بیہقی نے تخریج کی کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ۲۰ رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے اور حضرت عثمان و علی کے زمانہ میں بھی ایسے ہی ہوتا تھا“۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی نے حضرت علی سے روایت کی:

حدیث۵: أَمَرَ رَجُلاً بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ.

ترجمہ: ”حضرت علی نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس (۲۰) رکعت (تراویح امام بن کر) پڑھادیں اور خود علی مرتضیٰ وتر پڑھاتے تھے“۔

حدیث۶: روی البیهقي وابن أبي شيبة وعبد بن حُمَيد والبغوي والبيهقي والطبراني عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِينَ رَكْعَةٍ وَالْوِتْرِ.

ترجمہ: ”ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید اور بغوی و بیہقی و طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس (۲۰) رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے“۔

روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زمانہ اقدس سے آج تک تراویح ۲۰ رکعت پڑھی جاتی ہیں، خلفاء اور صحابہ اور ائمہ سب کا اس پر اجماع ہے مشارق و مغارب میں اس پر عمل ہے۔

عالم مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عمل اہل مدینہ سے تمسک کیا کہ وہ چھتیس (۳۶) رکعت پڑھتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور دو رکعت طواف کی پڑھتے تھے۔ اہلِ مدینہ نے ان کے ساتھ مساوات چاہی اور بجائے ہر طواف کے چار رکعتیں مقرر کیں اس طرح سولہ رکعتیں پڑھائیں اس طرح سب مل کر چھتیس ہو گئیں، (آج کل ایسا نہیں ہوتا)۔ بہر حال ۲۰ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خلفاء راشدین کی سنت ہے اور اس پر سَلَفاً و خلفاً تمام امت کا اجماع ہے۔ سارے عالم کے اہل اسلام اس پر عامل ہیں نفس تراویح سنت بالعین ہے اور جماعت کے ساتھ سنت علی سبیل الکفایہ ہے، یعنی اگر تمام اہلِ محلہ جماعت ترک کر دیں تو وہ سب کے سب تارک سنت اور گناہ گار ہیں اور اگر کوئی ایک شخص جماعت چھوڑ کر اپنے گھر پڑھے تو وہ تارک فضیلتِ جماعت ہے۔

اگر لوگوں نے گھر میں جماعت کی تو ان کو جماعت کی فضیلت تو حاصل ہو گئی لیکن مسجد کی جماعت کو ایک اور فضیلت ہے اس سے محروم رہا، جماعت کے ساتھ صرف پانچ ترویحہ یعنی ۲۰ رکعت پڑھی جائیں جماعت کے ساتھ، اس سے زیادہ رکعتیں پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تراویح میں سنت وقت یا قیام لیل یا قیام رمضان کی نیت کیجائے، نفل یا مطلق نماز کی نیت سے ادائے سنت کے جواز میں اختلاف ہے۔

تراویح کا وقت:

عشاء کے بعد طلوع فجر تک ہے تراویح قبل عشاء جائز نہیں، اگر کسی شخص کا ایک ترویحہ یا دو ترویحے رہ گئے تو اَولیٰ یہ ہے کہ پہلے تراویح پڑھے اس کے بعد وتر۔ تراویح دو دو

رکعت کی نیت سے پڑھنا بہتر ہے ہر دو تراویح کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے بیٹھنا مستحب ہے، ایسے ہی پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بھی، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا قوم پر گراں ہے تو نہ بیٹھے ترویحوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت میں اختیار ہے چاہے تسبیح پڑھیں یا خاموش بیٹھیں۔ تہائی رات سے نصف شب تک تراویح کی تاخیر مستحب ہے اور بعد نصف کے بھی مکروہ نہیں۔

تراویح مردوں و عورتوں سب کے لیے سنت ہے، ایک مقتدی نے دو مسجدوں میں تراویح پڑھی مضائقہ نہیں۔ افضل یہ ہے کہ تراویح ایک امام کے ساتھ پڑھیں اگر دو اماموں کے ساتھ تراویح پڑھی گئی تو مستحب یہ ہے کہ ہر ایک پورا ترویحہ کر کے بیٹھے اور اگر ترویحہ کے درمیان مثلاً ۱۰ رکعت پر ہٹ آیا تو خلاف مستحب ہے یہ بھی جائز ہے کہ فرض ووتر ایک امام پڑھائیں اور تراویح دوسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرض ووتر کی امامت فرماتے تھے اور حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ تراویح کی۔

تراویح کی قضا نہیں، ایک شخص نے عشاء تنہا پڑھی اس کو تراویح امام کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ ایک شخص کی سنت عشاء رہ گئی امام کے ساتھ تراویح میں شریک ہو گیا اور سنت عشاء کی نیت کی جائز ہے۔

تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن سنت ہے قوم کی کاہلی اور سُستی کی وجہ سے نہ چھوڑی جائے اور دو مرتبہ ختم فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے تراویح کی دونوں رکعت میں قراءت برابر کرنا افضل ہے۔ قرآن پاک کے ختم ہونے کے بعد مہینے کے باقی ایام میں تراویح نہ چھوڑی جائے کیونکہ وہ سنت ہے اور ترک مکروہ۔

جو شفعہ (دوگانہ) فاسد ہو گیا اس میں جس قدر قرآن پڑھا گیا تھا شمار نہ کیا جائے گا، نماز کے اعادہ کے ساتھ اسقدر قرآن کا بھی اعادہ کیا جائے۔ ختم قرآن کے بعد جہاں خالی تراویح پڑھی جاتی ہیں یا دیہات میں یہاں حافظ میسر نہیں تراویح میں متفرق آیات پڑھیں، یا سورہ فیل سے آخر قرآن تک پڑھیں، کہ ان کا پڑھنا آسان ہوتا ہے۔

یہ مکروہ ہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں اور جب امام رکوع کے قریب ہو تو کھڑے ہو جائیں یا بیٹھے ہوئے نیت باندھ لیں۔ حافظ کو نماز پڑھنے یا رُکنے کی تلقین لقمہ دینا جائز ہے ہمارے ملک میں بے علم حافظوں کا دستور ہے کہ وہ حافظ کو بہکانے کے لیے کھانستے کھنکارتے یا اور ایسی ہی حرکات کرتے ہیں اور بعض تو اسقدر جری اور بے باک ہیں کہ اس کا وقار کم کرنے کے لیے یا اس کے حفظ کے امتحان کی غرض سے غلط بتا دیتے ہیں، یہ سخت شنیع اور نہایت قبیح حرکتیں ہیں اور قرآن کو غلط پڑھنا یا صحیح پڑھنے والے کو قصداً غلطی میں مبتلا کرنیکی کوشش کرنا عظیم گناہ ہے اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

نابالغ لڑکوں کی اِمامت:

صحیح یہ ہے کہ تراویح بلکہ کسی نفل میں بھی نابالغ کی امامت جائز نہیں، پاک وہند میں یہ غلط دستور ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنا لیتے ہیں اس سے احتراز چاہیے۔

وتر:

یاد رہے کہ وتر کی جماعت صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ وتر واجب ہیں تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ، یہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہیں امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی:

حدیث: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُوْتِرُ بِثَلاَثِ رَكْعَاتٍ.

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

اُم المؤمنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

حدیث: قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلاَثٍ لاَ يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ. (رواه الحاكم وقال: صحيح على شرط البخاري ومسلم).

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت کیساتھ وتر پڑھتے تھے اور تین رکعت کے بعد ہی سلام پھیرتے تھے"۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور کہا کہ یہ شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہے۔

امام طحاوی نے مسور ابن مخرمہ سے روایت کیا:

حدیث: قَالَ: دَفَنَّا أَبَا بَكْرٍ لَيْلاً فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي لَمْ أُوتِرْ فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَصَلَّى بِنَا ثَلاَثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ إِلاَّ فِي آخِرِهِنَّ.

مسور ابن مخرمہ نے کہا کہ ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شب میں دفن کیا پس عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے وتر نہیں پڑھے ہیں پس (وہ سب لوگ کھڑے ہوگئے جنہوں نے وتر نہیں پڑھے تھے) اُنہوں نے ہم کو تین رکعتیں پڑھائیں، اور تین کے بعد ہی سلام پھیرا"۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے مروی ہے: اَلْوِتْرُ ثَلاَثٌ كَثَلاَثِ الْمَغْرِبِ مغرب کی تین رکعتوں کی طرح وتر بھی تین ہیں۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن کا اس مختصر میں نقل کرنا دشوار ہے
وتر کی تینوں رکعات میں فاتحہ اور سورت پڑھی جائے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہی قنوت پڑھیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے انہوں نے عبد اللہ سے انہوں نے علقمہ سے یہ حدیث روایت کی:

قَال: بِتُّ عَنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَنَتَ فِي الْوَتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ.

کہا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب گذاری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (تیسری رکعت میں) رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔

صدقۂ فطر:

صدقۂ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے، جو مقدار نصاب کا مالک ہو بشر طیکہ یہ مقدار حاجت اصلیہ سے فاضل ہو۔ صدقہ فطر نصف صاع (تقریباً سوا دو کلو) گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ایک صاع (۳۵۰ روپیہ بھر) جو یا کھجور ہے آٹا دینا گیہوں سے بہتر ہے اور قیمت دینا سب سے افضل۔ آج کل کے حساب سے تقریباً سو روپیہ ہوتا ہے۔

صدقہ فطر فجر عید کی طلوع کے بعد واجب ہوتا ہے جو اس سے پہلے مر گیا اس پر صدقہ واجب نہیں اور جو اس سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ واجب ہے۔

روز عید سے پہلے بھی صدقہ فطر کا دینا جائز ہے وہ بوڑھا یا مریض جس سے روزہ ساقط ہو گیا ہے صدقہ فطر اس پر بھی واجب ہے۔

مستحب یہ ہے کہ فطرہ عید گاہ جانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے فطرہ اپنا اور متعلقین اور چھوٹے بچے کا (جو مقدار نصاب کا مالک ہو) واجب ہے۔ معتوہ اور مجنون بھی صغیر کے حکم میں ہے۔

زوجہ اور بڑے اولاد کا صدقہ انہی کے ذمہ واجب ہے، شوہر یا باپ پر نہیں اور اگر انہوں نے ادا کر دیا جائز ہے۔ ایک شخص کا فطرہ جماعت کو اور جماعت کا ایک شخص کو دینا جائز ہے فطرہ کے مصرف وہی ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں مسکین فقیر وغیرہ۔ (پاکستان میں عموماً گھر کا سربراہ جو اخراجات کی کفالت کرتا ہے، وہ متعلقین کا فدیہ دیتا ہے لہٰذا وہ فطرہ ادا کرے)۔

عید کے مسائل

سنتیں:

غسل کرنا مسواک کرنا، خوشبو لگانا،(حسب وحیثیت) عمدہ لباس پہننا، عید گاہ کو ممکنہ طور پر پیادہ پا جانا، ایک راہ سے جانا اور دوسری راہ سے واپس ہونا، عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا (اسی بناء پر ہمارے ملک میں سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے) اور عید الضحیٰ میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباحات اور مستحبات:

صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارکباد دینا خوشی کا اظہار کرنا مصافحہ اور معانقہ کرنا، شاہ ولی اللہ صاحب مسویٰ میں امام نودی کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

هكذا ينبغي أن يقال في المصافحة يوم العيد والمعانقة يوم العيد اور اسی میں ہے: كذا مصافحة بل هي سنة عقيب الصلوات كلها، راہ میں تکبیر اللہ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ وللهِ الْحَمْدُ آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

نماز عید:

عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل بالغ مقیم تندرست پر شہر میں واجب ہے گاؤں میں عید اور جمعہ کی نمازیں واجب نہیں، مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں ان میں جمعہ اور عید دونوں کی نمازیں جائز ہیں جمعہ اور عید دونوں کی نمازوں کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں، گو یہ فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عید میں سنت، جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد۔ اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھایا

نماز سے قبل پڑھ لیا دونوں صورتوں میں نماز تو ہوگئی مگر یہ شخص گناہ گار ہوا۔ نماز عید، نمازِ جنازہ پر مقدم کی جائے اور نماز جنازہ خطبہ پر (یعنی: خطبہ کے بعد ادا کی جائے)۔

عید کی نماز کا وقت:

عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بقدر نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آگیا تماز فاسد ہو جائیگی۔

نماز عید کی ترکیب:

نیت: میں نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز واجب عید الفطر / عید الاضحیٰ مع چھ تکبیروں کے اللہ جل جلالہٗ کے واسطے کعبہ رو ہو کر اللّٰہُ اَکْبَر۔ نیت کر کے ہاتھ باندھ لیں اور پورا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھ کر امام کے ساتھ کانوں کی لو تک ہاتھ اُٹھائیں اور اللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اسی طرح تین تکبیریں کہیں پھر ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں امام قراءت کے بعد اسی طرح تین تکبیریں کہے اور ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیں چوتھی صرف مرتبہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑے ہوئے رکوع میں جائیں اور ہاتھ نہ اُٹھائیں، باقی نماز حسب معمول۔

اگر عید گاہ ایسے وقت پہنچے کہ امام نے تکبیروں سے فارغ ہو کر قراءت شروع کر دی تھی تو تم نماز میں شریک ہو جاؤ اور فوراً تکبیریں کہو اور اگر امام کے رکوع میں جانے سے قبل تکبیریں نہ کہہ سکے تو رکوع میں تکبیریں کہہ لو مگر ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔

جس نے امام کو قومہ میں پایا وہ تکبیریں نہ کہہ اس لیے کہ رکعت اولیٰ کو مع تکبیرات قضا کریگا۔

جب امام تشہد پڑھ چکا ابھی سلام نہیں پھیرا ہے یا سلام پھیر دیا ابھی سہو کا سجدہ نہیں کیا ہے یا سجدہ کر لیا لیکن سلام آخر نہیں پھیرا ہے ایسی حالتیں جو شخص پہنچا اس کو چاہیے کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور بعد سلام پھیرنے کے نماز پوری کرے۔

اگر امام عید کی تکبیریں بھول جائے اور قراءت شروع کر دے تو بعد قراءت کے تکبیریں کہے یا رکوع میں کہے جب تک کہ سر نہ اُٹھایا ہو۔ اگر امام تکبیریں چھوڑ دے یا کم کر دے یا زیادہ کر دے یا غیر محل میں کہے اس پر سجدہ سہو کا واجب ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

چند ضروری جدید مسائل

چند ضروری مسائل جو گزشتہ دور میں پیش نہ آتے تھے اب آنے لگے ہیں ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں یہ مسائل حضرت علامہ مفتی منیب الرحمن نے عوام کی آسانی کے لئے مرتب کئے ہیں، جو موصوف کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہیں:

۱) بلڈ ٹیسٹ کے لیے اپنا خون نکلوانے یا کسی شدید ضرورت مند مریض کو خون کا عطیہ (Blood Donation) دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۲) کان میں دوا یا تیل ٹپکانے یا دانستہ پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۳) آنکھ میں دوا ڈالنے یا کسی قسم کا انجکشن لگانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۴) روزے کی حالت میں قَے (Vomiting) آنے کی فقہاء کرام نے چوبیس ممکنہ صورتیں بیان کی ہیں، ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے: (الف) بے اختیار منہ بھر قَے آئے اور اُس میں سے کچھ مواد واپس نگل لے۔ (ب) طبعی مجبوری کے تحت جان بوجھ کر قَے کرے، جسے عربی میں ''استقاء'' کہتے ہیں، اگر ایسی قَے منہ بھر آجائے، تو خواہ واپس حلق میں کچھ بھی نہ نگلے، روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (ج) باقی صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۵) نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبانی نیت کافی نہیں ہے، مستحب ہے۔ لہٰذا اگر رات ہی سے نیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اس صورت میں ان الفاظ کے ساتھ کرے: ''میں اللہ تعالیٰ کے لیے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں''، اور صبح صادق یعنی سحری کے وقت یا

سحری کے بعد کرنا چاہے تو ان الفاظ کے ساتھ نیت کرے: ”میں اللہ تعالیٰ کے لیے آج کے روزہ کی نیت کرتا ہوں“۔

۶) سحری سے پہلے غسل جنابت واجب ہو چکا اور سحر ختم ہونے سے پہلے نہ کر سکا ہو یا دن میں روزے کے دوران نیند کی حالت میں جنبی ہو جائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اجر میں کمی واقع ہوتی ہے۔ البتہ غسلِ واجب کو اتنی دیر تک مؤخر کرنا کہ ایک فرض نماز کا وقت گزر جائے، مکروہِ تحریمی ہے، کیونکہ اس سے نماز قضا ہو جائے گی۔

۷) وضو کے دوران مسواک کرنا عام دنوں میں بھی سنت ہے اور رمضان المبارک کے دوران روزے کی حالت میں بھی سنت ہے، خواہ عصر کے وقت یا عصر کے بعد بھی کرے۔ روزے کی حالت میں برش کے ساتھ دانتوں کو Paste کرنا یا کسی بھی پاوڈر کے ذریعے دانتوں کو صاف کرنا احتیاط کے خلاف ہے اور کراہت کا سبب ہے، لیکن ایسا کرنے سے اگر ذرات حلق میں نہ جائیں تو روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

۸) غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، چغلی کھانا، دوسروں پر بہتان تراشی کرنا اور اُن کی عیب جوئی کرنا، دوسروں کو ایذا پہنچانا، بے ہودہ یا جنسی تلذذ کی باتیں کرنا عام حالت میں بھی منع ہیں اور روزے کی حالت میں ان کی ممانعت و حرمت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ ان باتوں سے فقہی اعتبار سے روزہ فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا، لیکن روزہ مکروہ ہو جاتا ہے اور روزے دار روزے کے اجر کامل سے محروم ہو جاتا ہے۔

۹) روزے کی حالت میں خوشبو استعمال کر سکتے ہیں، بالوں کو تیل لگا سکتے ہیں، اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

۱۰) دَمَہ یا ضیق النفس کا مریض (Asthmamatic) جو آلۂ تنفس (Inhaler) کے استعمال کے بغیر دن نہیں گزار سکتا، تو وہ معذور ہے اور اس کو اس بیماری کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، وہ فدیہ ادا کرے۔ اگر روزہ رکھ لیا ہے اور مرض کی شدت کی بنا پر (Inhaler) استعمال کیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، روزہ رکھنے کی استطاعت ہو تو بعد میں قضا کرے، ورنہ فدیہ ادا کرے۔

۱۱) انتہائی درجے کے ذیابطیس (Diabetese) کے مریض یا ایسے تمام امراض میں مبتلا مریض، جن کو خوفِ خدا رکھنے والا کوئی دین دار ماہر ڈاکٹر مشورہ دے کہ وقفے وقفے سے دوا استعمال کرو، یا پانی پیو، یا خوراک استعمال کرو، ورنہ مرض بے قابو ہو جائے گا اور کسی عضو یا جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسے تمام لوگ معذور ہیں، اُنھیں شریعت نے رخصت دی ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ ادا کریں۔ ایسے لوگ ''دائمی مریض'' کہلاتے ہیں۔

۱۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کا (دو وقت کا) کھانا مقرر کیا ہے، ہر روزے دار اپنے معیار اور مالی استطاعت کے مطابق فدیہ ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص فدیے کی مقررہ مقدار سے خوش دلی کے ساتھ زیادہ رقم دے، تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔

۱۳) اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے دوران مسافر یا عارضی مریض کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے، لیکن یہ بھی فرمایا کہ اگر ایسے لوگ روزہ رکھ لیں، تو یہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ مسافر یا عارضی مریض فدیہ دینے سے نہیں چھوٹیں گے،

بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُنھیں رمضان المبارک کے بعد عذر کی بنا پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہو گی۔

۱۴) حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی عورت اپنی یا بچے کی صحت کے بگڑنے سے بچنے کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑ سکتی ہے، لیکن اس کی تلافی فدیے سے نہیں ہو گی، بلکہ بعد میں قضا روزے رکھنے ہوں گے۔ اسی طرح ایامِ مخصوص (Menses) کے دوران عورت روزہ نہیں رکھ سکتی، ایام ختم ہونے پر غسلِ واجب کر کے پاک ہو جائے اور روزے رکھے، جتنے دنوں کے روزے چھوٹ گئے ہیں، اُن کی تلافی فدیے سے نہیں ہو گی، بلکہ بعد میں اتنے دنوں کے قضا روزے رکھنے ہوں گے۔ (الحمد للہ گذشتہ سال رمضان المبارک ۲۰۱۷ء میں یہ مضمون ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ علیمی)

۶۔ تفرقۂ اقوام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین

مسلمانوں کے شیرازہ کا انتشار، فرقہ بندیاں اور طوائف الملوکی یہی وہ چیز ہے، جس نے آج مسلمانوں کو نکما کر دیا ہے۔ ورنہ تاریخِ اسلام بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک نادار گدا اور شکستہ حال فقیر اپنے رعب وہیبت سے قیصر وکسریٰ کے درباروں میں اعیان وعمّاد کے دل لرزا دیتا تھا۔ تاج ودیہم کے مالک فوج وسپاہ کے والی ایک گدائے اسلام کی چشم تہدید سے نظر مقابل نہیں کر سکتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں یقین تھا کہ یہ تنِ واحد کا ایک عضو ہے، اس کو چھیڑتے ہی تمام عالمِ اسلام حرکت میں آجائے گا اور اس کے برہم ہوتے ہی سب برافروختہ ہو جائیں گے۔ مگر آج بدقسمتی سے وہ روز سیاہ سامنے ہے کہ ہم اس عالمگیر اتحاد کو اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں۔ یہ مناظر سامنے آکر دل پاش پاش ہو جایا کرتا تھا اور بارہا طبیعت میں جوش آتا تھا کہ اس مدعا پر کچھ لکھ ڈالوں، ممکن ہے کہ میری تحریر کسی قلب ودماغ میں جگہ پاسکے اور اس مصیبت عظمیٰ میں کچھ کمی ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ مجھ سے بہتر دل ودماغ والے اس مقصد پر خامہ فرسائی کریں، تو زیادہ نافع ہو، لیکن جب میں نے دیکھا کہ ہمارے سربرآوردہ حضرات نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی، تو ایک مدت کے انتظار کے بعد بتوفیق اللہ تعالیٰ میں نے اس میدان میں قدم رکھ دیا اور اس امید پر کہ میری سبقت سے پیشوایانِ ملت میں کوئی حرکت وارادت پیدا ہو۔ واللہ علیٰ مایشآء قدیر۔

دورِ ماضی کا ایک منظر:

ہمارے آقا و مولیٰ حضور پر نور سیّد عالم ﷺ نے جب عالم افروزی فرمائی، اُس وقت دنیا اس ہادیِ برحق ﷺ کی کیسی محتاج تھی۔ بُرے خصائل اور تباہ کن اطوار و عادات نے دنیا میں کس قدر رسوخ پالیا تھا۔ انسان درندے بن گئے تھے اور ایک کو ایک کھائے جاتا تھا، قتل و غارت، جنگ و جدال، پیشہ بلکہ عادت بلکہ طبیعت بن گیا تھا۔ خونخواری و سفاکی انسان کی ممتاز صفت تھی، دو قوموں میں لڑائی، دو قبیلوں میں لڑائی، دو خاندانوں میں لڑائی، دو گھروں میں لڑائی اور ایک ہی گھر ہوا تو دو بھائیوں میں لڑائی۔ غرض جہاں دو ہوں، وہاں لڑائی۔ انسان بجز لڑائی کے اور کس کام کے لیے ملنے اور اتفاق کرنے سے ناآشنا ہو چکا تھا۔ ہر قوم دوسری قوم سے ٹکرا رہی تھی، ایک قوم ایک خاندان، ایک گھر کے لوگ، باہم اُلجھ رہے تھے، جہاں دو تھے اُن کا ثالث سیف و سناں تھا۔

رحمت عالم ﷺ نے اپنے قدسی انوار و برکات سے اس تاریک ظلمت کدہ کو منور فرما دیا اور اُن لوگوں کی درندہ خصلت زندگی کو اُخوت، محبت، اتحاد و وِداد کی نعمت سے مبدل فرما دیا۔ وہی لوگ جو بے رحمی سے اپنے بھائی کا پہلو چاک کر کے دل و جگر چبالیا کرتے تھے، تھوڑے ہی دنوں میں اس مرتبہ پر پہنچے کہ اپنے دل و جگر فدا کرنے لگے، قوموں کی لڑائیاں مٹ گئیں، تلواریں نیاموں میں آسودہ ہوئیں، جنگی معرکوں اور رزم گاہوں کی گرما گرمی کی بجائے حسنِ معاشرت واختلاط کی مجالس مزین ہوئیں۔ برادر کش، نفس کش بن گئے اور محبت کی نئی لہریں دلوں میں پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے عالم کو ایک نئے سلسلہ میں مربوط کر دیا۔ اسلامی دنیا کا اتحاد ضرب المثل ہوا، پشت ہا پشت کی عداوتیں اُخوت اور دوستی سے مبدل ہو گئیں، قرآن پاک میں اسی احسان کا ذکر فرمایا ہے:

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

ترجمہ: "اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا، اُس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا، تو اُس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔ [آل عمران:۳ (۱۰۳)]

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"۔ اس آیت کریمہ میں برادری کا علاقہ ایمان بتایا گیا ہے، نہ شیخ ہونا، نہ پٹھان ہونا، نہ مغل ہونا، نہ کوئی حرفت، نہ کوئی صنعت، نہ کوئی تجارت، ہر شخص جو مومن ہے اور شرفِ ایمان رکھتا ہے، ایمان دار کا بھائی، حقیقی بھائی، قرآنی بھائی ہے، کوئی حرفہ، کوئی پیشہ، کوئی نسب، کوئی نسل، اس اُخوت اس برادری کو قطع نہیں کر سکتی۔ اسلام کے صدر اوّل میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اُن کے بعد کے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے، تو حرفہ اور پیشہ کے اعتبار پر محبت و مودّت کا مدار نہیں ہے، وہ کسی شخص کو کسی مباح پیشہ کی وجہ سے نظرِ حقارت سے دیکھنا عیب جانتے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا وُرود اور قومی تفرقے:

جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور یہاں اُنھوں نے اپنی سلطنت کے پھریرے لہرائے اور ہندوستان کی عورتیں اُن کی خدمتوں میں پیش کی گئیں اور کثرت سے مسلمانوں کی بیبیاں بنیں، تو گو اُن میں سے اکثر مسلمان ہو گئیں، مگر بہت سی پچھلی عادتیں جو فطری طور پر اُن کی طبیعت ہو چکی تھیں، اُن میں سے باقی رہ گئیں، نیز اپنے اعزّہ سے میل جول اور اختلاط کی وجہ سے ان کے بعض برتاؤ پچھلے چلن کے مطابق رہے۔

ہندوؤں میں قومی تفرقے جو مدت ہائے دراز سے پڑے تھے اور آج تک بھی اُن کا پتا چلتا ہے کہ برہمن اور کایستھ اور بنیاء اور اہیر اور میواتی کسی طرح ایک مطبخ میں جمع نہیں ہو سکتے، ایک دستر خوان پر نہیں کھا سکتے، سلام تک علیحدہ، یہ عادات اُن عورتوں کی وجہ سے اُن کی اولاد کو ترکہ میں ملے اور انھوں نے جات اور کجات کا فرق ہندوؤں سے لے کر اسلامی اتحاد کو قومی فرقہ بندیوں میں تقسیم کیا اور اپنے حقیقی بھائیوں کو نظرِ ذلت سے دیکھنے لگے۔

اگر کسی نے بڑھئی کا پیشہ کیا، لوہے کا کام کرنے لگا، یا کپڑا بُن کر حلال روزی حاصل کی، یا پانی بھر کر پاک روزی بہم پہنچائی، تو یہ اب اس کو 'کمین' کہتے ہیں۔ چاہے وہ دین دار ہو، یا پابند صوم وصلوٰۃ ہو، احکام شرعیہ کا متبع ہو، مگر ہندوانہ مراسم کی تقلید میں اپنے اُس بھائی سے رشتۂ محبت قطع کیا جارہا ہے۔ حیف مسلمان اس نعمت کو چھوڑ رہے ہیں، جس کے ذکر کرنے اور یاد رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور اس بُری خصلت کو لے رہے ہیں جو کفار کے حق میں ایک عذاب ہے۔ (والعیاذ باللہ)

زمانہ کا ایک پلٹا:

زمانہ نے ایک عجیب انقلاب دکھایا ہے، اپنے حسن وخوبیوں کو مسلمان چھوڑ رہے ہیں، اُن کو ہندو اخذ کرتے جاتے ہیں۔ مسلمان ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے بیواؤں کا نکاح عیب سمجھنے لگے، مگر ہندوؤں نے اپنی اس صدہا سالہ رسم کو مٹانے اور اسلام کی اس نافع تعلیم سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کمر ہمت چست باندھی، دیکھئے آج تک کتنی بیواؤں کے بیاہ ہو چکے اور وہ شوہر دار بنادی گئیں اور آج ہندو اس رسم کو مٹانے کے لیے کیسی سرگرم کوششیں کر رہے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے یہاں پردہ تھا اور فضل الٰہی سے ایسا کہ مسلمان عورت کی آواز یا اُس کے زور کی جھنکار یا اُس کے دوپٹہ کا آنچل یا اُس کے پاؤں کی

پہچل تو کیا کوئی دیکھ یا سن سکتا تھا، اس کے نام کا بھی پردہ تھا، دستاویزوں اور کچہریوں میں باپ اور شوہر کے ناموں سے ان کے ذکر کیے جاتے تھے، مگر آہ کہ آج مسلمان نہ صرف پردہ کی طرف سے صرف بے اعتنائی ہی کر رہے ہیں، بلکہ اُس کے خلاف کوششیں کی جارہی ہیں، دھواں دار تقریریں کی جارہی ہیں اور بتدریج پردہ کم ہو رہا ہے۔ نئے تعلیم یافتہ اصحاب "تقلید یورپ" میں ایسے محو اور بے خود ہیں کہ اُنھیں دین ومذہب سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے اور در حقیقت اسلام کے لیے ان کا وجود نہایت مضر ہے، وہ پردہ کو ایک عیب سمجھتے ہیں اور اسلامی غیرت وحمیت کھو چکے ہیں، اپنی بیوی اور بیٹی کو سر بازار، کھلی گاڑی میں لیے پھرنا، سیر گاہوں میں بے باکانہ جانے کی اجازت دینا، غیر مردوں سے ان کے ہاتھ ملوانا فخر جانتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے اسی اندوہناک مصیبت کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے، فرماتے ہیں:

بے پردہ نظر آئیں جو کل، چند بیبیاں اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے: آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟ کہنے لگیں کہ عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

یہ تو ہمارے جنٹلمین جدید تعلیم یافتہ صاحبوں کی لیاقت ہے اور ہمارے نوجوانوں نے تعلیم انگریزی سے جو فائدہ اُٹھایا ہے، وہ اس قدر ہے کہ اُنھیں اپنی خوبیاں عیب معلوم ہونے لگی ہیں اور صدیوں کی پائی ہوئی غیرت وحمیت جس میں ہم ضرب المثل تھے اور دنیا کی کوئی قوم اس صفت میں ہم سے مقابل ہونے کی جرأت نہ کر سکتی تھی، وہ اپنے ہاتھوں ضائع کر رہے ہیں۔

اس کے مقابل ہندوؤں کی حالت قابلِ ملاحظہ ہے، جن کے یہاں پردہ نہ تھا، جن کی عورتیں سرِ بازار نکلتی تھیں۔ عام میلوں میں ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کے مجمعوں

میں دریاؤں پر جا کر نہاتی تھیں، آج جس پردہ کو مسلمان چھوڑتے جاتے ہیں، وہ قدر کے ساتھ لیتے جارہے ہیں، جس مہمان کو بے حرمتی کے ساتھ تم نے اپنے گھر سے دھکے دیئے ہیں، اُس کے قدموں کے نیچے آج وہ آنکھیں بچھا رہے ہیں، ہندو گرل اسکولوں کی لڑکیاں پردہ دار گاڑیوں میں چل رہی ہیں۔ نہانے کے موقعوں پر دریاؤں کے کنارے قناتوں سے پردہ کیا جارہا ہے، اُنھیں انگریزوں کی تقلید وہ سبق نہیں دیتی، جو ہمارے جنٹلمین حاصل کررہے ہیں، کثرت سے پردہ نشین عورتیں برقع پہن کر گھروں سے باہر نکلنے لگی ہیں۔ پردہ کے توڑنے کی ابتدا برقع ہی سے ہوتی ہے۔ پہلے برقع اُوڑھ کر اندھیرے میں تھوڑی دور جانا شروع کیا جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ ترقی ہوتی ہے، تو دن دہاڑے بازاروں کی گشت ہونے لگتی ہے، پھر وقتاً فوقتاً نقاب اُلٹ کر منہ کھولنے کا سلسلہ شروع کردیا جاتا ہے، پھر برقع بھی بار معلوم ہونے لگتا ہے، تو اُسے بھی پھینک کر 'میم صاحب' بن جاتی ہیں۔

مجھے یہ دکھانا ہے کہ برگشتہ بختی کا یہ نتیجہ کہ جو سوچتے ہیں، اُلٹی سوچتے ہیں، نقصان کو نفع سمجھ کر اختیار کرتے ہیں اور نفع کو نقصان جان کر اُس سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے جو خوبیاں تعلیم فرمائیں اور جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان سے کم نصیب مسلمان تو محروم ہوتے چلے جاتے ہیں اور غیر مسلم اقوام اُن کو اپنا شعار بنانے میں شب و روز سرگرم ہیں۔ عواقبِ اُمور اور انجام کار کا عالَم تو خدا ہی جانتا ہے، جو کچھ ہوتا ہے، مگر زمانہ کی رفتار بتارہی ہے کہ مسلمانوں کی یہ بے قید پارٹی اگر اسی چال پر رہی، تو ایک ایک کرکے اسلامی خصائل کو چھوڑتے چلے جائیں گے اور ان پر ایک روزِ سیاہ آجائے گا، جب یہ ملحد ہو کر رہ جائیں گے اور ان کی زندگی کرسٹینوں کی سی رہ جائے گی اور ہندو اگر ایسی ہی ترقی کرتے

رہے، تو اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں گے اور اُن کے حق میں ایک روز سعید آئے گا کہ وہ پابندِ شرع متقی مسلمان ہوں گے۔

غافلو ہوشیار ہو! کیا کر رہے ہو! اپنی گردنیں اپنے ہاتھوں سے نہ کاٹو، وہ امور جو اسلام نے تعلیم فرمائے تھے اور مسلمان اُن کو چھوڑتے اور ہندو اختیار کرتے چلے جاتے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو۔ ان میں بہت بڑا امر 'تفرقہ پردازی' ہے، جس کو قومی فرقہ سازیوں سے ترقی دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ تو قدیم سے ہندوؤں کا تھا، جس کو میں اوپر ذکر کر آیا ہوں، اُن کی قومیں مختلف تھیں، احکام جداگانہ، ماکولات ممتاز، ایک گوشت کھاتا ہے اور ایک نہیں کھاتا۔ ایک شکار کرتا ہے، ایک نہیں کرتا اور طرح طرح کے فرق، جن کی بدولت وہ ایک دوسرے سے مل ہی نہیں سکتے، اُس کا انجام یہاں تک پہنچا کہ اُن کی کثیر تعداد قومیں انسانی زندگی سے محروم ہو گئیں اور اُنھیں اُن کے کتوں کے برابر بھی جگہ نہ مل سکی۔ ایک کُتا ایک جنٹلمین ہندو کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ سکتا ہے، کھانے کے وقت پاس آسکتا ہے، لیکن ایک انسان بھیل یا چمار یا اور کسی ایسی قوم کا نہا دھو کر بھی اُن کی برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ بھانتو، ہبوڑے، سانسیے، بھیل، سنتھال اور پہاڑی قومیں اور کنجر چمار وغیرہ لاکھوں انسان ہندوستان کی زمین میں ہندوؤں کے قومی غرور کی وجہ سے پریشان حال پھر رہے ہیں۔ اُن کو گھر بنا کر آدمیوں کی طرح بسنا میسر نہیں اور کسی محنت، کسی جانکاہی، کسی ریاضت، کسی عمل سے وہ کبھی ہندو عقیدہ میں انسانی شرافت نہیں پاسکتے، وہ ایسے ناپاک ہوئے ہیں کہ تمام عالم کے سمندر بھی اُنھیں دھو کر پاک نہیں کر سکتے۔

ہندوؤں کی چند قوموں کا غرور لاکھوں انسانوں کے ساتھ صدہا برس سے ایسی بے رحمی کا برتاؤ کر رہا ہے کہ وہ آدمی بننے سے بھی مجبور ہیں، کوٹے، بروال، مالی، باغبان شہروں

کے بسنے والے کب ہمت کر سکتے ہیں کہ لالہ صاحب سے ہاتھ ملالیں یا اُن کے چوکے میں قدم رکھ دیں یا اُن کی لوٹیا سے پانی پی لیں، یا اُن کے شوابے میں گھس آئیں، ایک طرف تو وحشیانہ غرور کی یہ بے رحمی، دوسری طرح اسلام کی یہ مساوات کہ اگر کیسا ہی ادنیٰ درجے کا انسان لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے اور طہارت کرکے پاک لباس پہن کر چاہے، تو ہر مرتبہ اور ہر قوم کے مسلمانوں سے بے تکلف مصافحہ کر سکتا ہے، ایک عام مسلمان ایک بادشاہ کی برابر کھڑے ہوکر مسلمانوں کی صف میں مسجد کے اندر نماز ادا کر سکتا ہے اور اس وقت کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہر ملت و قوم کا آدمی ہر پیشہ اور حرفہ کا شخص بڑے سے بڑے عالی نسب دولت مند صاحب منصب مسلمان سے اسلامی مساوات کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اُس سے کوئی فرد اسلام گریز نہیں کر سکتا۔

اسلام کی یہ عدالت، یہ مساوات باعث ہوئی کہ غیر قوموں کے لاکھوں افراد ان میں جذب ہوگئے، مگر وہی زمانہ پلٹا، اپنی خوبیوں کو چھوڑ کر دوسروں کے چلن اختیار کرنا، مسلمانوں نے تو قومی تفرقہ پردازی شروع کی اور اپنے حقیقی بھائیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنا، کبر و نخوت سے کج جانا اور انسانیت کے ساتھ اُن کا 'سلام' تک قبول نہ کرنا حماقت اور بے وقوفی کے لیے اُنھیں ضرب المثل قرار دینا اور جھوٹے قصے تراش کر مضحکے اُڑانا، اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی ہی آستین و دامن کو چاک چاک کر ڈالنا شروع کر دیا۔

اس کے مقابل ہندوؤں نے اپنی صدہا سالہ منافرت کو چھوڑ کر اسلامی اُخوت و محبت سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور آج وہ ہزار سال کی چھوڑی ہوئی اقوام کو بتدریج اپنے میں شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چماروں میں آمد و رفت شروع ہوگئی ہے۔ اکثر مقامات پر اُنھیں اپنے کنوؤں پر بھی چڑھایا جاتا ہے، بعض بعض جگہ لٹیا سے پانی بھی دیا

جانے لگا ہے۔ پاس بھی بٹھائے جاتے ہیں۔ ساتھ بھی لیے پھرتے ہیں، اپنی ہزار ہا سالہ رسم وراہ کو چھوڑ کر اسلامی فراخ دلی سے کام لے رہے ہیں۔ یہی چیز ہے، جو آج شدھی اور سنگٹھن کے ناموں سے ہندوؤں کی قوت اور اکثریت کو بڑھا رہی ہے۔ ارتداد کے لیے جو مشن کام کر رہے ہیں، وہ دنیا کو اپنے مذہب کی حقانیت دکھا کر اپنی طرف دعوت نہیں دیتے ہیں، نہ اپنی سچائی اور راست بازی کا ثبوت دے کر کسی حق جو اور صداقت طلب کو اپنے میں ملاتے ہیں، نہ اپنی مذہبی کتاب کے علوم اور اُس کی روحانی تاثیرات کی کشش سے اپنے مذہب کو ترقی دے سکتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں ہے، اسلام کی تعلیم کا ایک مسئلہ جس پر مسلمانوں نے عمل چھوڑ دیا تھا، وہ لے اڑے ہیں اور اسی ایک نسخے سے کیمیا بنا کر تونگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اسلامی اُخوت تو اسلاف کرام اور پچھلے بزرگوں کا تذکرہ ہے، جس کی لذت سے ہمارے کان وزبان آشنا نہیں، مگر آج ہندو مسلمانوں کی اُس پاکیزہ اور مؤثر تعلیم کو اپنے گھر میں رواج دے کر آغوشِ محبت کھول کر ذات پات کا فرق اور قومی غرور کے افسانے بھول کر ہزار ہا برس کی چھوٹی ہوئی قوموں کو سینہ سے لگا کر اپنی جماعتی طاقت بڑھا رہے ہیں اور اُنھیں کو بہکا کر مسلمانوں سے لڑا رہے ہیں۔ آئے دن جو مسلمانوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں، اُن میں بیشتر اور اکثر حملہ آور ہندوؤں کے یہی مہمان ہوتے ہیں، جن کے لیے ابھی ابھی دستر خوان بچھایا گیا ہے اور جنھیں ہزار ہا برس کے بعد آج پہلی مرتبہ اونچی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ ملنے اور بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ اس نئی عزت سے جو اُن کے دل میں اُمنگیں پیدا ہوئی ہیں، جو حوصلے بڑھے ہیں، جو سرور پیدا ہوا ہے، جس کے خمار میں مست ہیں، اُس نے اُنھیں بے خود بنا دیا ہے اور وہ ہندوؤں کے زیرِ کمان اُن کے اشارہ کے ساتھ مسلمانوں اور بے خبر مسلمانوں پر بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنے تحفظ کا

کوئی سامان نہیں ہوتا۔ مسلمان مارے جاتے ہیں، مسجدوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے، قرآن پاک کے ساتھ بے ادبیاں ہوتی ہیں اور یہ نئے بہادر دل کھول کر ستم آرائیاں کرتے ہیں، ہندو جنگ سے پہلے حکام کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا لیتے ہیں، ان کی طرف سے خوف اور خطرے کا اظہار کر کے حکام کو بدگمان کر لیتے ہیں، جس وقت ان کا یہ خونی لشکر مسلمانوں کو تاراج کرتا ہے، ہندوؤں کی حکام رس جماعتیں حکام کے پاس دوڑ جاتی ہیں اور اُلٹی مسلمانوں کی شکایت کرتے ہیں اور فریاد فریاد پکار کر ظالم ہندوؤں کو مظلوم قرار دیتے ہیں، حکام پہلے ہی سے بدگمان ہوتے ہیں اور اب فریادی بن کر بھی ہندو ہی اُن کے سامنے آتے ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کوئی عرض حال کرنے والا نہیں ہے، اُن کے امراء ورؤساء غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہندوؤں کی دوستی کی رعایت اُنھیں اُن بے کسوں مظلوموں کی ترجمانی نہیں کرنے دیتی، حکام غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں اور حکومت کے ایوان سے مظلوم مسلمان سزا پا جاتے ہیں۔

گورنمنٹِ ہند سے استدعا[۱۴۱]:

میں گورنمنٹِ ہند کو توجہ دلاتا ہوں، رعایا کی حفاظت اور ان کی دادرسی حکمرانوں کا فرض اولیں ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کی قلم رو میں بہ لحاظ تعداد دو بڑی قومیں آباد ہیں، ہندو اور مسلمان۔ ان میں ایک کی تعداد کثیر ہے۔ دوسرے کی اس سے چہارم، پہلی قوی ہے، دوسری نہایت کمزور۔ پہلی میں نظم وارتباط ہے، دوسری میں کمال بے نظمی وانتشار۔ پہلی میں ہر ایک فرد دوسرے کا معین ومددگار ہے۔ دوسری میں بھائی بھائی کا دشمن اور

---

[۱۴۱] یہ تحریر تقسیمِ ہند سے پہلے کی ہے، جب حکومت پر انگریز قابض تھے۔ (مرتب عفی عنہ)

خونخوار، پہلی مالدار ہے اور دوسری نادار۔ پہلی حکام رس ہے اور دوسری بے زبان۔ پہلی کا عنصر حکومت کے ہر دفتر میں کثرت سے ہے اور اپنی قوم کی ہر ممکن اِعانت کے لیے ہر وقت مستعد اور دوسری قوم کے افراد حکومت کے محکموں میں برائے نام ہی حالتوں میں۔ پہلی قوم دوسری قوم کو کھائے جارہی ہے اور دوسری قوم کی بے کسی اس درجہ ہوگئی کہ وہ فریاد کے لیے بھی آواز نہیں اُٹھاسکتی۔ شکایت کرنے میں بھی ہمسایہ کے ظلم سے ڈرتی ہے۔ ان کی کثیر تعدادیں ہندوؤں کے ہاتھ سے ظلماً ماری جاتی ہیں، مگر اُنھیں مقدمہ میں کامیابی نہیں ہوتی۔ ہندوؤں کے سنگھٹن اور اتحاد کی حالت میں ہندوؤں میں سے اُنھیں سچے واقعات کی شہادت دینے والا میسر آجانا تو محال ہے، لیکن قرض وغیرہ طرح طرح کے ہندوؤں کے وہ دباؤ ہیں، جن کی وجہ سے کوئی مسلمان بھی مسلمانوں کی مصیبت کا اظہار ہندوؤں کے مقابل حکومت کے سامنے نہیں کر سکتا، بلکہ بجائے اس کے ہندوؤں کے اثر مسلمانوں کو ان کے موافق اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی شہادتوں پر مجبور کرتے ہیں اور روداد مسل پر فیصلہ کرنے والے حکام غلطی میں مبتلا ہو کر مظلوم مسلمانوں کو سزائیں دے ڈالتے ہیں۔

آج سے پہلے بھی دنیا میں غالب قوموں نے کمزوروں پر دست تطاول دراز کیا ہے لیکن پچھلے سلاطین کے عدل وانصاف کے تذکرے جو سننے میں آتے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومتیں مظلوم و مجبور کی کمزوریوں کو محسوس کر کے چیرہ دست ظالم کی اپنے اثر سے حاصل کی ہوئی شہادتوں پر اعتماد کر کے اپنی مظلوم رعایا کی گردنیں نہیں مار دیتے تھے، بلکہ وہ انصاف کے کارنامے دکھانے کے لیے اپنی قابلیت اور عدالت گستری کی یادگار تاریخ میں چھوڑنے کے لیے اپنے بیدار دماغی سے کام لیتے تھے اور سچے واقعات تک پہنچنے کے لیے اپنی تفتیش اور تحقیق کے بہترین ذرائع کام میں لاتے تھے اور فریب اور ملمع کاری

کے تمام پردے جو غلبہ پایا ہوا ظالم بتاتا تھا، اپنی حاکمانہ قوت سے چاک کرڈالتے تھے۔ جھوٹے گواہوں کی کذب بیانی کا وہ افشاءِ راز کرتے تھے کہ پھر دنیا کو جھوٹی گواہی دیتے خوف معلوم ہونے لگتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ جو میں نے سُنا ہے، ذکر کرتا ہوں۔

ایک پٹھان اور ایک ہندو کا معاملہ:

ایک پٹھان نے ضرورت کے وقت طلائی کنگن ایک ہندو صرّاف کے پاس دو سو روپیہ میں رہن کیے۔ ہندو صّرافوں اور بنیوں کا عام دستور ہے کہ وہ مسلمان کو ایک پیسا بھی دیں گے، تو ضابطہ کی تحریر لیں گے مگر ان کے پاس کیسا ہی قیمتی زیور رہن رکھا جائے، کبھی رسید نہیں دیتے۔ ضرورت مند مسلمان اپنا قیمتی مال تھوڑے سے روپے لے کر ان کے اعتبار پر حوالہ کر آتا ہے۔

اسی رسم پر خان صاحب بھی لالہ صاحب کے پاس وہ کنگن رکھ آئے، ضرورت رفع ہونے کے بعد جب ان کے مواضعات سے فصل کی آمدنی وصول ہوئی، تو روپے لے کر لالہ صاحب کے پاس پہنچے، روپے گن دیئے، سود دے دیا اور لالہ صاحب سے کہا کہ میرے کنگن عنایت کیجئے، لالہ صاحب نے کہا کہ خان صاحب کنگن تو ساہن پہن کر ایک شادی میں گئی ہیں، تین روز کے بعد آئیں گی، جب ملیں گے۔ اعتبار نہ ہو تو آپ روپے واپس لے جائیں۔ خان صاحب کی چشم مروت لالہ صاحب کو کب بے اعتبار کہنے کی اجازت دیتی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ لالہ صاحب کچھ پروا نہیں ہے، روپے رکھئے اور کنگن آپ تین نہیں چار روز کے بعد دے دیجئے، اعتبار نہ ہوتا تو میں بے تحریر وہ کنگن آپ کو دے ہی کیوں جاتا۔

خان صاحب روپے دے کر مکان تشریف لے گئے اور لالہ صاحب کے وعدہ پر ایسے مطمئن ہوئے کہ بجائے تین روز کے پورے ایک ہفتہ کے بعد لالہ صاحب کے پاس

آئے۔ آج لالہ صاحب نے یہ کہہ دیا کہ خان صاحب میں بہت پریشان ہوں، میرے گھر کے لوگ جو شادی میں گئے تھے وہاں جاکر بیمار ہو گئے، کل خط آیا ہے، آج تو نہیں کل میں جاؤں گا اور پرسوں انہیں لاؤں گا، چوتھے روز کے بعد آپ کے کنگن آپ کو مل جائیں گے۔ سادہ لوح خاں صاحب بنئے کی باتوں پر اعتبار کر کے پھر خاموش چلے آئے۔

اور پھر ایک ہفتہ بعد انہوں نے لالہ صاحب سے تقاضا کیا، لالہ صاحب نے پھر کوئی حیلہ کر دیا۔ اس وقت خان صاحب کو کچھ شک پیدا ہوا اور انہوں نے کہا کہ لالہ صاحب جب تک کنگن آئیں، اس وقت تک روپیا رکھنے کی کوئی وجہ نہیں، وہ مجھے دے دیجئے۔ اب تو لالہ صاحب انکار کر گئے اور انہوں نے شور مچادیا کہ قریب کے صراف دوڑ پڑے، پوچھا کیا معاملہ ہے، خان صاحب کہتے ہیں کہ میں کنگن رکھ گیا ہوں، اس کے بدلہ کا روپیا اور سود لالہ صاحب کو دے گیا ہوں، یہ کنگن نہیں دیتے۔ لالہ صاحب کہتے ہیں کہ بدنیت پٹھان مجھے لوٹنا چاہتا ہے، ہر صراف خان صاحب کو شرمندہ کرتا ہے اور کہتا ہے آپ ایسے نادان تھے، بھولے تھے کہ بغیر کنگن لیے روپیا دے گئے۔ کنگن رکھنے کا ثبوت کیا ہے، کوئی تحریر لایئے گواہ پیش کیجئے۔ تحریر تو لکھائی نہ تھی، کہاں سے لائیں، کنگن ضرور تاًرہن رکھے تھے، اس کے ظاہر کرنے میں شرم آتی تھی، کسی کو مطلع کرنا گوارہ نہ تھا، لالہ کو تنہا دیکھ کر ان کے پاس رہن رکھے گئے تھے، گواہ کہاں سے لایا جائے۔ بے وقوف بن کر واپس آگئے، بازار میں جھوٹے اور جعل ساز مشہور ہوئے، ہر دوکان پر ان کی چالاکی کا تذکرہ ہوا، راستوں میں ان کی طرف انگلیاں اٹھائی جانے لگیں، مگر خاں صاحب کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔

وہ پٹھان اپنے داد گستر حاکم کے پاس پہنچے اور اُس کو حقیقتِ حال پر مطلع کر کے داد خواہی چاہی۔ عالی دماغ حاکم نے خان صاحب سے کہا کہ آپ دعویٰ دائر کر دیجیے، لیکن اگر آپ کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا، تو میں آپ کو بہت سخت سزا دوں گا، خان صاحب نے دعویٰ دائر کر دیا۔ لالہ صاحب کچہری میں طلب کیے گئے، بیان ہوئے، لالہ صاحب نے کہا کہ خان صاحب اپنے کنگن لے گئے اور براہِ چالاکی بدنیتی کے ساتھ انہوں نے دعویٰ دائر کر دیا ہے، چھ سات گواہ بھی طلب کرا دیے جن میں اکثر ایسے مسلمان تھے، جو خود یا ان کے عزیز لالہ صاحب کے قرض دار تھے، دھڑلے سے گواہیاں گذر گئیں اور جھوٹے گواہوں نے دلیری کے ساتھ بیان کر دیا کہ ہمارے سامنے لالہ صاحب نے خان صاحب کو کنگن دے دیے ہیں اور خان صاحب لے کر چلے گئے۔

شہادتوں کے درمیان ہی میں بیدار مغز حاکم نے لالہ صاحب سے اُن کے ہاتھ کی انگوٹھی طلب کی اور ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کی معرفت میرے لیے بھی ایسی انگوٹھی تیار ہو سکتی ہے؟ لالہ صاحب نے بخوشی فرمایا کہ آج ہی۔ حاکم نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں، تو میں مکان بھیج کر اسے پسند کرالوں، اگر یہ انگوٹھی پسند آگئی، تو آپ کو اس قسم کی انگوٹھی بنوانے کی تکلیف دی جائے گی۔

لالہ صاحب نے اجازت دی اور حاکم نے کھانے کے کمرے میں جا کر اپنے اردلی کو وہ انگوٹھی دی کہ لالہ کے گھر جاؤ اور یہ کہو کہ لالہ کنگنوں کے مقدمہ میں پھنس گئے، اُنھوں نے کہا ہے کہ میری رہائی کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ خان صاحب کے کنگن واپس کیے جائیں، اس لیے خان صاحب والے کنگن نکلوا دو اور نشانی کے لیے لالہ کی یہ انگوٹھی موجود ہے، دیکھ لو۔ بنہنی نے لالہ کی انگوٹھی پہچان لی اور کنگن اردلی کے

حوالے کر دیے۔ وہ کنگن ایک رومال میں لپیٹ کر اردلی نے حاکم کی خدمت میں حاضر کیے اور لالہ صاحب کی انگشتری بھی اُن کو دی۔

حاکم نے لالہ سے کہا کہ آپ کی انگشتری پسند نہیں آئی، اس لیے واپس کی جاتی ہے، مگر ابھی ٹھہریے اور گواہ بھی یہیں حاضر رہیں۔ اب اُنھوں نے شہر کے پانچ رئیسوں کو رقعے لکھے کہ ایک جوڑی کنگن تھوڑی دیر کے لیے بھیج دیے جائیں۔ ایک گھنٹہ میں پانچ جوڑی کنگن آ گئے۔ تمام کنگن میز پر رکھ کر لالہ صاحب اور اُن کے گواہوں کے سامنے حاکم نے کہا کہ خان صاحب ان کنگنوں میں سے اپنے کنگن پہچان لو۔ خان صاحب نے اپنے والے ہی کنگن اُٹھا لیے۔ لالہ صاحب کو اس دھوکہ کی پاداش میں تین سال اور گواہوں کو سات سات سال کی سزائیں دے کر عدل وانصاف کا ایک عجیب وغریب کارنامہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ضرورت ہے کہ موجودہ حکومت اس قسم کی بیدار مغزی سے کام لے اور اپنی دماغی قابلیت سے اصل واقعات وحقیقت تک پہنچ کر ظالم اور مظلوم کا انصاف کرے، ورنہ اگر زبردست قوم کمزور کو کھا گئی، تو یہ آئندہ زمانہ کی تاریخ میں موجودہ حکومت کے لیے ایک نہایت بدنما دھبا ہو گا اور یقیناً وہ قوم جو ہمسایوں پر ہاتھ صاف کر کے مشاق بہم پہنچا رہی ہے، گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے میں بھی اپنا پورا زور صرف کر دے گی اور اگر ابھی سے اُس کے دست تظلم کو نہ روکا گیا اور اس کا ظلم وجفا کا سیلاب بڑھتا ہی رہا، تو آئندہ اُس کا قبضہ میں لانا دشوار ہو جائے گا۔

تناسب تعداد کے لحاظ سے ایوانِ حکومت میں جگہ دینا، موجودہ گورنمنٹ کا اصول ہے، لیکن یہ ضرور غور طلب ہے کہ اس اصول کا اثر قلیل تعداد والے پر کیا پڑے گا،

جس کی تعداد زیادہ، قوت زیادہ، اُسی کا حکومت میں دخل اور اثر زیادہ پھر ایسا موقع پا کر بھی وہ اپنے کمزور دشمن کو فنا نہ کر دے۔ یہ کیونکر ہو مسلمانوں کی تعداد کم اور بقدر تعداد بھی وہ جگہ نہیں پاسکتے، ایسی حالت میں اُن کے واسطے تحفظ کی راہیں مسدود ہیں، مسلمان غریب ہیں اور حکومت نے اسلحہ رکھنے کے لیے مالیت کی قید لگائی ہے، اس لیے بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمان بالکل خالی ہاتھ رہتے ہیں اور جب ہندوؤں کو حملہ کرنا ہوتا ہے، بے دریغ مسلمانوں کو بندوقوں کا نشانہ بنادیتے ہیں اور اپنے قانون داں طبقہ اور دفتری اکثریت کی بدولت قانونِ حفاظت خود اختیاری کی آڑ میں اپنے حملہ کو جائز قرار دے کر اپنے گھر میں چین سے بیٹھے رہتے ہیں، ہر قسم کی طاقت و قوت وشورش کے باوجود سنگٹھن کی کوششیں جاری ہیں۔ حربی فنون کی مشقیں ہو رہی ہیں اور بھوکے پیاسے، نہتے، بے بس، بے کس، کمزور اور قلیل التعداد مسلمانوں سے خوف کا اظہار کیا جاتا ہے جنھیں اپنی مصیبت کا اظہار کرنے کی بھی جرأت نہیں، ایسی حالت میں اگر گورنمنٹ واقعات کی تحقیق اور ظالم و مظلوم کی تفتیش کے لیے خاص توجہ مبذول نہ کری، تو باسباب ظاہر تھوڑے دنوں میں اُس کی حکومت کا تعلق ہندوستان میں صرف ایک ہی قوم سے رہ جائے گا اور اس کے جو نتائج ہوں گے، اُن پر گورنمنٹ کو خود غور کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کا فرض:

اس وقت کی نزاکت اور ملکی فضا کو دیکھ کر مسلمانوں کو اپنے حفظ و بقا کے لیے اپنے نظم کا درست کرنا اور پراگندگی کو ہٹانا لازم تر ہو جاتا ہے، بغیر اس کے وہ اپنی زندگی قائم نہیں رکھ سکتے اور یہ طریقِ عمل آج ہی نہیں تجویز کیا جاتا، بلکہ اسلام کی تعلیم میں ابتدا ہی سے اس کی ہدایت کی گئی ہے۔ دو آیتیں اوپر پیش کی جاچکی ہیں۔ حدیث شریف میں حضور

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح سے ہیں“۔
دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ۔
ترجمہ: ”مسلمان وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے“۔اس زرین اصول پر عمل کیا جائے تو کروڑوں مسلمان یک دل یک خیال یک زبان ہوں اور دنیا اُن کے وقار کو عزت کی نگاہ سے دیکھے۔

ایک اور حدیث شریف میں جو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ عزوجل روز قیامت فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے لیے محبت کرنے والے، آج میں اُنھیں اپنے سایۂ رحمت میں عزت وکرامت کی جگہ عطا فرماؤں گا“۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ ”اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو اللہ کے لیے محبت کرنے والے ہیں، اُنھیں روز قیامت نور کے منبر عنایت کیے جائیں گے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے، یا ملنے جاتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: تیرا چلنا مبارک، تو نے جنت میں گھر بنالیا۔

ترمذی ہی میں مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ جب مرد (مسلمان) اپنے بھائی مسلمان سے محبت کرے تو اُسے مطلع کردے (تاکہ طرفین میں محبت زیادہ ہو)۔

بیہقی نے ابورزین سے روایت کیا کہ جب آدمی اپنے مسلمان بھائی سے ملنے کے لیے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ اس کے حق میں دعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بے شمار احادیث ہیں، جن میں آقائے نامدار سرکارِ ابد قرار ﷺ نے مسلمانوں کو باہمی محبت کا امر فرمایا، اُس کے برکات سے مطلع کیا۔ رب عزوجل کی رضا وخوشنودی اس میں بتائی۔ کاش آج مسلمان اس حقانی وربانی تعلیم سے بہرہ مند ہوتے۔ افسوس بجائے اس کے کہ ہم یک دل ہوں یک زبان ہوں، ہم میں اخلاص وایثار ہو، محبت وودادا ہو، انس واُلفت ہو۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوں، اپنے بھائی کی تعظیم وتوقیر بڑھانے کی فکر میں رہیں، اسی میں اپنی عزت جانیں، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب ملحوظ رکھیں، کیونکہ حضور سرورانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں"۔ مگر ہم نے بغض وعداوت، کینہ وعناد، رشک وحسد، ایذا، رسانی، ستم رانی، جفاکاری، دل آزاری وغیرہ خصلتوں کا انبار جمع کرلیا ہے اور اُس سب کا مصرف اپنے مسلمان بھائیوں ہی کو سمجھا ہے۔ ان کی ترقی ان کی خوش حالی ہم سے نہیں دیکھی جاتی۔ آہ! کیا بلا ہے، ہم اپنے خود دشمن ہو رہے ہیں، اپنا وقار اپنے ہاتھوں خاک میں ملا رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں اور حقیقی بھائیوں کے ساتھ دشمن کا سا سلوک کررہے ہیں۔ ہم نے مسلمانوں کو قوموں میں تقسیم کرکے اسلامی اتحاد کو چکنا چور کردیا ہے۔ شریعت تاکید فرماتی ہے کہ مسلمانوں سے محبتیں بڑھاؤ، اتحاد کو ترقی دو، مگر ہم 'قوم قوم' کرکے علیحدہ علیحدہ فرقے بناتے جارہے ہیں اور سرور انبیاء ﷺ کے احکام سے آنکھیں میچ کر نشۂ غرور میں سرشار ہیں۔ اب میں یہ بھی بتاؤں کہ مسلمانوں کو چھوڑنا، اُن سے محبت قطع کرنا، ایسا طریق عمل اختیار کرنا، جس سے اتحاد کمزور ہو، شرعاً ممنوع اور اس کی ممانعت پر تاکیدیں وارد ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "آدمی کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، جب دونوں ملیں، یہ اُس سے منہ پھیرے اور وہ اُس سے اعراض کرے، ان دونوں میں بہتر وہ ہے، جو سلام کے ساتھ ابتدا کرکے صلح کے لیے پہلے قدم بڑھائے"۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "تم بدگمانی سے بچو، بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔ حسد، بغض، عیب چینی، عیب جوئی، غیبت نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی ہو جاؤ"۔

مسلم شریف کی حدیث ہے، حضور فرماتے ہیں:"لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ دو مرتبہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پیش ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ہر ایماندار بندے کی مغفرت فرماتا ہے، سوائے ان دو بندوں کے جن میں آپس میں عداوت ہو۔ اُن کے حق میں فرمایا جاتا ہے: اِنھیں تا صلح چھوڑ دو"۔

ابو داؤد شریف کی حدیث میں حضور سے مروی ہے: "جس نے اپنے بھائی کو ایک سال چھوڑ دیا، گویا اس نے اس کو قتل کر دیا"۔

ترمذی نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کیا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمھیں روزے صدقے نماز سے افضل درجہ والی چیز کی خبروں، صحابہ نے عرض کیا: ہاں!، فرمایا: مسلمانوں سے مابین صلح کرادینا اور آپس کا فساد مہلک ہے"۔

آمَنَّا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ حق فرمایا، بے شک روزے، صدقے، نماز سے آدمی اپنی عاقبت درست کر لیتا ہے، لیکن دو مسلمانوں کے درمیان صلح کراکے قوموں کے فساد،

خاندانوں کی لڑائیاں، قتل وخونریزیاں، اموال کے ناجائز تصرفات، حقوق کا اتلاف، منہیات کا ارتکاب روکا جاسکتا ہے۔ دو آدمیوں میں لڑائی بے شمار مفاسد کی بنیاد ہے۔

امام احمد وترمذی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہیں بھی پچھلی اُمتوں کی بیماری لگ گئی، یعنی حسد اور عداوت یہ مہلک اور دین کو تباہ کرنے والی ہے“۔

ابو داؤد کی حدیث میں فرمایا: ”حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو ایسا کھاجاتا ہے، جیسے لکڑی کو آگ“۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اُسے دھوکا دے، اُس پر لعنت“۔

مسلمانوں کے ساتھ بد سلوکی یا بے مہری ہجران و قطع محبت کی ممانعت میں بڑی بڑی کیدیں وارد ہیں اور احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا مسلمان بھائی کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آنا، حضور سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک پر بہت ناگوار گزرتا ہے۔ مسلمانو! للہ ان خصلتوں کو چھوڑو، قومی تفرقوں نے تمہیں مٹاڈالا، تم ان تفرقوں کو مٹاڈالو۔ مسلمانوں کو ذلت کی نگاہوں سے نہ دیکھو، وہ گرے ہوں، تو اُنھیں اٹھاؤ، بگڑے ہوں تو سنبھالو، بھائی جانو اور بھائی کا سابرتاؤ کرو، جب تک وہ دین پر قائم ہوں، جب تک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں، تمہارے بھائی ہیں، محبت ومودت کے مستحق ہیں، اس آقاعلیہ السلام کی غلامی ہر رشتہ سے قوی تر رشتہ ہے۔

حرفے اور پیشے:

عام طور پر آدمی کے اسبابِ معیشت چار حصوں میں منقسم دیکھے جاتے ہیں:

(۱)۔ زمین داری، (۲)۔ تجارت، (۳)۔ صنعت و حرفت، (۴)۔ ملازمت۔

زمین داری ایک بڑی نعمت اور نہایت عمدہ وجہِ معاش ہے جس میں آدمی محنتی اور دین دار ہو، تو نیک نامی اور عزت کے ساتھ اطمینان و آسائش کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں دوسروں کے حقوق کا لحاظ اور معاملات کا شرعی طور پر انجام دینا اور فراخ سالی اور تنگ سالی وغیرہ تغیرات اور دیگر آفات سماوی اور قوانین حکومت وغیرہ تمام امور کے ہجوم میں مستقل رہنا اور حق سے قدم متجاوز نہ کرنا، ہمت اور استقلال والوں کو بتوفیقِ الٰہی میسر ہوتا ہے۔ ورنہ بالعموم زمین داروں کی گردنوں میں مخلوق خدا کے حقوق اور شرعی مواخذات کے اتنے طوق پڑے ہوتے ہیں، جنھیں آنکھ والا دیکھ کر گھبرا اُٹھتا ہے۔

اس کے علاوہ زمین داری ایسی اختیاری چیز نہیں، جس کو ہر شخص اپنی وجہ معاش قرار دے لے۔ زمین داروں کا ہاتھ آنا تو کجا، آج مسلمان زمین داروں کو باپ دادا سے پہنچی ہوئی اور بے محنت ملی ہوئی جاگیریں اپنے قبضہ میں رکھنا دشوار ہو رہا ہے اور قریب قریب کل کی کل زمین داری مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے اور قدرے قلیل جو باقی ہے، وہ جانے کو تیار ہے، کفالتوں کے بار بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اس کی طرف بھی مسلمانوں کو توجہ لازم ہے کہ وہ اپنے خرچ کم کر کے محنتیں اُٹھا کر جس طرح بھی ہو سکے، ہر شخص کچھ نہ کچھ مقدار زمین کی خریدے خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو، مگر اس کی ساری عمر زمین خریدنے اور اولاد کے لیے چھوڑ جانے سے خالی نہ گزرے۔ ایسا کیا تو مسلمانوں کو ملک میں وقار کے ساتھ

رہنے کا حق ہو گا، یہ تو مشورۂ نیک کے طور پر عرض کیا گیا۔ بحث مجھے صرف اتنی بات سے ہے کہ زمینداری اگرچہ بہت عمدہ وجہ معاش ہے مگر اختیاری نہیں، جسے خدا میسر کرے اُس کے لیے ہے، پھر اس کو بھی سلیقہ اور خوبی کے ساتھ انجام دینا کارے دارد۔

زمین داری کے بعد **تجارت** ایک چیز ہے اور یہ وہی چیز ہے جو ابتداء سے مسلمانوں کی عام وجہ معاش رہی ہے۔ دنیا کی جس قوم نے تجارت ہاتھ میں لی، وہ ترقی کے میدانوں میں دوسری قوموں سے سبقت لے گئی۔ افسوس ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے ساتھ دلچسپی نہیں لی، بلکہ اس کو اپنے لیے 'عار' یا 'ننگ' سمجھ لیا اور جس طرح کوئی جاہل یا مسخرہ کریلے سے اور کوئی شلجم سے چڑتا ہے، اس طرح یہ لفظوں کے 'وہمی ہوّے' بنا کر تجارت سے چڑنے لگے۔ اب دنیا میں اُن کے لیے تجارت نہیں ہے، کپڑا بیچیں تو 'بزاز' بننا چڑ ہے، غلہ فروخت کریں، تو 'بنئے' کہلانے سے عار ہے۔ سبزی بیچیں، تو 'کونجڑے' کہلائیں، شیرینی کی تجارت کریں، تو 'حلوائی' ہو جائیں، سونا چاندی لے کر بیٹھیں تو 'صرافی' کا بٹا لگے۔ غرض اُن کے لیے تجارت کا ہر دروازہ ناموں کے وہمی خوف اور فرضی عار و ننگ کی فوجوں نے بند کر رکھا ہے، وہ تجارت میں اپنی اہانت جانتے رہے، یہاں تک کہ دنیا کی قومیں ترقی کر کے دولت وثروت کی مالک بن گئیں اور یہ گداگری کے لیے اُن کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو گئے۔ مگر تجارت سے مانوس نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔

اب بھی آنکھیں کھولیں اور ہوش میں آئیں، تجارتیں ہاتھ میں لیں، بڑا سرمایہ میسر نہ آئے تو چھوڑے پیمانہ پر شروع کر دیں۔ دانہ زمین میں پڑتے ہی شجر بار آور نہیں بن جاتا، پودے ہی ترقی کر کے تن آور درخت بنتے ہیں۔

آدمی پہلے بچہ ہی ہوتا ہے، اسی حالت سے ترقی کر کے شیر افگن جوان بنتا ہے، چھوٹی تجارتیں بڑھتے بڑھتے بڑی اور بہت بڑی ہو جائیں گی، لیکن شروع ہی نہ کی گئیں، تو کیونکر ہوں گی، تجارت میں نیک نیتی، دیانت، صدق معاملت اور ممنوعات سے بچنا ضرور ہے اور ایسا کرنے سے برکت ہوتی ہے اور آدمی جلد فائز المرام ہو جاتا ہے۔ لیکن کتنا بھی قلیل ہو تجارت کے لیے کچھ نہ کچھ سرمایہ ضروری ہے، بغیر سرمایہ کے تجارت نہیں ہو سکتی۔

تیسرا طریق معاش حرفت اور پیشہ ہے، اس کے لیے نہ بزرگوں سے ورثہ میں جائیدادیں پانا درکار، نہ سرمایہ ضرور، بے مایہ پیشے اور حرفے کی وجہ سے تونگر ہو جاتا ہے۔ اگر زمین دار کے پاس سے اراضی نکل جائے، تو وہ زمینداری نہیں کر سکتا۔ تاجر کے پاس سرمایہ نہ رہے، تو تجارت نہیں کر سکتا۔ لیکن صاحبِ حرفت کسی وقت مجبور نہیں ہوتا، نہ اُس کے پیشے کو کسی ڈگری میں قرق کرایا جاسکتا ہے، نہ کبھی پیشہ کا دیوالیہ نکلتا ہے، بلکہ پیشہ ور آزادی کے ساتھ اپنی ضرورت کے لائق معاش پیدا کر لیتا ہے اور اُس کے کسبِ حلال سے اوقات گزاری کرتا ہے، جہاں ہندوستانیوں نے تجارتوں کو ننگ و عار سمجھ لیا ہے، وہاں پیشوں کو اُس سے زیادہ ذلیل و خوار جانا ہے۔

یہ نہایت بدنصیبی ہے کہ اپنی معاش کے تمام دروازے وہم و غرور کے ہاتھوں بند کر ڈالتے ہیں، جس کا انجام ضرورتوں سے مجبور ہونے کے بعد یا چوری کرنا ہوتا ہے، یا بھیک مانگنا۔ بدعقلی و کم نصیبی دیکھیے، یہ گوارا ہے، مگر پیشہ کے ذریعہ سے **کسبِ حلال** اور **دفعِ حاجت** منظور نہیں۔ اُس کو ذلیل ہی دیکھے جاتے ہیں اور جو کوئی پیشہ ور مل جاتا ہے اُس کا کوئی نام رکھ کر اُس کو عار دلاتے ہیں، کمینہ بتاتے ہیں، اپنی مجلس میں بٹھانے کے قابل نہیں جانتے۔ اُس کے سلام کے جواب میں تیوری چڑھا لیتے ہیں، اس طرح اپنے بھائی کی

دل شکنی ہی کرتے ہیں اور پیشہ سے عار دلا کر وہ معاش کا یہ راستہ بھی مسلمانوں کے لیے بند کر ڈالنا چاہتے ہیں اور حریف قومیں مسلمانوں کے پیشہ بھی لیتی چلی جارہی ہیں، گزشتہ دس سال کے عرصہ میں ہزارہا ہندو کپڑا بُننے لگے۔ کھدر کی تحریک کے سلسلہ میں مسلم پیشہ وروں کی روزی پر ہندوؤں نے کامیاب حملہ کیا ہے اور اُنھوں نے ہزارہا کھدر بننے والے ہندو جولاہے بنادیے۔

ہمارے فقہ مستان نخوت آئیں اور متکبران فاقہ کش تو خود بے ہنر ہیں، بیوی بچوں کی شکم سیری کا کوئی انتظام نہیں کرسکتے۔ مگر جو بھائی اپنی قوتِ بازو سے کپڑا بُن کر اپنے گھر والوں کے لیے روزی بہم پہنچاتا ہے، اُس کو 'جولاہہ' کہتے ہیں، حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، باوجودیکہ شریعت نے شرافت کا مدار تقویٰ، پرہیز گاری پر رکھا ہے، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ، اللہ کے نزدیک تم میں گرامی معزز صاحبِ منزلت وہ ہے، جو پرہیز گار ہو۔

آیت میں شرافت کے لیے کسی نسب، خاندان، قبیلے کی تخصیص نہیں کی گئی، پھر یہ تفریق پیدا کر کے کیوں مسلمانوں کے شیرازہ کو درہم برہم اور ان کے اسبابِ معاش کو نقصان اور تباہ کیا جاتا ہے، پچھلے زمانوں میں اور ہند کے علاوہ دوسرے ملکوں میں مسلمان اس بیماری سے پاک رہے۔ ہر مسلمان 'بھائی' سمجھا جاتا تھا، چاہے وہ کوئی تجارت یا کوئی پیشہ کرتا ہو۔ مسلمان صرف یہ دیکھتے تھے کہ ہمارا بھائی کسبِ حلال سے اپنی ضروریات رفع کرے جس طرح ایک شخص ایک صاحبِ تدبیر اقبال مند وزیر کو اپنا بھائی جانتا، اسی طرح وہ ایک غریب سے غریب سوداگر یا پیشہ ور بھائی کے لیے بھی فراخ دلی سے محبت کے ہاتھ بڑھا کر ملتا اور اُس کو سینہ سے لگاتا اور اگر وہ بھائی صاحبِ علم و تقویٰ ہوتا، تو خاندانی رئیسوں اور حکومت کے منصب داروں سے بھی زیادہ اُس کی وقعت کرتا، چاہے وہ کوئی پیشہ کرتا ہو۔

میں اس مضمون کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔ شمس الائمہ حلوائی اور مسعود فراء بغوی کیسے بڑے اکابر اجلہ ہیں، پیشہ تو اُن کے نام ہی سے ظاہر ہے، لیکن دنیائے اسلام میں اتنا ہی نہیں کہ اُن کے زمانہ میں اُن کی عظمت تھی، بلکہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی دنیائے اسلام کا ہر طبقہ اُن کے سامنے سرِ نیاز جھکاتا ہے اور اُن کے احکام کو عزت کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔ جن بزرگوں نے پیشہ کیے اُن کی اسم شماری کروں، تو طویل دفتر بنے اور اس کی ضرورت بھی نہیں۔ اتنا معلوم ہو گیا کہ پچھلے مسلمانوں میں پیشہ کی وجہ سے عار نہ تھی۔ علامہ شامی نے 'حیاکۃ' (جامہ بافی) وغیرہ پیشوں کی نسبت لکھا ہے: قَدْ تَوَلَّاهَا قَوْمٌ صَالِحُوْن یعنی: کپڑا بننے کے پیشہ کو قومِ صالحین نے اختیار کیا ہے۔

دیکھئے فقہ کے ایسے بڑے فتاوے میں اس پیشہ کو صالحین کا پیشہ اور اس قوم کو صالحین بتایا، پھر کہاں سے مسلمان ایسے پیشوں کی وجہ سے اپنے بھائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر مسلمانوں کی قوتوں کو گھٹا رہے ہیں، پچھلے زمانہ کے لوگ خود بھی پیشہ کو عیب نہیں جانتے تھے۔ حکم عمر خیام جو ایک مشہور فلسفی ہے، 'خیّام' تو اس کے نام کے ساتھ ہی ہے، جس سے پیشہ پر روشنی پڑ رہی ہے۔ نظام الملک طوسی کی دوسری جلد میں لکھا ہے:

'عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا اور جامہ بافی اس کا پیشہ تھا۔ چنانچہ خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں، اُسی میں اپنے دادا کو نسّاج (جامہ باف) لکھا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

جولاہہ نژادم از سوئے جد　　　　در صنعتِ من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبہ من　　　　ماشورہ کن است ریسماں تن

نسّاجی ایک اعلیٰ قسم کی دست کاری ہے اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس پیشہ سے منسوب ہیں، مگر اس عہد میں قومی غرور نے جو حقارت آمیز خیال اس پیشہ کی نسبت قائم کر لیا ہے، وہ البتہ قابل تاسف ہے۔ (نظام الملک طوسی، جلد: ۲، ص: ۴۵۰)

اس مدعا پر بہ کثرت شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن عاقل فہیم کے لیے جس قدر عرض کیا گیا، ناکافی نہیں اور یہیں سے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حرفت وپیشہ اگر وہ شرعاً حرام نہیں ہے، تو ہر گز وہ باعثِ ذلت وعار نہیں ہو سکتا۔ ہاں بُرے اخلاق، بُرے اطوار، رذیل خصائل بے شک موجبِ ننگ وعار ہیں، کسی شخص میں ہوں، قومیت ونسب اُس کو اُن برائیوں سے بَری نہیں کرسکتے، جو اُس کے نفس میں دخیل اور افعال میں ظاہر ہو چکے، ناقص افعال خواہ کسی شاہی خاندان کے فرد سے ظاہر ہوں، موجبِ ملامت اور مستحقِ نفرت ہی رہیں گے۔

سخت ناانصافی ہے کہ ایک غریب قوم کے افعالِ حسنہ سے چشم پوشی کی جائے اور مالدار ومتمول طبقہ کے اوباشوں کو بھی ذلیل نہ سمجھا جائے، وہ کس قانون سے 'شریف' کہلانے کے مستحق ہیں، جنھوں نے اپنے آباؤ اجداد کی نام وری پر خاک ڈال دی ہے اور کیوں وہ غریب مستحقِ عزت نہیں ہیں، جنھوں نے مباح پیشہ سے کسبِ حلال کر کے اپنے آپ کو اتباعِ شریعت کے سایہ میں رکھا ہو۔۔!۔

ساداتِ کرام:

مسلمان کے لیے جو اللہ کے حبیب حضور سیّد الانبیاء ﷺ پر ایمان لاتا ہے اور جان ومال سے اُن پر فدا ہوتا ہے اور اپنی بہترین عزت اعتقاد کرتا ہے، آپ کی آل پاک

ساداتِ کرام کی عظمت فطری طور پر ضروری اور اُس کی شرافت کا ثبوت ہے کہ اگر اس نے محسن شناسی نہ کی اور آقا زادوں کے ساتھ مغرورانہ برتاؤ کیا، تو یقیناً وہ کم ظرف، دنی الطبع اور کمینہ ہے کہ اُس نے سپاس گزاری اور منعم شناسی جیسے قابلِ قدر اور مدارِ شرافت جوہر سے حصہ نہ پایا۔

علاوہ بریں شریعت اسلامیہ نے اگر کسی خاندان کی عزت کا پتا دیا ہے اور احادیث کریمہ سے اگر کسی نسب و نسل کے بے شمار فضائل اخذ کیے جاسکتے ہیں، تو وہ خاندانِ سادات ہے اور اُن کی محبت و عظمت مومن کے لیے دنیا و آخرت میں بے شمار برکات کا سرچشمہ ہے۔ وہ نسب جو قیامت میں منقطع نہ ہو، نسبِ رسول ہی ہے، وہ ذات جن کے فضائل کا ہم اندازہ نہ کر سکیں، سادات کرام ہی ہیں۔ اس مدعا پر اگر میں احادیث پیش کروں، تو ایک نئ کتاب ہی تیار ہو جائے اور ائمہ و علما نے بہت مبسوط کتابیں سادات کرام کے فضائل میں تحریر فرمائی ہیں، لیکن چونکہ مسئلہ اتفاقی ہے اور قاطبۃً تمام اہلِ اسلام اس کو بے اختلاف تسلیم کرتے ہیں اور بحمد اللہ عملاً ساداتِ کرام کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں، اس لیے اس پر نصبِ دلائل کی حاجت نہیں۔ ساداتِ کرام کے سوا باقی جس قدر گروہ خاندان اور قبیلہ ہیں، اُن میں مدارِ شرافت حسنِ عمل اور اتباعِ رسول ہے اور اصل مسئلہ یہی ہے کہ اشرف خلق اور افضل خلق حضور سیّد انبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں، باقی جس کو شرف ہے، وہ حضور کے ساتھ انتساب رکھنے سے و بس۔

حدیث میں ارشاد فرمایا: مَوَالِی الْقَوْمِ مِنْھُمْ، فرمانبردار غلام آقا کی حاشیہ نشینی کی عزت پاتا ہے۔ جو فرماں بردار ہوگا اور جس کی غلامی کامل ہوگی، اُس کا قدم شرافت کے

میدان میں آگے ہے۔ یہ مضمون حدیث کی صراحت سے بھی پایا جاتا ہے، جہاں ارشاد فرمایا: ''كُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِيٍّ فَهُوَ آلِيْ'' یعنی: ہر پرہیز گار اور ایماندار میری اولاد ہے۔

اے آقائے کریم! علیک الصلوٰۃ والسلام آپ کی اولادوں کی غلامی کیا کم عزت ہے، ترے کرمِ بندہ نواز کے قربان کہ ''آل'' کے لفظ سے شرافت عطا فرمائی، تو ہر مؤمن صالح، جس کو بارگاہِ رسالت سے یہ شرافت ملی، اُس کے اس شرف کو کون چھین سکتا ہے اور جو اس تعریف میں نہیں آتا، وہ کیسے شریف بنا جاتا ہے۔

قصہ مختصر پیشہ کو عیب کی نگاہ سے دیکھنا غلط اور اسلامی اتحاد کا پاش پاش کر ڈالنے والا اور مسلمانوں کو معاشرتی ترقیات سے محروم کرنے والا ہے۔ خدارا۔۔! وقت کی نزاکتوں کو دیکھ کر دشمنوں کی چیرہ دستیوں پر نظر ڈال کر اپنے قویٰ ضائع کرنے سے باز آؤ اور استعدادِ دین فنا مت کرو، مسلمان سے مت سوال کرو کہ وہ افراسیاب کی اولاد ہے یا فریدوں اور کیخسرو کی۔ آج اسلام کی نظر میں افراسیاب و کیخسرو کو ہرگز وہ عزت حاصل نہیں ہے، جو ایک گھاس کے بیچنے والے مؤمن صالح کو ہے۔ تم اُسے 'گھسیارا' کہہ کر مت شرماؤ، بھائی سمجھو، بھائی بناؤ، سلام کرو اور محبت سے سلام کا جواب دو، وہ کچھ کہنا چاہے تو محبت سے سنو اور شفقت وہمدردی کے لب ولہجہ میں اُس سے گفتگو کرو، اسلام کو قوموں، نسلوں، خاندانوں، پیشوں اور حرفتوں میں مت تقسیم کرڈالو۔

اس سلسلہ میں **قومی انجمنوں** کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جن کا مقصد ترقی اور اصول عمل اتحاد ہے، یہ دونوں چیزیں پسندیدہ اور قابلِ تعریف ہیں، لیکن ہر پسندیدہ اور قابل تعریف چیز کو اُس کے محل پر صرف کرنا نافع اور مفید ہوتا ہے اور بے محل یا بے اصول خرچ کرنا برعکس نتائج لاتا ہے۔ میں تو آج مسلمانوں کے اتفاق واتحاد اور اُن کی شیرازہ بندی

کو اتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر وہ کسی جان کی قربانی سے حاصل ہو سکے، تو میں اس کے لیے اپنی جان بے دریغ پیش کر دوں، مگر امرِ حق کے اظہار میں زبان روکنا شرعاً جرم ہے۔

اس لیے مجھے اعلان کے ساتھ کہہ دینا چاہیے اور میں بے دریغ کہتا ہوں کہ قومی جماعتیں خواہ وہ شیخان پنجابی کی ہوں یا راعیان کی یا مشائخان کی یا قوم مؤمن کی یا اور دوسری، اُن کا موجودہ طریقِ عمل اسلام کے لیے اور خود اُن کے لیے ایک خطرۂ عظیمہ ہے۔ اُن کی بنیاد تنگ خیالی پر رکھی جاتی ہے اور وہ اپنی قوم کی درستی اور ترقی کی تدابیر کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلمانوں کو اغیار جاننا اور اُن کے ساتھ تعصب رکھنا، اپنے نظامِ عمل کا جزوِ لازم بنائے ہوئے ہیں۔ گو یہ بات کسی لائحہ عمل میں بقیدِ تحریر نہ لائی گئی ہو، لیکن طریقۂ کار اس کا شاہد ہے، تو جہاں وہ اپنی قوم میں ایک ارتباط پیدا کرتے ہیں، دوسروں کے ساتھ منافرت کی بھی ایک روح پیدا ہوتی جاتی ہے، جس سے اُس اسلامی اتحاد کو صدمہ پہنچتا ہے، جس کے لیے میں درخواست کر رہا ہوں کہ قومی تفرقے مٹا دو اور اس اتحاد عام و تام کے فوائد حاصل کرو اور اپنی اکثرت سے دنیا کو مرغوب کر دو، لیکن یہ بات قومی اتحاد حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ اُن کا انجام آپس میں ٹکرا جانا نظر آتا ہے۔ جب کئی جتھے بنا لیے جاتے ہیں اور ہر ایک جتھے کو مضبوط کیا جاتا ہے، تو ہر جتھا طاقت پانے کے بعد قوت کے غرور میں دوسرے جتھے پر اپنی فوقیت ثابت کرنا ضروری سمجھتا ہے، پچھلے زمانہ کی تاریخیں اس کی شاہد ہیں اور موجودہ زمانہ میں بھی رات دن اس کے نظائر سامنے آتے رہتے ہیں۔

کاش ان قومی جماعتوں کے قائد اور سردار وسعتِ نظر پیدا کریں اور علیحدہ علیحدہ ٹولی اور جماعت بنا کر اسلامی قوت کو تقسیم کرنے کے بجائے عام اسلامی اتحاد کو مضبوط کرنے اور باہمی منافرت کو بکلی اُٹھا دینے کی سعی میں سرگرم ہوں اور دنیا کا کوئی مسلمان شریعتِ

اسلامیہ کی شاہراہ پر سیدھا چل رہا ہو، اُن کو غیر نظر نہ آئے اور قومی اور نسلی امتیاز اسلامی اخوت و محبت کے رشتہ کو منقطع نہ کر سکے۔ اگر ہر قوم نے اپنا اپنا اجتماع کیا، تو دنیا میں راعی کانفرنس، چودھری کانفرنس، مؤمن کانفرنس، لوہار کانفرنس، بڑھئی کانفرنس وغیرہ صدہا کانفرنسیں تو ملیں گی، مگر اسلامی کانفرنس کا پتانہ چلے گا۔ مسلم کانفرنس کہاں سے آئیں گی۔

میرا مدعا یہ ہے کہ جب اللہ نے کسی قوم کو اس قابل کیا ہے کہ وہ کچھ کام کر سکیں تو اُنھیں چاہیے کہ اسلام کی وسیع فضا میں سرگرمی اور جدوجہد کریں اور چھوٹے چھوٹے احاطوں میں نظم وترتیب عام انتشار کو رفع نہیں کر سکتی۔ نہ مسلمانوں کی گری حالت اس سے سنبھل سکتی ہے، نہ دوسری قوموں کو ان سے ہمدردی ہو سکتی ہے، نہ دیرینہ منافرت اس طریق عمل سے دفع کی جاسکتی ہے۔ اس کا یہی طریقہ ہے کہ قومی گروہ بندیاں اور قومی تعصّبات مٹا ڈالے جائیں۔ معیار شرافت وعزت حقیقتاً اسلام ہے، اس کو ایسا دل نشین کیا جائے کہ اپنا غریب سے غریب بھائی ہمیں غیر مسلم کروڑپتی سے زیادہ عزت دار نظر آئے اور ہم بلالحاظ قوم ونسل اُس کی ہمدردی ومحبت اپنے دل میں رکھیں اور جو اُخوت اسلام نے عنایت فرمائی ہے، اُس کی خوشبو سے عالم کو مہکا ڈالیں، تو وہ لفظ جو آج دنیا میں قوموں کے لیے ذلت کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں، کل عزت کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔

اب میں اس بحث کو طویل نہیں کرنا چاہتا اور اُمید کرتا ہوں کہ اربابِ نظر سنجیدگی سے غور فرما کر میری معروضات کی عمل سے داد دیں گے۔ ایک بات نہایت ضروری عرض کرنے کے قابل ہے، وہ بھی آخر میں گزارش کر دوں۔

اپنے اور بیگانے:

مذکورہ بالا بیان سے اگرچہ صاحبِ فہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اخوت اور اتفاق کا محل کیا ہے اور کون ہیں، جن کا ملانا اور شیر وشکر کرنا قوت اسلام کے لیے از بس ضروری ہے، لیکن مسئلہ مہتّم بالشان ہے، اس لیے دوبارہ تصریح کر دینا زیادہ مناسب ہو گا۔ اسلام کسی قوم کا نام نہیں ہے۔ اس لیے ہر ایک مسلمان اسلامی عزت وشرافت کا یکساں حق دار ہے اور اس کے خلاف سلوک کرنا، اُس کی حق تلفی ہے، تمام رشتوں سے قوی تر رشتہ اسلام ہے اور حقیقی بھائی کہلانے کا مستحق صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ وہ بھائی جو والدین میں ہمارا شریک ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ بھائی ہے اور میرا اُس کا یہ رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک ماں اور ایک باپ کے فرزند ہیں، ہم نے اور اُس نے ایک ہی گود میں پرورش پائی ہے اور ایک ہی مربی (باپ) کے دستِ شفقت سے بہرہ مند ہوئے ہیں، جیسے ایک اُستاد کے چند شاگرد خواجہ تاش ہونے کا رشتہ رکھتے ہیں اور اُنھیں تھوڑے دن ایک ساتھ رہنے یا ایک استاد سے فیض پانے کا تعلق باہم دگر رفیق بنا دیتا ہے، اُس سے زیادہ اور بدر جہا زیادہ ہمارا تعلق اُس بھائی سے ہے، جس کا ہم سے مولد میں ساتھ ہے، مسکن میں ساتھ ہے، مربی باپ کی شفقت اور مہربان والدہ کی محبت میں وہ ہمارا شریک ہے۔

یہ بھائی کے رشتہ کی حقیقت ہے، اس بھائی کو جو ہمارا سگا بھائی ہے، اُس کے رشتہ کو پہچان کر اور اُس کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد میں حقیقی بھائی کہنے میں متأمل ہوں، کیونکہ میں نے قرآن پاک میں اُس بھائی کے لیے وہ الفاظ نہیں پائے، جس سے میں اُس کو حقیقی بھائی کہہ دیتا، لیکن جس کے لیے قرآن پاک میں مجھے میرے رب کا فرمان ملتا ہے اور جس

کے بھائی ہونے کی شہادت اللہ کی کتاب دیتی ہے اور جس سے ملنے کی ترغیب فرمائی ہے، وہ 'اسلامی بھائی' ہے۔ لہٰذا میں یقین کرتا ہوں کہ وہی حقیقی بھائی ہے، جس کے لیے قرآن نے: ''اِنَّمَا الْمُؤْ مِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' فرمایا۔ یہ بھائی جو ماں باپ کی تربیت میں میرے ساتھ رہا، یقیناً اُس بھائی سے رشتہ اور قرابت میں کم ہے، جو خدا کا فرماں بردار بندہ ہونے میں میرے ساتھ ہے، ماں باپ کے احسان بہت زیادہ ہیں اور اُن کا شکر واجب، لیکن ماں باپ نے پیدا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، تو والدین کی تربیت میں ساتھ رہنے سے جو بھائی ہو گیا، وہ ضرور اس سے دور کا بھائی ہو گا، جو پروردگار کی فرماں برداری اور خدا پرستی میں ساتھ ہو، کیونکہ وہ اصل ہستی پانے میں ہستی دینے والے سے فیض حاصل کرنے میں ہمارا ساتھی ہے، ماں باپ اُسی کے فضل وکرم کے مظاہر ہیں۔ اس بھائی کے حقوق بھی اسلام نے بتائے ہیں، اس سے خلق ومحبت کا برتاؤ، اُس سے ہمدردی اُس کا اعزاز، اُس کی ہر ایک ناگوار گزرنے والی بات سے احتراز، اُس سے بہ کشادہ روئی وخندہ پیشانی ملنا، احادیث میں تعلیم فرمایا گیا، آپ کو یہ شبہ نہ گزرے کہ سگا بھائی وارث ہوتا ہے اور اسلامی بھائی اگرچہ حقیقی بھائی ہے، تو وارث کیوں نہیں ہوتا، کیونکہ کوئی شخص سگا بھائی ہونے سے وارث نہیں ہو سکتا، ایک ماں باپ سے ہونا اس کو ورثہ نہیں دلاتا، وہ ورثہ جب ہی پائے گا جب کہ وہ اسلامی بھائی بھی ہو۔ اور اگر اس کے دین میں فرق آگیا معاذ اللہ تو وہ اِرث سے بھی محروم ہے، ہاں مؤمن ہونے کی صورت میں وہ دو رشتہ والا ہے اور یہ قوتِ قرابت اُسے حاصل ہے، لیکن اُس کی دونوں قرابتوں میں سے قریب والی قرابت اُس کا اسلام ہے۔

الحاصل اسلام ایک دولت ونعمت ہے، جس سے ہم سب بہرہ ور ہیں، اسلام ایک رشتہ ہے، جس میں ہم سب مربوط ہیں، اسلام ایک شرافت ہے، جو ہمارا مایۂ فخر ہے، جو کچھ

ہے ہمارا دین ہی ہے اور ہمارے باہمی تعلقات سب اُس کے واسطہ سے ہیں، تو جو اسلام میں پختہ ہے، دین میں غیر متزلزل ہے، عقیدہ میں راسخ ہے، ایمان میں کامل ہے، وہ شریف وہ محبتوں کا مستحق، اُس کی عزت ہم پر لازم اور جو دین سے شمہ بھر منحرف ہے، بے دینی، بدعقیدگی، لامذہبی کا کوئی شائبہ بھی رکھتا ہے، تو وہ ہم سے جدا ہے، اُس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ برادرِ عینی بھی ہو، تو اُس سے ہماری برادری نہیں، فرزند ہو، تو اُس سے ہمارے علاقے قطع۔ ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ'' خدا کے لیے محبت اور خدا کے لیے عداوت، مؤمن کی علامت چہ جائیکہ بے دینوں کی رعایت۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ. الآیہ

مؤمن کے قلب میں بے دین کی طرف میل ہوتا ہی نہیں، نہ شرعاً جائز بکثرت آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شاہد ہیں، تو جس کے دین میں کھوٹ ہے، نہ ہمیں اُس کو برادر سمجھنا چاہیے، نہ شریف، وہ بے شک رذیل ہے، جو خدا اور اس کے رسول سے منحرف ہے، وہ یقیناً کمینہ ہے، ہم اللہ والوں سے، خالص مسلمانوں سے، صحیح العقیدہ سُنیوں سے اُخوت اور برادری رکھیں گے اور یہی ہم پر لازم ہے اور اس پر تیرہ سو برس سے اہل اسلام کا عمل رہا ہے، لیکن اگر ہماری نسل و قوم کا کوئی شخص معاذ اللہ بدمذہب، وہابی رافضی، قادیانی، نیچری ہو جائے، تو ہم پر لازم ہو گا کہ ہم اُس سے متارکت وانقطاع کر دیں، رسم وراہ برادری چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ۔''۔ ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ''۔

جو وہابی ہو، انبیاء واولیاء کی توہین کرے، اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ کی طرف کذب کی نسبت کرے، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی سخت و شنیع وتوہین کرے، یا توہین کرنے والے کو مسلمان جانے اور اُن کی تائید وحمایت، عزت و توقیر کرے، وہ ہمارا بھائی نہیں ہو سکتا۔ یہ تو وہابی کا حال ہے، اُس کے مذہب میں اولیاء وانبیاء کی توہین ضروری ہے، مولوی اشر فعلی کی 'حفظ الایمان'، مولوی قاسم کی 'تحذیر الناس'، مولوی خلیل احمد ورشید احمد کی 'براہین قاطعہ' اور دیوبندیوں کی تصانیف اس کی شاہد ہیں، ایسے لوگوں سے نہ ہمیں واسطہ رکھنا جائز، نہ ہم اُنھیں بھائی سمجھ سکتے ہیں، نہ اُن سے ہمارا اتحاد ممکن ہے:

آب چوں در روغن افتد، نالہ خیزد از چراغ
صحبتِ نا جنس باشد باعثِ آزار ہا

ایسے ہی غیر مقلد، جن کی زبان کی چھریاں ہمارے دل وجگر کو گھائل کرتی رہتی ہیں، ہمارے امام عالی مقام امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ودیگر ائمہ دین واولیاء عارفین کی شان میں بدگوئی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی کرکے کفار کو خوش کرنا، اُس فرقہ کا خاص کام اسی طرح اور دوسرے باطل فرقے سب ہم سے علیحدہ ہیں۔ اُن کو برادری میں داخل کرنا، گویا مخالف قوموں کو جمع کرکے ایک نہ مٹنے والی جنگ اور تباہی انگیز فساد پیدا کرنا ہے۔ جو شریر النفس ہم میں سے نکل گئے اور اُنھوں نے ہمارا اور اپنے آباواجداد کا طریقہ چھوڑ دیا اور وہ ہمارے ساتھ اتفاق نہ رکھ سکے، اُن کو اپنا جز سمجھے جانا، بھائی کہنا، برادری کے حقوق دینا، مجانست موانست مناکحت جاری رکھنا، مسلمان کے لیے خودکشی کے برابر ہے۔

مسلمان ذرا سی دنیوی بات میں اپنے بھائی سے لڑ جاتے ہیں، طویل طویل مقدمہ بازی شروع کرتے دیتے ہیں، توہین قرار دے کر اُن سے برادرانہ میل جول ترک کر دیتے ہیں۔ یوں تو اتفاق واتحاد کا خون کرتے رہتے ہیں، مگر کسی شخص کی بدمذہبی وبے دینی کی وجہ سے اُس سے چیں بہ جبیں بھی نہیں ہوتے۔ الاماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود مسلسل کوششوں کے اتفاق کے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی ہے، اگر تمام بدمذہبوں کو علیحدہ کر دیا جائے اور مسلمان آپس میں محبت واخلاص کے ساتھ برادری قائم کریں، تو یہ وہ اتحاد ہو، جو پائیدار رہے اور جس کی برکات سے وہ فائدے اُٹھاتے رہیں۔ یارب میری عرض گوشِ دل سے سب قوم سُنے، یہ مدعا ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

(خاکسار عمر نعیمی)

۷۔ 'مائۃ حاضرہ کا مجدد'

اخبار الحکم قادیان مؤرخہ ۲۸/ اپریل ۱۹۲۰ء میں "مولوی احمد رضا خاں صاحب اور مجددیت" کے زیرِ عنوان اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب مد ظلہ العالی کی نسبت یہ لکھا ہے کہ 'وہ اپنے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کرتے آج تک کوئی ایسا اعلان شائع نہیں ہوا جس میں مولوی صاحب مذکور نے لکھا ہو کہ میں مجدد زمانہ ہوں' (بلفظہ)۔ یہ سچ ہے کہ اعلیٰ حضرت مد ظلہ نے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا نہ کسی مجدد کے لیے دعویٰ کرنا لازم۔ ابو داود شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **قَالَ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا**. ترجمہ: حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل اس اُمت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو بھیجے گا، جو اُس کے دین کی تجدید کرے۔

یعنی: طریقۂ سنت کو جاری کرے، اہلِ زیغ وہوا اور اربابِ باطل کے فساد کو دفع کرے اور دین کے حریم کو محفوظ رکھے اور علم کو عام کرے۔ یہ اوصاف جس کسی میں پائے جائیں وہ 'مجدد' ہے۔ حدیث شریف میں یہ نہیں فرمایا کہ مجدد کے لیے دعویٰ لازم وضروری ہے۔ نہ کسی منصب کا دعویٰ کسی شخص کو اُس کا مستحق بنا سکتا ہے۔ ایسے دعوے اگر معتبر ہوں، تو دنیا میں ہزار ہا جھوٹے مدعی ہیں، سب کے دعوے واجب التسلیم ہو جائیں۔ مرزا صاحب نے اگر دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ اُن کو مجدد نہیں بنا سکتا۔ مشرق ومغرب کے علماء اور تمام اہل اسلام اُن کو کافر اور بے دین کہتے ہیں۔ کیا انھیں شہادتوں سے مجددیت پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔

اعلیٰ حضرت مد ظلہ الاقدس نے کبھی دعویٰ نہیں فرمایا۔ اُن کے مزاج عالی میں غایت درجہ انکسار وتواضع ہے۔ لیکن آنکھ والے عرب وعجم کے علماء حرمین محترمین کے افاضل اُن کو مجدد تسلیم کر رہے ہیں۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا

ایک شخص اپنے آپ کو 'مجدد' کہتا ہے، دنیا اُس کو 'کافر' کہتی ہے، اُس کا کفر ثابت ہے۔ ایک شخص دعویٰ نہیں کرتا، 'مجددیت' کے منصب کی خدمتیں انجام دیتا ہے۔ رات دن کے اوقات خدمتِ مذہب میں صرف کرتا ہے۔ دنیا کو علم سے معمور کر دیتا ہے، اُس کے علومِ وافرہ سے علماء کسبِ فیض کرتے ہیں۔ اُس کا دار الافتاء ایک عالم کا مرجع ہے۔ اُس نے ہر باطل کی کمر توڑ دی، ہر مفسد بے دین کا سر نیچا کر دیا، بد مذہبوں کے مقابلہ میں اُس کا قلم 'سیف الاسلام' اور 'سیف اللہ' ہے۔ علماء کرام جن کی چشمِ بصیرت وا ہے، اُس کو 'مجدد' کہتے ہیں۔ زمانہ اُس کو مجدد پکارتا ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اُس کو مجدد پکارا جاتا ہے، بلادِ اسلامیہ اُس کے فضل وکمال کا احترام کرتے ہیں۔ اُس کی ذات مجدد کے معنی کا مصداق ہے وہ بے شک مجدد ہے۔

حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں مجدد کے لیے دعویٰ کرنا ضروری تھا، تو پچھلی صدیوں کے مجددوں کے ناموں کی فہرست اور اُن کے دعاوی کے ثبوت پیش کرنا تھے کہ ہر زمانہ میں مجدد دعویٰ کرتے آئے ہیں۔ گو اس سے بھی مجدد کے لیے دعوے کا لزوم ثابت نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اتنا معلوم ہو سکتا تھا کہ دعویٰ کرنا مجددوں کی عادت ہے[۲۴]۔

---

[۲۴] السواد الاعظم، جلد ۱، نمبر ۶، بابت ماہ رمضان ۱۳۳۸ھ، ص ۲۹۔۳۱۔

۸۔ تبصرہ بر رسالہ "علمِ غیب اور امداد از اموات"

(نوٹ: یہ ایک قلمی نسخہ ہے، جو مفتی اطہر نعیمی صاحب کی لائبریری میں موجود ہے)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ الامین وعلی آلہ الطیبین وعترتہ الطاھرین رضی اللہ تعالیٰ عن اصحابہ اجمعین۔

امابعد:

مسلمانو! اپنے دین کی حفاظت کرو قربِ قیامت ہے، جاہل بے علم گمراہ کرنے اور دین وایمان برباد کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں کہ تمہارے ایمان کی دولت کو لوٹ لیں۔ کوئی سید عالم ﷺ کے علم پاک کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو غیب کا علم نہ تھا اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے قرآن عظیم کی آیات تلاوت کرتا ہے اور اُس کا حال یہ ہے کہ جو آیتیں نبی ﷺ کے علم غیب کے انکار میں تلاوت کرتا ہے اگر اس سے دریافت کیجیے کہ ان آیات کے الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی ترجمہ کرو اور الفاظ کی ترکیب اور صیغے بتاؤ تو وہ ایک حرف نہ بتا سکے گا، جب علم صرف ونحو تک سے واقف نہیں تو قرآن مجید کا ترجمہ کرنا اور اس کی تفسیر بیان کرنا کیا معنی! اس وقت ایک چھوٹا سا رسالہ مسمیٰ **"علمِ غیب اور امداد از اموات"** میرے سامنے ہے، جس میں بیان کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو علم غیب نہ تھا۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے آیتیں بھی لکھ دیں اور اُس پر اپنی طرف سے یہ اضافہ بھی کر دیا کہ "جو کہے کہ رسول غیب جانتے تھے وہ جھوٹا ہے"۔ جاہل کو یہ خبر نہیں کہ اُس کے پیشوا وہابیہ کے سرغنہ بھی مطلقاً علمِ غیب کا انکار نہیں کرتے۔

اس رسالہ میں مصنف رسالہ نے اپنی جہالت سے جو آیات کیں اُس سے اُس کا مدعاثابت نہیں ہوتا، اس کتاب کی اغلاط ظاہر کرنے سے قبل مسئلہ علمِ غیب کی تقریر تحریر کرنا مناسب ہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اہلِ سنت وجماعت کا کیاعقیدہ ہے اور اس کا ثبوت کیاہے۔

بیانِ مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم سیدنا محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی: تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرمایا اور ابتداءِ آفرینش سے دخولِ جنت ودوزخ تک سب مثل کفِ دست ظاہر کر دکھایا، خود مولیٰ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ اس کی تفسیر 'معالم التنزیل' میں یوں فرمائی: خَلَقَ الْاِنْسَانَ يَعْنِي: مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ، اَىْ: بَيَانَ كَانَ وَمَا سَيَكُوْنُ۔ اس تفسیر کے بموجب آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پیدا کرکے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا، اُن سب کا علم عطا فرمایا۔

آیت ۱۲۱: ﴿مَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔

"اور اللہ جل شانہ یوں نہیں کہ تم کو مطلع کر دے غیب پر، لیکن اللہ جل شانہ چھانٹ لیتاہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے"۔

تفسیر جمل مطبع مرتضوی جلد اول ص۲۱۸ میں اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: 'لٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِىْ، أي: يَصْطَفِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْغَيْبِ. اور معنی یہ ہیں: لیکن

اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے یعنی برگزیدہ کرتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پس مطلع کرتا ہے اُس کو غیب پر۔

ان دونوں آیتوں سے حضور سید عالم ﷺ کو غیب کا علم ابتداءِ دنیا سے جنت اور دوزخ میں داخل ہونے تک، تمام واقعات کا علم بعطاء الٰہی ثابت ہو گیا، آیت میں غیب کا لفظ موجود ہے، جس سے وہابی دھوکہ دیتے ہیں۔ ثبوتِ علم غیب میں بہت آیات ہیں، مگر مسئلہ کو مختصر طور پر لکھنا مقصود ہے۔ اس لیے صرف دو حدیثیں لکھ کر اس رسالہ کے مصنف کی دھوکہ بازیوں اور مکاریوں کا اظہار کیا جائے گا۔

حدیث ۱: بخاری شریف میں حضرت فاروقِ اعظم عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر ابتداءِ پیدائشِ خلق سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہونے کی خبر دی۔ (مشکوٰۃ شریف، ص۵۰۶، سطر ۶)

حدیث ۲: مسلم شریف میں بروایت عمرو بن اخطب انصاری مروی کہ ایک روز حضور سید عالم ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ فرمایا ہمارے لیے، یا وعظ فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، پس اُترے منبر سے اور ظہر کی نماز پڑھی، پھر منبر پر چڑھے اور وعظ فرمایا عصر تک، پھر منبر سے اُتر کر عصر کی نماز پڑھی، پھر منبر پر چڑھے اور غروبِ آفتاب تک وعظ فرمایا، پس تمام دن خطبہ اور وعظ ہی میں گزرا، پس خبر دی ہم اس خبر کی کہ ہونے والی ہے قیامت تک، یعنی: وقائع وحوادث اور عجائب وغرائب قیامت تک مجمل یا مفصل بیان فرما دیے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۴۳)۔

ان آیات واحایث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان اور مایکون کا علم عطا فرمایا۔ وہابیہ دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ماکان ویکون کا علم حضور علیہ السلام کے لیے مان لیا تو اللہ تعالیٰ کی برابری ہو گئی اور یہ شرک ہے، یہ وہابیوں کی جہالت ہے علمِ الٰہی کو وہ سمجھے ہی نہیں، ان کا یہ الزام از سر تا پا غلط ہے۔

اہلِ سنت ماکان ومایکون کا علم ثابت کرتے ہیں اور اس سے علمِ باری سے برابری لازم نہیں آتی۔ ہم حضور علیہ السلام کے لیے جمیع غیوب غیر متناہیہ کا علم ثابت نہیں کرتے، نہ جملہ معلومات الٰہیہ کا، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو علمِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں، ذرہ کو آفتاب سے اور قطرہ کو سمندر سے جو نسبت ہے وہی بھی یہاں متصور نہیں، کہاں خالق اور کہاں مخلوق، برابری کا تو ذکر ہی کیا! علمِ الٰہی کے حضور، تمام مخلوقات کے علوم اقلِ قلیل ہیں کوئی ہستی نہیں رکھتے، لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع کائنات تمام ماکان ویکون کے علوم حاصل ہیں۔ علماءِ اہل سنت نے بصراحت لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ازلی ابدی غیر متناہی، جس کے لیے کوئی حد نہیں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمل عطائی اللہ کی عطا سے اور حادث، جب عطا فرمایا اُس وقت ملا۔ علمِ نبی کے لیے دو حدیث ابتداءِ دنیا سے آخرت تک۔ اللہ جل وعلا کے علم کے لیے کوئی حد نہیں، تو مساوات اور برابری کا کوئی شائبہ نہ رہا۔ یہ وہابیہ کا ظلم ہے سنیوں پر برابری اور مساوات کا افترا کرتے ہیں۔

اب میں آپ کو یہ دکھاتا ہوں کہ اُس کے پیش کیے ہوئے دلائل سے و مدعا حاصل نہیں ہوتا، جس کے لیے اُس نے آیات واحادیث پیش کی ہیں۔ پہلی آیت جو اُس نے پیش کی ہے وہ سورۂ انعام کی آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے کہ آپ

فرما دیجیے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اُسی وحی کا تابع ہوں جو مجھے ہوتی ہے۔

اس آیت شریف میں تو علمِ غیب کا اثبات ہے، نفی نہیں۔ اس میں صاف مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی ہوتی ہے اور جو علوم وحی کے ذریعے سے ملتے ہیں، میں اُن کی اتباع کرتا ہوں۔ یاد رکھو کہ اہل سنت علم عطائی کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب کے علوم عطا فرمائے، تو صاف ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا، اُس سے علم ذاتی مراد ہے، یعنی: بالذات نہیں جانتا لیکن وحی کے ذریعے سے جو علم عطا ہوا اُس کی نفی نہیں، تو اندھے پن سے وہ آیت لکھ دی جس سے علمِ عطائی کا ثبوت ہے، یہ دھوکہ ہے۔

دوسری آیت لکھی ﴿وعندہ مفاتیح الغیب﴾ اور اُس کا یہ ترجمہ لکھا: ''اور غیب کی کنجیاں اُس کے پاس ہیں، اس کے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا اور اُسے معلوم ہے جو خشکی اور دریا میں ہے''۔ سورۂ انعام۔

یہ آیت بھی علمِ ذاتی کی نفی میں ہے، یعنی: جو بے تعلیم خود بخود حاصل ہو، ایسا علم اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن بہ تعلیم الٰہی اس کی اس آیت میں نفی نہیں، اسی آیت کی تفسیر میں امام مناوی رحمہ الباری روض النضیر میں تحریر فرماتے ہیں: فاما قوله: لا يعلمها الا هو. فمفسر بانه لا يعلمها احد بذاته ومن ذاته الا هو لكن قد يعلم باعلام الله تعالىٰ ۔ یعنی: اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ اُس کے سوا اُن کو کوئی ن ہیں جانتا، اس کی تفسیر یہ ہے کہ خود بخود سووائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے یقیناً جان لیتا ہے۔ اب تو ظاہر ہو گیا ہے کہ علماءِ متقدمین اور مفسروں نے آیت کے یہ معنی بتائے کہ اس آیت میں علمِ ذاتی کی نفی ہے اور حضور کے لیے اللہ کی عطا سے علمِ ثابت ہے۔

تو آیت میں ہمارے عقیدے کے خلاف ایک حرف بھی نہیں۔ وہابی یا تو آیت کے معنیٰ سمجھے ہی نہیں اگر تفسیر دیکھ لیتے تو علمِ غیبِ نبی کا انکار نہ کرتے یا جان بوجھ کر علمِ غیبِ نبی ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔

منکرو! قرآن پاک کی تفسیریں دیکھو تو علمِ غیب نبی ﷺ کے سمندر تمہیں نظر آئیں، علامہ نیشاپوری تفسیر رغائب القرآن میں فرماتے ہیں:

قُلْ لا أَقُولُ لَكُمْ، لم يقل ليس عِنْدِي خَزائِنُ اللهِ ليعلم أن خزائن الله وهي العلم بحقائق الأشياء وماهياتها عنده صلى الله عليه وسلم، ولكنه يكلم الناس على قدر عقولهم. وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ مع أنه قال: علمت ما كان وما سيكون.

یعنی: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حبیب آپ کفار و مشرکین سے فرما دیجیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے خزانے جو در حقیقت حقائقِ اشیاء اور اُن کی ماہیات کا علم ہے وہ آپ ﷺ کے پاس ہیں۔ ہاں مگر آپ ﷺ لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق کلام فرماتے ہیں۔ آیت میں اعلان کروایا جا رہا ہے کہ میں غیب نہیں جانتا، حالانکہ حدیث میں فرمایا کہ میں نے جو ہوا وہ بھی اور جو عن قریب ہو گا وہ بھی جان لیا۔

نوٹ: (یہ تحریر اتنی ہی میسر ہو سکی ہے۔ علیمی)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تمت بالخیر

یادگارِ اسلاف

مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ

(مختصر حیات وخدمات)

تحریر

ڈاکٹر حامد علی علیمی

(ایم۔اے،پی۔ایچ۔ڈی)

ناشر

مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ٹرسٹ، کراچی

(ناظم آباد نمبر ۴، کراچی)

شرفِ انتساب

ہم شبیہِ غوثِ اعظم، فخر السادات سید شاہ علی حسین اشرفی محدثِ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام، جن سے ایک زمانہ نے فیض پایا اور اب تک بے شمار طالبین مستفیض ہو رہے ہیں۔

ان کے بعد اپنے والدین مرحومین کے نام، جن کی تربیت نے چند حروف لکھنے کے قابل بنایا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے فیض کو جاری وساری رکھے، آمین۔۔۔!

نگاہِ کرم کا طالب

ڈاکٹر حامد علی علیمی

Contact: 0321-2937062
hamidali41@gmail.com

فہرستِ مضامین

معروضاتِ علیمیؔ

ایک دن راقم دار العلوم نعیمیہ کراچی میں قبلہ مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، غالباً یہ پہلی ملاقات تھی، سلامِ مسنون کے بعد کچھ باتیں ہوئیں پھر راقم نے ایک فارم بنام ''گلستانِ اہلسنت سندھ'' تین صفحات پر مشتمل مفتی صاحب کو پیش کیا، حضرت نے سرسری مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلومات خود لکھ کر عطا فرمائیں، جو انتہائی مختصر تھیں، ہم نے اولاً اسے دسمبر ۲۰۱۴ء کے ماہنامہ معارفِ رضا کراچی میں سوالاً جواباً ایک انٹرویو کی صورت میں شائع کروایا، جسے عوام و خواص نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ملاقات پر خوب حوصلہ افزائی کی۔

پھر دل میں خیال آیا کہ اس بار اسے نثری انداز میں قدرے تفصیل سے پیش کیا جائے، چنانچہ قبلہ مفتی صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا، جسے آپ نے بصد اِصرار قبول کیا اور خود بعض اُمور کی تفصیل لکھ کر ہمیں مرحمت فرمائی۔ اس کی تیاری میں ہم نے مفتی صاحب کے افادات کے علاوہ آپ کی تعلیمی اسناد، اخباری مضامین اور ذاتی ڈائری سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اسی دوران اس بات کی ضرورت کو بھی محسوس کیا کہ منثور تعارف کے ساتھ کوئی منظوم تعارف بھی ہونا چاہیے، اس سلسلہ میں ہم نے مفتی اعجاز بشیر صاحب سے درخواست کی تو انہوں نے ایک نہایت خوبصورت منقبت تحریر کر کے ہمیں ارسال کی، ہم نے اسے بھی اس تعارف میں شامل کر لیا ہے، اس کے علاوہ چند اشعار خود بھی راقم نے کہے ہیں اور ان کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے۔

ان شاء اللہ جلد مفتی صاحب کی تمام تحریری کاشوں کو الگ سے 'مقالات' کی صورت میں منظرِ عام پر لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کا سایۂ عاطفت صحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

کشفِ راز:

یہ فروری ۲۰۱۶ء کی بات ہے، جب راقم الحروف اور مفتی اعجاز بشیر، مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب سے ملنے اُن کے گھر حاضر ہوئے۔ سلام وتحیت کے بعد ہم نے قبلہ مفتی صاحب سے عرض کیا کہ ہم دونوں کو 'اسناد وتبرکات' سے نواز دیں، چنانچہ قبلہ مفتی صاحب نے ہم دونوں کو 'اجازت وخلافت' عطا فرمائیں اور ساتھ ہی ساتھ ہمیشہ دینِ اسلام پر استقامت سے عمل پیرا ہونے اور مزید تحقیقی کام کرنے کی ہدایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی اُمیدوں کے مطابق تادمِ مرگ استقامت کے ساتھ خدمتِ دین متین کرنے کی توفیق بخشے۔ اولاً تو ہم نے اس انمول تحائف کو صیغۂ راز میں رکھا، تاہم کچھ عرصہ بعد قبلہ مفتی صاحب نے احباب سے اس بات کا اظہار فرما دیا، لہٰذا ہم نے اسے تاریخ کا حصہ بنانے کے لیے ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔

اظہارِ تشکر:

میں اولاً مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب کا تہِ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے راقم کو اس کام کے لیے منتخب کیا اور کامل اعتماد کرتے ہوئے اپنے ذاتی کُتب خانہ اور دیگر تحریری مواد فراہم کیا، نیز صاحبزادہ محمد انفس نعیمی کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ

نے بہت سی انمول ونایاب معلومات فراہم کیں، جن کی بدولت اِن کے والدِ ماجد اور جدِ امجد کے حالاتِ زندگی پہلی بار اس عمدگی وجامعیت کے ساتھ منصۂ شہود پر آئے۔ ان کے بعد میں مفتی اعجاز بشیر کا بھی متشکر ہوں کہ انہوں نے مفتی صاحب کی شان میں سب سے پہلا منظوم کلام پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دونوں جہان کی بھلائیاں عطا فرمائے اور ہماری خدماتِ دینیہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔

تحریر نگار (عفی عنہ)

۲/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ، بمطابق ۲/دسمبر ۲۰۱۶ء

بروز جمعۃ المبارک، کراچی

'دینِ نبی کے رہبر مفتی محمد اطہر' حفظہ اللہ

کلام: ڈاکٹر حامد علی علیمی

دینِ نبی کے رہبر، مفتی محمد اطہر
اہلِ سُنن کے یاور، مفتی محمد اطہر

تاریخی نام جن کا، سید نعیم الدیں[1] نے
رکھا 'سعید اختر'[2]، مفتی محمد اطہر

صورت ہے کیسی پیاری، سیرت ہے کیا نرالی
ہیں نیکیوں کے خُو گر، مفتی محمد اطہر

بیٹھے جو ساتھ اِن کے، حیرت میں پڑ کے بولے:
اسلاف کے شناور، مفتی محمد اطہر

حامد علیمی کو بھی 'انمول' کر چکے ہیں
نسبت 'نعیمی'[3] دے کر، مفتی محمد اطہر

---

[1] یعنی: صدر الافاضل بدر الاماثل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] 'سعید اختر' کے اعداد کا میزان "۱۳۴۵ھ" بنتا ہے، جو آپ کا سنِ پیدائش ہے۔ علیمی

[3] الحمد للہ فروری ۲۰۱۶ء میں راقم الحروف کے ساتھ مفتی اعجاز بشیر کو بھی مجاز ومأذون بنا چکے ہیں، اس شعر میں اُسی طرف اشارہ ہے۔ علیمی

یادگارِ اسلاف مفتی محمد اطہر نعیمی اشرفی حفظہ اللہ کے نام

از: مفتی اعجاز احمد، کراچی، پاکستان

(مؤرخہ ۷، اکتوبر، ۲۰۱۶ئ / ۶، محرم الحرام، ۱۴۳۸ھ)

وارثِ صدر الافاضل، مفتیِ اہلِ سُنن
مرحبا ! اطہر نعیمی اشرفی، شیخِ زمن

مکتب اَوّل ترا تھا ، دُرّ یکتا ہند میں
وہ مراد آباد ، وہ آماجگاہِ علم و فن

نغمۂ سعدی و جامی کے نصاب علم میں
وہ گلستاں ، بوستاں پھر مثنوی ، عالی سخن

فخر ملت ، تاج اہل علم ، پدرِ ذی وقار
یعنی آبائی فضیلت سے مزین تھا وطن

ہم شبیہ غوث اعظم ، یعنی سرکارِ کلاں
خانوادۂ نعیمی کے لیے جانِ بدن

ہم شبیہ غوث اعظم کی نظر کا فیض ہے
اشرفی ہو ہاتھ میں ، چلتا پھر کس کا چلن ؟

مطلع بُرج شرف میں آ گئے سعدین یوں
فیض اَشرف پر چڑھا، بغداد کا رنگ و سخن

اِن کے اَسلاف گرامی کی نگاہِ کیمیاء
لعل و گوہر کر دیا کرتی تھیں اُن کی انجمن

"سلسلۂ ذہب" کا عنوانِ جامی خوب ہے
ہفت پُشتی چل رہا دِیدنی اِن کا چمن

خوش لباسی، خوش کلامی، خوش خطی اِن کا شعار
خوش نصیبی، ہو رہے ہیں خوب الطاف و مِنن

خدمت اسلام پر عمر گزشتہ وار دِی
اختتام عمر تک جذبہ رہے یہ موجزن

اِن کو ورثے میں ملی ہیں دولتیں اَوراق کی
اس لیے دہلیز پر پیاسے ہوئے ہیں خیمہ زن

جس طرح اَفلاک پر رخشندہ ہیں شمس و قمر
ضو فشاں یوں ہی رہے تا عمر یہ پیر کُہن

خامہ فرسائی کا یوں تو شوق ہے اعجاز کو
پر صدا آتی ہے: بس! حد ادب، خاموش بن

نیک آباءواجداد کی برکات:

مفتی محمد اطہر نعیمی بن تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی حفظہ اللہ کے آباءواجداد میں نیک سیرت واعلیٰ کردار کے حامل افراد کا ذکر ملتا ہے، جو اپنی دیانت، لیاقت اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اپنے وقت میں جانے پہچانے جاتے تھے۔ مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ کی شخصیت میں ان حضرات کی اعلیٰ صفات کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ "نیک باپ" کی برکات اُس کی آنے والی نسلوں کو بھی ملتی ہیں۔ اس بات پر قرآن کریم کی سورۂ کہف دلیل ہے، چنانچہ قرآن کریم میں حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا اس واقعہ کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ

[الکہف ۱۸: (۸۲)]

ترجمہ: (حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:) رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے اُن کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے۔

تفاسیر میں ملتا ہے کہ ان دونوں یتیم بچوں کے نام اصرم اور صریم تھے جبکہ ان کے پرہیز گار والد کا نام کاشح تھا۔ اُن کے گھر کی دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا،

چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں سونے کی ایک تختی تھی اس پر ایک طرف لکھا تھا: اُس کا حال عجیب ہے جسے موت کا یقین ہو اس کو خوشی کس طرح ہوتی ہے، اُس کا حال عجیب ہے جو قضا و قدر کا یقین رکھے، اس کو غصّہ کیسے آتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جسے رزق کا یقین ہو، وہ کیوں تعب میں پڑتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جسے حساب کا یقین ہو، وہ کیسے غافل رہتا ہے، اُس کا حال عجیب ہے جس کو دنیا کے زوال و تغیّر کا یقین ہو، وہ کیسے مطمئن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لکھا تھا: لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور دوسری جانب اس لوح پر لکھا تھا: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں، میں نے خیر و شر پیدا کی، اس کے لیے خوشی جسے میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر خیر جاری کی، اس کے لیے تباہی جس کو شر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر شر جاری کی"[۴]۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کا باپ صالح تھا، اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ باپ اُن کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں"[۵]۔

---

[۴] محمد نعیم الدین مراد آبادی، خزائن العرفان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، تفسیر سورۂ کہف، آیت ۸۲، ص ۵۴۴۔

[۵] محمد ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، کشمیر انٹر نیشنل پبلیشرز، لاہور، طبع دوم ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء، حصہ اول، ص ۱۰۴۔۱۰۵۔

نیز حضرت محمد ابنِ منکدر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی سے اس کی اولاد کو اور اُس کی اولاد کی اولاد کو اور اُس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے[6]۔ (سبحان اللہ)۔

لہٰذا ہمیں اُمید ہے کہ جس طرح مفتی محمد اطہر نعیمی حفظہ اللہ نے اپنے اجداد کی برکات حاصل کیں، اُسی طرح یہ برکات اِن کی اولاد، متعلقین، محبین اور متوسلین اور راقم الحروف بھی صبحِ قیامت تک حاصل کرتے رہیں گے، کیونکہ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ○ (یعنی: یہ برکات نازل کرنا اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ہے)۔

ولادت:

مفتی صاحب کی ولادت ۲۷/ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ (۲/ مارچ ۱۹۲۷ء) بروز بدھ بوقت تین بجے دن یوپی (انڈیا) کے مردم خیز شہر مراد آباد میں ہوئی۔ آپ کے والدِ محترم تاج العلماء نے اس خوشی کے موقع پر اپنی ڈائری میں رقم کیا: '۲۷/ شعبان سن ۴۵ھ، چہار شنبہ ۳/ بجے دن کے لڑکا تولد ہوا، حضرت مولانا صاحب[7] نے تاریخی نام 'سعید اختر' و 'محمد اطہر' فرمایا۔ مولیٰ تعالیٰ صاحبِ عمر و عمل و بخت فرمائے، آمین'۔

---

[6] خزائن العرفان، ص ۵۴۴۔

[7] مفتی اطہر نعیمی صاحب نے بتایا کہ 'مولانا صاحب' سے مراد اس ڈائری میں صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ہیں۔ علیمی

نام ونسب:

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے تاریخی نام 'سعید اختر' (۱۳۴۵ھ) جبکہ نام 'محمد اطہر' تجویز فرمایا۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: محمد اطہر نعیمی بن مفتی محمد عمر نعیمی بن محمد صدیق قدّس سرہ۔ اصل نام ''محمد''، عرفی نام ''اطہر''، جبکہ اپنے استادِ محترم صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی نسبت کے سبب ''نعیمی'' کہلائے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب کے والدِ محترم بھی اپنے نام کے ساتھ ''محمد عمر نعیمی'' لکھا کرتے تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام ذکیۃ النساء ہے۔

وجہِ تسمیہ:

مفتی صاحب کا نام ''محمد'' سید دوعالم خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نام نامی سے نسبت اور برکتوں کے حصول کے لیے رکھا گیا۔ زمانہ کی روش کے مطابق ''محمد اطہر'' نام ہوا۔

حلیہ مبارک:

مفتی محمد اطہر صاحب حفظہ اللہ درمیانہ قد، کشادہ پیشانی، پُر نور چہرہ، صاف رنگت کے ساتھ ساتھ بارُعب اور پُر وقار شخصیت کے حامل افراد میں سے ہیں۔ گھر میں عموماً کُرتا اور پاجامہ زیبِ تن کیے رہتے ہیں، جبکہ گھر سے باہر تشریف لے جاتے ہیں، تو اکثر صدری (واسکٹ) یا شیر وانی پہنتے ہیں، مثلاً جیسے دار العلوم نعیمیہ کراچی آمد پر کبھی عمدہ شیر وانی، تو کبھی نفیس صدری (واسکٹ) پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔

تعلیم وتربیت:

مفتی صاحب نے تعلیم جامعہ نعیمیہ، مراد آباد (انڈیا) سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ جو امتحانات پاس کیے، اُنہیں ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے:

درسِ نظامی: جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے درسِ نظامی کی سند حاصل کی، دستار بندی صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ودیگر اجلہ اکابر علماءِ اہلسنت کے دست ہائے مبارکہ سے ہوئی۔

مولوی امتحان: الٰہ آباد بورڈ (انڈیا) سے فروری ۱۹۴۴ء میں پاس کیا۔

منشی: پنجاب یونیورسٹی سے فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ سے مئی ۱۹۵۳ء میں پاس کیا۔

منشی فاضل: پنجاب یونیورسٹی سے فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ سے ۱۹۵۴ء میں پاس کیا۔

الشهادة العالمية: کراچی یونیورسٹی سے فروری ۲۰۰۰ء میں سندِ معادلہ حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

مفتی صاحب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت میں جن اساتذہ کا کلیدی کردار رہا اُن میں آپ کے والدِ گرامی تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الافاضل بدر الاماثل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہما سرِ فہرست ہیں۔

متأثر کُن شخصیات:

مفتی اطہر صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں ہم شبیہِ غوثِ اعظم ابو احمد

سید شاہ علی حسین اشرفی، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ مجھے دو سادات نے بہت متأثر کیا، ایسے مقدس لوگ میں نے بہت کم دیکھے ہیں، ان میں سے ایک سید وصی احمد صاحب اور دوسرے سید مصطفیٰ علی صاحب رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات جامعہ نعیمیہ میں مدرس تھے اور موقوف علیہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا وصی احمد صاحب کا تعلق بہار سے جبکہ سید مصطفیٰ علی صاحب کا تعلق مراد آباد سے تھا۔ ان کے علاوہ پاکستان میں فرزندِ غوث اعظم پیر سید طاہر علاء الدین صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے متأثر کیا۔

علماء و مشائخ کی سنگت:

مفتی اطہر صاحب لکھتے ہیں: "مرحوم مفتی غلام معین الدین صاحب مترجم "مدارج النبوۃ" لاہور اور مولوی محمد نذیر الاکرم مرحوم میرے ساتھیوں میں سے تھے، معاصرین کا مفہوم بہت وسیع ہے، جامعہ نعیمیہ کے استاذہ میں ولی صفت مولانا سید وصی احمد صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا حبیب اللہ صاحب کے علاوہ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے پیر سید جماعت علی شاہ، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اُن کے چھوٹے بھائی مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، مولانا سید غلام جیلانی، مفتی اعظم مولانا مظہر اللہ شاہ صاحب، مولانا محمد اجمل شاہ صاحب، شبیہ غوث اعظم محمد علی حسین صاحب (جو میرے شیخ بھی ہیں)، محدث، کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ اور بہت سے علماء و اولیاء کو دیکھا ہے۔ مولانا ابو الحسنات، ابو البرکات،

مولانا عبد الحامد بدایونی، مونالا حسرت موہانی ، نواب محمد اسماعیل خان وغیرہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگوں میں پیر عبد الرحمن صاحب بھرچونڈی موجودہ پیر عبد الخالق صاحب کے دادا جان کا نام بھی شامل ہے۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو بنارس سُنی کانفرنس جو کارنامے پیر صاحب اور اُن کے مریدوں نے سرزمینِ بنارس میں انجام دیے تھے وہ تحریر کرتا۔

اس کے علاوہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سُنی کانفرنس بنارس میں صدر الافاضل کے ساتھ ایک ماہ بنارس میں رہا، کانفرنس کے موقع پر بہت سے علماء ومشائخ کو دیکھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ تحریکِ پاکستان میں سنی بنارس کانفرنس نے جو کردار پیش کیا وہ تاریخ کا سنہری باب ہے۔ سنی کانفرنس کے ناظمِ اعلیٰ اور نائب ناظم میرے والد نے جو کارنامے انجام دیے اور برسوں تک یہ دونوں حضرات اس تحریک تقسیم ہند کو چلاتے رہے۔ لیکن افسوس! اپنوں نے تو پوری توجہ نہ کی اور غیروں نے تو مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگادی"۔

زبانوں پر عبور:

مفتی محمد اطہر صاحب کی مادری زبان تو اردو ہے، اس کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی زبان کی تحریر و تکلم میں دسترس رکھتے ہیں۔ مفتی صاحب کا اردو، عربی اور فارسی خط بڑا پاکیزہ ہے۔

بیعت و خلافت:

مفتی صاحب سلسلۂ عالیہ اشرفیہ میں شرفِ بیعت رکھتے ہیں، جبکہ سلاسل اربعہ کی خلافت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب اور آپ کے والدِ محترم سے حاصل ہوئیں۔ اس کے علاوہ قادری سلسلہ میں پیر سید طاہر علاء الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریری خلافت عطا فرمائی ہے، مفتی صاحب اول تو مرید نہیں کرتے، اگر کسی کو مرید کرتے بھی ہیں، تو سلسلۂ اشرفیہ میں البتہ خلافت اکثر سلسلہ قادریہ طاہریہ کی عطا کرتے ہیں۔

زیارتِ حرمین:

حرمین شریفین کی حاضری یقیناً ہر مسلمان کے دل کی خواہش ہے، ہر ایمان والے کا دل چاہتا ہے کہ وہ بار بار اس مقدس سفر سے بہرہ یاب ہو اور دو جہاں کی سعادتوں کا مستحق ٹھہرے۔ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب بہت خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جیتے جی گیارہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے چار مرتبہ حج ادا فرمایا جبکہ سعادتِ عمرہ سات مرتبہ نصیب ہوئی۔

پہلا سفر حج جنوری ۱۹۷۲ء میں بحری جہاز سے ہوا، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سفر میں جو کیف نصیب ہوا، اُن کیفیات کا زبان سے اظہار یا اُنہیں قلم بند کرنا مشکل ہے۔

کچھ یادگار واقعات:

مفتی صاحب کی زندگی میں یقیناً بے شمار ایسے واقعات ہوئے ہیں، جو یادگار ہیں، جن میں خواجۂ خواجگان سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری کا واقعہ اور اسی طرح تقسیمِ ہند کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد کا واقعہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

پہلا واقعہ: مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ دسمبر ۱۹۴۶ء میں صدر الافاضل کے ساتھ کاٹھیاوار کے سفر میں جب سلطان الہند کے دربار میں حاضری ہوئی، تو مزارِ مقدس کے حجرہ میں حسنِ اتفاق سے صرف چار افراد تھے، میں، والدِ محترم اور صدر الافاضل اور ایک زائر۔ ایسا موقع کم ہی ملتا ہے کہ حجرۂ مقدسہ میں جمِ غفیر نہ ہوتا ہو۔

دوسرا واقعہ: مفتی صاحب فرماتے ہیں: "غالباً ۱۹۸۹ء یا ۱۹۹۰ء میں مراد آباد (انڈیا) جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے اس سفر کے بارے میں مرادآباد والوں کو میری آمد کی اطلاع نہ تھی، میں نے بعد عصر اسٹیشن سے اپنے اعزہ کے ہاں قیام کی بجائے جامعہ نعیمیہ میں قیام کیا تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے ان دنوں جامعہ نعیمیہ کا جلسہ ہونے والا تھا، دوسرے دن مدرسہ کے طالب علموں کا امتحان تھا۔ امروہہ سے مولوی محمد مبین صاحب بھی ممتحنین میں تھے وہ بر وقت نہ آسکے تھے، درجۂ حدیث کے ممتحن مولانا آل حسن صاحب تھے، انھیں بھی میری آمد کی اطلاع نہ تھی، وہ اپنی قیام گاہ (کمرہ) سے نکلے سامنے سے میں آرہا تھا مجھے دیکھ کر رک گئے اور پہچاننے کی کوشش کی ان کے وہم وگماں میں بھی نہ تھا کہ میں بغیر اطلاع مرادآباد

آجاؤں گا، بہت غور کے بعد آکر لپٹ گئے اور اُن پر رقت طاری ہوگئی، انھیں درجۂ حدیث کا امتحان لینا تھا جبکہ مولوی مبین صاحب موقوف علیہ کی کتابوں کے ممتحن تھے، مدرسہ کے نگراں مولوی محمد یامین سلمہ پریشان کہ اب ان کی جگہ کون امتحان لے، مولانا آل حسن صاحب اور میں دار الحدیث کی طرف جارہے تھے، جب ہم دارالحدیث میں پہنچے، تو مولانا آل حسن صاحب نے مولوی محمد یامین صاحب (مہتمم جامعہ نعیمیہ) سے کہا کہ قدرت تم پر مہربان ہے مولوی مبین کی جگہ اطہر میاں آ گئے ہیں، (والد صاحب کے پرانے شاگرد اور جامعہ کے پرانے طالب علم مجھے 'اطہر میاں' کہتے تھے)۔

اُس وقت مولانا آل حسن کی آنکھوں میں آنسو تھے مجھ سے کہنے لگے کہ آپ یہاں بیٹھیں میں نے کہا کہ حدیث شریف کا امتحان آپ کو لینا ہے، میں تو موقوف علیہ کے ممتحن کی جگہ بیٹھ جاؤں گا۔ پرنم آنکھوں کے ساتھ زبردستی مجھے والد محترم کی جگہ بٹھادیا۔ طالب علم کتابیں لے کر آئے تو مجھے احساس ہوا کہ تونے تو پڑھنے کے بعد ان کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ بہر حال بزرگوں کی دستگیری شامل حال رہی اور میں نے ہدایہ، مشکوٰۃ شریف تفسیر جلالین وغیرہ کُتب کا امتحان لیا۔ شہر کے بہت سے لوگ امتحان دیکھنے کے لیے آئے ہوئے تھے، اُنھوں نے جب دار الحدیث میں مجھے امتحان لیتے دیکھا، تو مولانا یامین سے کہنے لگے (جو مجھے جانتے نہ تھے اور جو جانتے تھے انھیں میری آمد کی اطلاع نہ تھی) انھیں کہاں سے بلا لائے۔ جب یامین صاحب نے میرا تعارف کرایا تو شناسا لوگ کہنے لگے کہ انہیں دیکھ کر تاج العلماء یاد آ

رہے تھے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انھیں بزرگوں کا فیض تھا جو میں نے پختہ کار ممتحن کی طرح امتحان لیا۔

تیسرا واقعہ: استاذی صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین قدس سرہ کے چار صاحب زادے تھے، مولانا ظفر الدین، مولانا اختصاص الدین، سید ظہیر الدین اور اظہار الدین۔ مولانا اختصاص الدین صاحب اپنے والد کی حیات میں ہی پیری مریدی میں مشغول رہے۔ صدر الافاضل کے وصال کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے طالب علم اور دوسرے لوگ بھی ان کے مرید ہوئے تھے۔ (طوالت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے) ان طالب علموں میں ایک نہ صرف مرید ہوئے بلکہ جوانی میں ہی خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ موصوف کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی، چنانچہ ان کے والدین کو بیٹے کی شادی کی بہت آرزو تھی۔ لہٰذا انھوں نے پیر صاحب سے رجوع کیا، تو پیر صاحب نے مرید خاص اور خلیفہ کو حکم دیا کہ والدین کے حکم کی تعمیل کریں۔ چنانچہ بزرگوں کے حکم پر اُن کا رشتہ ایک جگہ طے کیا گیا۔ سوئے اتفاق کہ جہاں رشتہ طے کیا گیا، وہ لوگ عقیدتاً لڑکے والوں سے مختلف تھے، اس بات کا پتہ نکاح کے وقت تک نہ ظاہر نہ ہوا۔ سب معاملات طے ہو گئے اور شادی کی تاریخ بھی مقرر کر لی گئی۔ دعوت نامے تقسیم کے دیے گئے۔ مولانا اختصاص الدین مرحوم اور دولہا کے احباب شادی میں شرکت کے لیے تیاری کرنے لگے۔ چنانچہ شادی سے ایک دن پہلے

مراد آباد کے ایک قصبہ سے روانہ ہونے لگے، ان میں مدرسہ کے مدرسین اور احباب شامل تھے۔ روانگی سے قبل مولانا اختصاص الدین مرحوم نے راقم الحروف اور گھر والوں کو شرکت کی دعوت دی۔ راقم نے معذرت کرلی تو انھوں نے والدِ محترم تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ سے رجوع کیا اور والد صاحب نے مجھے شرکت کے لیے فرمادیا۔ یہاں یہ بھی قابلِ توجہ بات ہے کہ مولانا اختصاص الدین صاحب پیر اور عالم ہونے کے سبب وظائف تو پڑھتے تھے، لیکن نماز کی امامت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ جامعہ نعیمیہ کی موجودگی کے باوجود امام کے لیے مجھے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تھا۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت بارات روانہ ہوئی اور دلہن کے گھر پہنچے۔

برات میں دولہا کے رشتہ داروں کے علاوہ مراد آباد سے آئے ہوئے مہمان اور دیگر مقامی لوگ شامل تھے۔ ہندوستان کے ایک مشہور عالم بھی شریک تھے۔ دلہن کے گھر پہنچ کر حضرت مولانا اختصاص الدین صاحب مکان کے ایک کمرے میں بیٹھے، تو پتہ چلا کہ لڑکی والوں نے نکاح خوانی کے لیے ایک (دیوبندی) مولوی کو بلایا ہوا ہے۔ موصوف نکاح خوان دولہا کے قریب بیٹھے، نکاح کے وکیل و گواہان آئے تو وکیلِ نکاح اور نکاح خواں نے کہا کہ سہرہ اُتارا جائے کہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ باراتی جو دولہا کے قریب بیٹھے تھے، انھوں نے انکار کر دیا کہ سہرہ نہیں اُتارا جائے گا۔ اس کو ایک طرف یا درمیان سے

اوپر کیا جاسکتا ہے۔ نکاح خواں اور وکیلِ نکاح نے سہرہ اُتارنے پر اصرار کیا، تو باراتیوں اور دلہن والوں نے بھی سہرہ اُتارنے پر اصرار کیا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ لاٹھیاں نکل آئیں۔ گویا نکاح میں ایک ہنگامہ تھا اور مولانا محمد اجمل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت پریشان تھے، یہ کیا ہو رہا ہے کہ نکاح کی محفل میں لاٹھیاں نکل آئی ہیں۔

راقم الحروف (محمد اطہر نعیمی) اور مراد آباد سے آئے ہوئے مہمان دولہا کے قریب تھے۔ اس وقت میں نے غیرت اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وکیلِ نکاح سے دریافت کیا: وکیل کون ہے؟ تو دوسرا سوال یہ کیا کہ گواہ کہاں ہیں؟ میں کہا: تم لوگ کھڑے ہو جاؤ، چنانچہ یہ تینوں اور حاضرین یہ کہ یہ (کم عمر) مذاق کر رہا ہے، انھوں نے میرے کہنے پر عمل کیا، میں نے اُن سے شہادت لی اور خطبہ نکاح سے پہلے ایجاب و قبول کرادیا۔ جب ایجاب و قبول کے بعد خطبہ نکاح بلند آواز سے پڑھا، تو حاضرین پر سناٹا چھا گیا اور وہ لاٹھی باز، جو سہرہ اُتارنے پر مصر تھے، نیم مردہ ہو گئے۔

جب مولانا محمد اجمل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے اور دعا مانگتے دیکھا، تو فوراً آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا اور بہت دعائیں دیں۔ اس واقعہ کے بعد مولانا محمد اجمل صاحب مجھ سے اولاد سے زیادہ محبت

فرماتے اور مراد آباد آکر والدِ محترم، مفتی تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کو محفلِ نکاح اور میری جرأت کا سارا واقعہ سنایا اور بہت دعائیں بھی دیں۔

کنز الایمان کی اشاعتِ اوّل:

کنز الایمان کی اشاعتِ اوّل کب اور کیسے ہوئی؟ اس سلسلے میں مفتی اطہر نعیمی صاحب نے فرمایا کہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ (مفتی محمد عمر نعیمی) نے بتایا تھا کہ اس کا پہلا ایڈیشن میرے نعیمی پریس، مراد آباد سے شائع ہوا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کی اشاعت کا مرحلہ آیا، تو اُس کی طباعت کی ذی داری والد صاحب کے سپرد ہوئی۔ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ کتابت کے تین نمومے ساتھ لے کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنھیں دکھایا، معیار کے اعتبار سے پہلے نمبر والا خدمت میں پیش کیا، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: اس کاتب کا عقیدہ کیا ہے؟ ابا جان نے بتایا کہ یہ اثنا عشری ہے، دوسرا پیش کیا، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہی سوال فرمایا: اس کا عقیدہ کیا ہے؟ ابا جان نے بتایا کہ یہ دیوبندی ہے اور تیسرے کاتب کے عقیدے کے بارے میں پوچھا، تو ابا جان نے بتایا کہ یہ متصلب سُنی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسی سُنی سے کتابت کروائی جائے، لہٰذا اُسی سے کنز الایمان کی کتابت کروائی گئی۔ یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی تھا کہ معیار کے اعتبار سے تیسرے درجے والے کاتب سے کتابت صرف اس لیے کروائی کہ وہ سُنی تھا اور بد مذہب سے نہیں کروائی“۔

مفتی اطہر نعیمی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ارشاد علی مرحوم نے بتائی تھی، ہوا کچھ یوں کہ کنزالایمان کے وہ کاتب یہاں کراچی میں گجر نالہ (ایف۔ سی ایریا) کے پاس آکر آباد ہو گئے تھے، انہوں نے ہی یہ سارا واقعہ بتایا۔ پھر ہمیں کُرید ہوئی تو ہم نے ابا جان رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا، تو ابا جان نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

پہلا ایڈیشن تو شاید میں دیکھ نہ سکا، البتہ دوسرا ایڈیشن جس کے ساتھ خزائن العرفان کا حاشیہ شائع کیا گیا تھا وہ میرے پاس تھا۔ ایک صاحب مجھ سے چھاپنے کے لیے لے کر بھی گئے تھے، لیکن کچھ نہیں کیا اور واپس اس طرح کیا کہ اُس میں سے کچھ صفحات غائب تھے۔ ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ کنزالایمان کی اشاعتِ اول کے ذکر میں کہیں بھی ابا جان رحمۃ اللہ علیہ یا کاتب وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا ہے، وجہ کیا ہے۔۔۔؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جامع مسجد آرام باغ، کراچی:

مفتی صاحب جامع مسجد آرام باغ (کراچی) کی خطابت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”والد محترم کے انتقال کے بعد جامع مسجد آرام باغ کی خطابت کا مسئلہ تھا۔ یہاں مجھے مولانا عبد الحامد بدایونی یاد آرہے ہیں جب والد صاحب کی نماز جنازہ کے لیے ناظم آباد نمبر ۳ عید گاہ جارہے تھے، تو مولانا نے مجھ سے کہا تھا کہ شیروانی اور عمامہ ساتھ لے لینا میرے علاوہ میرے چھوٹے بھائی حافظ محمد ازہر (مرحوم) سے بھی

کہا وہ مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا بدایونی نے عمامہ اور شیر وانی کے لیے کہا ہے، غرض یہ کہ عمامہ اور شیر وانی ساتھ لے لیا گیا، جنازہ گاہ پہنچ کر مولانا بدایونی نے جنازہ کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ نمازِ جنازہ مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد اطہر نعیمی پڑھائیں گے جو مفتی صاحب کا بیٹا ہونے کے علاوہ ماشاء اللہ عالم بھی ہیں۔ چنانچہ نمازِ جنازہ میں نے پڑھائی اور والد صاحب کی علالت کے زمانہ میں جو صاحب جمعہ پڑھا رہے تھے وہ اپنی جگہ چلے گئے تھے اور آرام باغ کی مسجد کی خطابت میرے نام آ گئی۔ آج ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۴ء کو والدِ محترم کا پچپاسواں یومِ وصال ہے، اس طرح مجھے آرام باغ کی خطابت کو ۴۹ سال ہو گئے۔

شادی خانہ آبادی:

مفتی صاحب کی شادی صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر ۶/ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہونا قرار پائی اور دوسرے دن سُنتِ ولیمہ ادا کی گئی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دن صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظورِ نظر شاگرد رشید مفتی محمد عمر نعیمی سے فرمایا: ”مولانا! اِن (میری طرف اشارہ کر کے) اطہر میاں کا نکاح میری زندگی میں ہی کر دو“۔ بس پھر کیا تھا چند ہی روز گزرے تھے کہ تاج العلماء نے مفتی صاحب کی شادی کا انتظام کر لیا اور یوں دسمبر ۱۹۴۷ء میں آپ کا نکاح پڑھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاک طینت جوڑے کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے

نوازا، جو سب کے سب اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور سکونِ قلب وروح ثابت ہوئے۔ (تفصیلات سے خود ستائش کا خطرہ ہے)۔

تحریری خدمات:

ترجمۂ قرآن اردو (غیر مطبوعہ)، ترجمہ معارج النبوۃ حصہ اول۔ ترجمہ شفاء قاضی عیاض مالکی حصہ دوم، اصلاحِ زبان وبیان قلائد الجواہر۔ غزوات پر مشتمل ایک کتاب جس کا نام اس وقت ذہن میں نہیں اس کی اصلاحِ زبان کی جو اصحابی کے نام سے مشہور ہوئی، اس کے علاوہ مؤرخ محمد بن اسحق کی کتاب کا ترجمہ فارسی میں ہوا تھا، فارسی ترجمہ کو اردو میں منتقل کیا، جو مکتبہ نبویہ لاہور سے چھپا تھا۔ اس کے علاوہ اخبارات ورسائل کے لیے مضامین لکھے لیکن یہ نہ سوچا کہ مستقبل میں ایسے لوگوں سے واسطہ ہوگا جو یہ کرید کریں گے کہ اتنی عمر میں کیا کارنامے انجام دیے ہیں۔

کل تصانیف وتراجم کی تعداد کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: یہ سوال بہت مشکل ہے، اس لیے کہ کچھ کتابیں ایسی ہیں، جو دوسروں کے نام سے طبع ہوئی ہیں۔ یہ میرے ساتھ ہی نہیں ہوا، اس میدان کے بہت سے شہ سواروں کے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ ان تمام کے علاوہ اِفتاء نویسی کرتے ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا، البتہ اب تک کتنے فتاویٰ تحریر کیے ہیں؟ انھیں کبھی گنا نہیں۔

ہم نے سُنا ہے کہ ۱۹۸۸ء میں آپ کو بہترین مقالہ نگار کے اعزاز سے نوازا گیا تھا، اس کے بارے میں آگاہ کیجیے۔ اس پر فرمایا کہ صوبۂ سندھ کی سطح پر وزارتِ

مذہبی اُمور و اقلیتی اُمور اسلام آباد کے زیرِ اہتمام بارہویں 'قومی سیرت کانفرنس' منعقد ہوئی تھی، جس میں الحمد للہ صوبۂ سندھ کے مقالہ نگاروں میں میرا مقالہ اول آیا تھا اور مجھے صوبۂ سندھ کا بہترین مقالہ نگار کے اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا، حکومت کی طرف سے کچھ نقدی بطور انعام بھی دی گئی۔

شعر و شاعری سے متعلق:

ایک سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کو شعر و شاعری سے بھی کچھ دل چسپی اور لگاؤ ہے؟ فرمایا: پاکستان آنے کے بعد ایسا ماحول نہیں ملا، جو شعر گوئی کی طرف متوجہ کرتا، البتہ موجودہ ماحول میں تحسین ناشناش اور سکوتِ سخن شناش ہمیشہ مدِ نظر رہا۔ مجاز کی جانب زیادہ توجہ نہیں رہی، البتہ نعت شریف ذوق سے سُنتا ہوں لیکن ہر شاعر اس فن سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اَنٹ شنٹ لکھتا ہے، اس لیے ہر شاعر کا کلام نہیں سُنتا۔ شاید پُرانے کاغذات میں ایک دو نعتیں مل جائیں اگر دستیاب ہوئیں تو آپ کو مل جائیں گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خود شاعری کا ذوق رکھتے ہیں اور سُنا ہے کہ اس فن میں مشاق ہیں۔

تحـــریری شہ پارے

ا۔ تاثرات:

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

فائدہ: کچھ عرصہ قبل راقم قبلہ بقیۃ السلف، افتخار العلماء مفتی محمد اطہر صاحب نعیمی حفظہ اللہ کی خدمت میں "کتاب نَظْمُ الدُّرَر فِيْ سِلْكِ شَقِّ الْقَمَر"، مؤلفہ: علامہ عبد الحلیم بن امین اللہ حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، کا اردو ترجمہ بنام: "**شق قمر کا معجزہ**" پیش کیا، جو ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / جنوری ۲۰۱۳ء، میں جمعیت اشاعتِ اہلسنت پاکستان، کراچی سے شائع ہوا تھا، لے کر حاضر ہوا اور انہیں یہ ترجمہ پیش کیا۔ آپ نے اسے بغور مطالعہ کیا اور از خود کچھ تاثرات لکھ کر راقم کو پیش کیے۔ یہ مترجم کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہے کہ مفتی صاحب کے گراں قدر تاثرات اس ترجمہ پر ہیں۔ علیمی

شق القمر نے کافروں کے دل شق کر دیے

شق القمر کے موضوع پر عربی رسالہ کا اردو ترجمہ عزیزی مولوی حامد علی سَلَّمَهُ نے کیا ہے، یہ ترجمہ میرے سامنے ہے۔ اس موضوع پر اس مختصر کتابچہ میں جو مضامین سما سکتے تھے، وہ فاضل مصنف / مؤلف نے اس میں سمو دیے۔ لیکن اس اہم کتاب سے جتنا فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا وہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ اس تحریر سے صرف باصلاحیت عربی دان استفادہ کر سکے (یہاں دلچسپی کے طور پر موجودہ معاشرہ میں جس نے "عم" کا پارہ تھوڑا بھی پڑھ لیا وہ بھی عربی دانی کا مدعی ہو جاتا ہے)۔

قابل ستائش ہیں عزیزی حامد علی علیمی کی مساعی اور ادارہ (جمعیتِ اشاعتِ اہلسنت پاکستان) کے اراکین کی کوششیں، جنہوں نے اس کتاب کو فاضل مترجم کے ترجمہ، تخریج اور حاشیہ کے ساتھ شائع کیا، جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ۔

ناظرینِ کرام! مجھے زیر نظر کتاب پر تنقید و تبصرہ نہیں کرنا، جب فاضل ترجمہ نگار نے اپنے اس کارنامہ کو مجھے دکھایا تو اس کے مطالعہ کے بعد ایک پرانی ضرب المثل کے مطابق "باسی کڑھی میں اُبال" آگیا۔ اور معاشرتی، معاشی مصروفیات کے علاوہ پیرانہ سالی کے باوجود یہ دل چاہا کہ میں بھی کچھ لکھ کر ذخیرۂ آخرت میں اضافہ کروں۔ چنانچہ اپنے جذباتِ اِخلاص کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے لگا۔ چند صفحات لکھ کر فاضل مترجم کو دیے کہ یہ قسط اول ہے تکملہ کے صفحات مکمل کرکے آپ کے سپرد کروں گا۔ لیکن شامتِ اعمال مولانا حامد علی کے کمپوز (Compose) کیے ہوئے صفحات اِدھر اُدھر (Misplace) ہوگئے، تو بجائے اس کے کہ میں اس تحریر کی فوٹو کاپی حاصل کرتا ان صفحات کو دوبارہ لکھ رہا ہوں اور یہ احساس بھی ہے کہ جس طرح میں دوبارہ لکھنے کی محنت کر رہا ہوں اس طرح مولانا علیمی سَلَّمَہٗ کو پھر ٹائپ کی محنت کرنا ہوگی، موضوعِ کتاب "معجزہ شق القمر" ہے۔

لفظ "معجزہ" کے سلسلہ میں اربابِ علم و عقیدت نے لکھا اور خوب لکھا ہے، لیکن اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اربابِ علم کتاب کو پڑھ کر مصنف کو خراجِ تحسین پیش کریں گے۔ جہاں تک اربابِ علم نے (ثبوت) معجزہ کے بارے میں عقیدت و محبت اور حقانیت کا اظہار کیا ہے، وہیں تک بعض لوگوں نے

خامہ فرسائی کی ہے، ان میں اپنے بھی شامل ہیں اور اغیار بھی (غیر مسلم) غیروں سے شکوہ نہیں تعجب تو اپنے ان (مدعیان اسلام) سے ہے جو مذہب کی ٹھیکیداری کے دعویدار ہیں اور مثبت انداز سے صرفِ نظر کرکے منفی انداز معجزات کے خلاف لکھ کر (یہ الفاظ لکھتے ہوئے قلم تھر تھراتا ہے) اپنے خبث باطن کا اظہار کیا ہے۔ میں اس موضوع سے صرفِ نظر اس لیے کر رہا ہوں کہ میری تحریر سے بحث ومباحثہ کا دروازہ نہ کھلے، تاکہ فاضل مصنف (مرحوم) کی عقید تمندانہ تحریر پر اعتراضات ہوں۔

ناظرین گرامی! اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ حالات زمانہ کس تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، اس میں مثبت انداز بھی ہیں اور منفی بھی۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے وہ علمی بھی ہے کہ ماضی میں نہ تو کاغذ دستیاب تھا نہ پریس تھے نہ فاؤنٹن پین میسر تھے نہ بال پوائنٹ اور سب سے بڑھ کر رسم الخط کا تعین۔ بات طویل ہو رہی ہے جو سہولتیں آج ہیں وہ پہلے نہ تھیں، زیادہ بھروسہ یاد داشت پر تھا، جس کا حافظہ زبردست تھا وہ زیادہ کامیاب تھا۔

یہ سطور اس لیے تحریر کر رہا ہوں کہ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جتنی احادیث مروی ہیں، اتنی کسی اور صحابی حتی کہ خلفاء راشدین سے مروی نہیں، یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے (تفصیلات کتب سیرت یا اسماء الرجال میں دیکھیں)۔ جہاں تک "معجزہ شق القمر" کا تعلق ہے تو قارئین کو یاد ہوگا کہ اعلان اسلام سے قبل سرزمین عرب کا کیا حال تھا، صرف ایک جملہ میں "عیبوں کو ہنر سمجھ کر اپنایا گیا تھا"۔

اعلان نبوت سے پہلے مکہ کے لوگوں کا ختم المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو صادق وامین کہہ کر پکارنا اپنے معاملات میں آپ کو اپنا حکم تسلیم کرنا (مثلاً تنصیب حجر اسود وغیرہ)، لیکن جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نعرۂ توحید بلند فرمایا اور قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا درس دیا، تو یہی مکہ والے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دشمن بن گئے اور نہ صرف آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بلکہ آپ کے دامن سے وابستہ ہونے والوں پر ظلم و ستم پہاڑ توڑے، لیکن ماضی میں مسلمان کا یہ حوصلہ تھا کہ تاریخ میں آج بھی خبیب وبلال وغیرہ رضی اللہ عنہما کے نام درخشندہ وتابندہ ہیں۔

تعارفاً چند کلمات بسلسلہ موضوع کتاب زیر مطالعہ

"نَظم الدرر فی سلك شق القمر"

شق کے معنی کسی چیز کا پھٹ جانا، ٹکڑوں بکھر جانا ہے، قمر کا معنی: 'چاند'، شقِ قمر یعنی: چاند کا پھٹ جانا، ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانا۔ کتاب کے ٹائیٹل پر دو نام تحریر میں ایک عربی جس کا تذکرہ ماسبق سطر میں، اردو (ہماری مادری) زبان میں بنام "شق القمر کا معجزہ"۔

علمی ابحاث سے صرف نظر کرتے ہوئے ذہن میں آنے والی چند باتیں

'معجزہ' عجز سے ماخوذ ہے، اردو لغت کے مطابق (ع ج ز) پہلا حرف ع پر فتح زبر (اب محاورہ میں ع کے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ عِجز پڑھا جانے لگا ہے۔) اس کے اطلاقات اور معانی، ناچاری انکساری فروتنی، گڑگڑانے یا منت وسماجت وغیرہ کے آتے ہیں۔ کتابِ ہدایت قرآن مجید میں یہ لفظ عَجز مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ عجز کا استعمال قدرت وصلاحیت کے مقابلہ میں ہوتا ہے مثلاً وہ (شخص) یہ کام

کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا آسانی کے لیے یوں کہیں کہ اس میں یہ صلاحیت ہے ہی نہیں۔ ہم اس کو درماندگی بھی کہہ سکتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں ہابیل و قابیل کے واقعہ میں سورۂ یوسف (علیہ السلام) میں قصص کا لفظ آیا ہے۔ موجودہ دور کے اندازِ تحریر میں قصہ صدق وکذب دونوں کا عکاس ہوتا ہے جبکہ دینی امور اور آیات قرآنی میں مذکور واقعہ سراسر صدق ہے اور کذب (جھوٹ) سے محفوظ کرتا ہے میں نے اسی لیے ہابیل و قابیل کا واقعہ لکھا ہے قصہ نہیں کیونکہ ان واقعات کی صداقت میں کوئی شک نہیں اور وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔

کتاب نظم الدرر کے مؤلف (کتاب اندرونی ٹائیٹل کے بموجب) نے کتاب کی ابتدائی سطور کے مطابق خارق عادت امور کو معجزہ کہا ہے اور خارق عادت اُمور کی اقسام کی ہیں اور معجزہ کی لفظی تعریف اور اس کی ابحاث پر خاصا تبصرہ کیا ہے مجھے چونکہ کتاب پر تبصرہ مقصود نہیں مجھے تو ان جذبات کا اظہار مقصود ہے جو کتاب کو پڑھ کر میرے دل میں آئے۔

ناظرین گرامی! ماسبق سطور تک لکھنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ جذبات میں کچھ زیادہ لکھ رہا ہوں اور اپنی ہیچمدانی کا احساس دامن گیر ہوا، لیکن فاضل مؤلف کی اصل کتاب کا ترجمہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ اصل مختصر ہے، لہٰذا اسی کو میں بھی مد نظر رکھوں۔ ورنہ خرق عادت، قانون فطرت وغیرہ متعلقہ اصطلاحات کے بارے میں لکھتا کہ ان اصطلاحات کے ذیل میں منکرین معجزات نے لفظی پیچیدگیوں سے اذہان

کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی ہے (مثلاً فرعون کا معاملہ کہ اس وقت کا اسلام قابل قبول ہے یا نہیں وغیرہ) اس لیے میں نفس موضوع کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

تاریخ مکہ کے مرتب رقم طراز ہیں کہ ایک چاندنی رات کارخانۂ قدرت کے مختار کل منیٰ میں رونق افروز تھے کہ وہ اسلام دشمن ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، ربیعہ بن اسود، نضر بن حارث اور صاحب القول المبین محمد الطیب النجار (رئیس جامع ازہر مصر) کے بقول اسود بن عبد یغوث اور عاص بن ہاشم بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اصدق الصادقین رحمۃ للعالمین ﷺ سے عرض کیا: اگر آپ اعلان نبوت میں سچے ہیں تو چاند کو دو نیم (دو ٹکڑے) کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا ابو قبیس نامی پہاڑی کے ایک طرف ہو تو دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان کی دوسری طرف ہو۔ سیّد المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا ہو جائے تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس سوال کے جواب میں ان بڑبولوں (وعدہ کی پاسداری نہ کرنے والوں) نے کہا: ہاں ہم ایمان لے آئیں گے، (اور آپ کی نبوت کی تصدیق کریں گے) ان کے اس مطالبہ پر کارخانۂ قدرت کے مختار کل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے چاند کی طرف انگشت (شہادت) سے اشارہ فرمایا تو چاند شق ہوا (پھٹ گیا) اور دونوں پہاڑوں کے اطراف میں آ گیا۔

وہ کافر تو اس گمان میں تھے کہ ہمارے یہودی مشیروں نے جو مشورہ دیا ہے کہ خطۂ زمین پر تو ان کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں آسمان تک معجزات رونما نہ ہوں

گے، یہ مشورہ درست ثابت ہو جائے گا۔(یہ تھی یہودیوں کی سازش کہ خود نویس پردہ میں رہے اور مکہ کے کافروں کو آگے بڑھادیا۔)

پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ”ضیاء القرآن“ میں سورۂ قمر کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

”اس طرح انکار سے حقیقت مسخ نہیں کی جاسکتی (جس کا مظاہرہ)انہوں (کافروں) نے اپنی آنکھوں مشاہدہ کیا تھا کہ اتنا بڑا کرہ جو ان کی زمین سے کئی گناہ بڑا ہے (انگلی کے اشارہ سے) پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اگر یہ کرہ پھٹ سکتا ہے تو دوسرے کرّے کیوں نہیں پھٹ سکتے یہی تو قیامت ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔

اس سورت کی ابتدائی تین آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

”قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا اگر اور کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے اور یہ کہتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ انہوں نے جھٹلایا رسول خدا کو اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لیے انجام ہے“۔

شق قمر کا معجزہ آسماں پر ہوا اور زمین پر بسنے والوں نے اسے دیکھا۔ لیکن ان عہد شکنوں نے اعتراف حقیقت کی بجائے اپنی پرانی رٹ لگائی ”یہ تو کھلا جادو ہے“۔ لیکن نظام قدرت فَبُهِتَ الَّذِی كَفَرَ۔

یاد رکھیے کور دلوں (دل کے اندھوں) کو ہر اچھائی بھی برائی دکھائی دیتی ہے اور بقول شیخ سعدی "عیب نماید ہنرش در نظر" ان دل کے اندھوں نے جو جملہ کہا وہ ان کی شقاوت قلبی کا آئینہ دار ہے کہ یہ تو ابن ابی کبشہ کے جادوؤں میں سے ایک جادو ہے، اس واقعہ کی جھلک آپ نے سابق میں ملاحظہ کی ہوگی۔

جب چاند شق ہوا تھا تو محسن انسانیت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ اب تو تم نے شق القمر دیکھ لیا اب تو ایمان لے آؤ اور اس حقانیت کے گواہ بن جاؤ وہ ہٹ دھرم کہنے لگے کہ یہ تو نظر بندی ہے۔ مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والوں سے تصدیق ہونی چاہیے کہ انہوں نے بھی شق شدہ چاند کو دیکھا ہے۔ چنانچہ مکہ کے باہر سے آنے والوں سے معلومات کی گئیں تو تصدیق ہوئی کہ انہوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑوں میں منقسم دیکھا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مدارج النبوۃ" میں اس موضوع پر اپنی مشہور کتاب جو فارسی میں ہے، خوب لکھا ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے، (یاد رہے کہ مکہ کے اسلام دشمن طنزاً نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے):

"بعض ملحدوں کا یہ کہنا کہ اگر اس معجزہ شق القمر کا واقعہ (حدیث) بطریق تواتر ہوتا تو اس کی معرفت میں روئے زمین کے تمام لوگ شامل ہوتے اور یہ مکہ والوں کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا اور شق القمر کا واقعہ حس اور مشاہدہ سے متعلق ہے اور ایسے عجیب وغریب یا یوں کہیں کہ نرالی باتوں کو دیکھنے کا لوگوں کو شوق ہوتا ہے اور خلافِ عادت امور کی معلومات امور میں خاص جذبہ کار

فرما ہوتا ہے اگر اس واقعہ کی کوئی صحت واصلیت ہوتی تو ہمیشہ کتب تاریخ میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ یا تاریخ کے علاوہ علم نجوم کی کتابوں میں اس واقعہ کا نہ ہونا یا اتفاقیہ طور چھوٹ جانا یا اس واقعہ کے تذکرہ سے غفلت برتنا جائز ہوتا کیونکہ یہ تو ایک اہم معاملہ تھا"۔

شیخ محقق نے مزید یہ فرمایا ہے:

"اس کا جواب علماء نے یہ دیا کہ یہ قضیہ ان باتوں سے خارج ہے جس کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے یہ واقعہ تو وہ ہے جس کا ایک قوم کے خاص لوگوں نے مطالبہ کیا تھا علاوہ ازیں یہ واقعہ رات کے وقت ہوا عموماً لوگ رات آرام کرتے (سوتے) ہیں اگر کچھ لوگ جاگتے بھی ہوں تو بعض لوگ اپنے کاموں کی انجام دہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ صحرا (جنگل غیر آباد علاقوں) ان کی وجودگی یا بیداری اتفاقیہ یا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ (زیادہ دیر کا نہیں تھا) چند لحظوں کا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے مشاہدہ میں رکاوٹیں حائل ہوں مثلاً بادل (ابر) بارش یا بعض علاقوں میں پہاڑ وغیرہ اس اہم واقعہ کو دیکھنے سے قاصر رہے ہوں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"اور یہ بات عادتاً بعید (مشکل) ہے کہ لوگ (مسلسل) چاند کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے ہوں یہ صورت تو صرف اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جب انہیں پہلے سے معلوم ہو اور اس کو دیکھنے کے لیے آمادہ کیا گیا ہو، وقت اور مقام کا تعین

اور تاریخ واقعہ مقام کی نشاندہی کی تشہیر کر دی گئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ چاند اپنی اس منزل میں ہو جس سے اُفق پر کہیں تو ظاہر ہوتا ہو اور کہیں نہیں گو تو دکھائی دے اور کہیں نہیں اور اس کی دلیل چاند اور سورج گہن سے واضح ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو گہن کو جانتے ہیں اور بعض اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور اہل کا دیکھنا یا نہ دیکھنا تحت قدرت خداوندی ہے جسے چاہے دکھائے یا نہ دکھائے اور واقعہ شق القمر میں مقصود تو ان لوگوں کو دکھانا تھا جنہوں نے مطالبہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے دیکھ لیا تھا لیکن وہ دیکھنے کے بعد بھی نہیں بلکہ مضافات مکہ سے آنے والوں کی تصدیق کے بعد بھی اپنی ضد کو نہ چھوڑا سارے عالم کو دکھانے کی کیا حاجت"۔

قارئینِ گرامی! آپ کو معلوم ہو گا کہ جناب ابو طالب اور کفار مکہ کی گفتگو کے بارے میں کہ جب جناب ابو طالب نے کفار مکہ کی گفتگو کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو بتایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر کفار مکہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیں (جو امر محال ہے) اور مجھے تبلیغ دین سے روکنا چاہیں تو میں تبلیغ دین سے باز نہ آؤں گا۔

لیکن قدرت کاملہ نے فرمان نبوی کے مطابق آپ ﷺ کو چاند پر شق القمر کے موقع پر زیر اختیار دکھایا اور غزوۂ خیبر کے ذیل میں شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یہ واقعہ مقام مہیا میں پیش آیا جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز عصر نہیں پڑھی سورج قریب بہ غروب تھا سرکار دو عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا، سورج

پلٹ آیا دھوپ ہو گئی جناب علی رضی اللہ عنہ نے سورج کی روشنی میں نماز عصر ادا کی تھی اس طرح فرمان نبوی کے مطابق چاند اور سورج دونوں زیر فرمان نبوی عمل پیرا ہوئے۔

کسی شاعر نے اپنے جذبات کا اظہار کیا:

اے قمر شق ہوا مہتاب پیمبر کے لیے
ہم نے دو ہوتے ہوئے چاند کی دنیا دیکھی
یہ مصطفےٰ کا ہاتھ کرامت بکف سحر
شقِ قمر سے رجعتِ خورشید تک اثر

حدیث قدسی ہے رب کریم جل جلالہ نے فرمایا ہے: "اے حبیب! اگر آپ کی اظہار شان مقصود نہ ہوتی تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا"۔

حسن اتفاق ان سطور کے کہنے کے دوران دو واقعات ایک قدیم اور ایک ماضی قریب کا زیر نظر آئے، آپ کی نذر ہیں۔ مصباح الدین شکیل صاحب نے لکھا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

برطانوی یونیورسٹیوں کے ایک سیمینار میں ڈاکٹر زاغلول النجار نے خطاب کرتے ہوئے کہا: چاند کے شق ہونے کا معجزہ حال ہی میں (مزید) پایہ ثبوت کو پہنچا ہے۔

برطانوی پادریوں (Brothers) میں ایک جو اسلام کے بارے میں بہت متجسس ہے وہ برادر داؤد موسیٰ ہیں۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ میں سچے دین کی تلاش میں سرگرداں تھا میری جستجو دیکھ کر ایک دوست نے مجھے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ دیا

گھر آکر جب میں نے اس ترجمہ کو دیکھنے کے لیے کھولا تو اس صفحہ پر سورۂ قمر تھی آیت کا ترجمہ:

"قیامت قریب آچکی چاند شق ہو گیا"، بڑے طنزیہ انداز میں دھرا کر "چاند شق ہو گیا" بے اختیار میری زباں سے نکلا "غلط بالکل غلط"، اور ترجمہ کو بند کر دیا اور اسے اُٹھا کر رکھ دیا اور عرصہ تک اسے نہ دیکھا۔ داؤد موسیٰ کا بیان ہے ایک دن ٹیلیویژن B.B.C پر ایک پروگرام جس میں براڈ کاسٹر اور تین امریکی سائنسدانوں سے مذاکرہ نشر ہو رہا تھا۔

براڈ کاسٹر نے کہا تھا کہ امریکہ کا خلائی ادارہ لاکھوں ڈالر خرچ کر رہا ہے جبکہ لاکھوں انسان غربت وافلاس سے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں خلائی ادارہ کے ارکان (سائنس دان) خلائی تحقیق کی اہمیت واضح کر رہے تھے اور دوران گفتگو وہ چاند پر جانے والی خلائی مہم کی طرف آگئے جس پر ۱۰۰۰ سو بلین ڈالر خرچ ہو چکے ہیں، اس دوران براڈ کاسٹر نے کہا کہ پھر تو چاند پر امریکی پرچم لہرا دو جس پر اتنی دولت خرچ ہو چکی ہے اس جملہ پر ایک سائنس دان نے کہا کہ ہم نے اتنی خطیر رقم اس لیے خرچ کی ہے کہ چاند کی اندرونی ساخت دیکھ کر یہ معلوم کریں کہ زمین اور چاند کی اندرونی سطح میں کیا کیا مماثلتیں ہیں اور آپ (BROADCASTER) کو تعجب ہو گا کہ چاند کی سطح سے اندرونی گہرائی تک ایک پتھروں کی پٹی(BELT OF ROCKS) چلی گئی ہے۔

ہمیں (سائنس دانوں کو) حیرت ہوئی اور اس کا تذکرہ ماہرین ارضیات سے کیا تو وہ بھی حیران رہ گئے اور نتیجہ خیز بات یہ کہی کہ یہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک چاند ایک مرتبہ شق نہ ہو گیا ہو اور اسے پھر دوبارہ جوڑ دیا گیا ہو اور پتھروں کی پٹی دو آدھے حصوں کو دوبارہ جوڑے جانے کو ظاہر کرتی ہے۔

T.V کا مذاکرہ سن کر داؤد موسیٰ اچھل پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے یہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ہے جو چودہ سو سال (۱۴۰۰) پہلے ہوا تھا۔

داؤد موسیٰ کا کہنا ہے کہ اب امریکی لاکھوں ڈالر خرچ کر کے مسلمانوں کے لیے (معجزہ شق القمر کا) ثبوت مہیا کر رہے ہیں۔ (داؤد موسیٰ کے الفاظ) یہ چاند میرے لیے اسلام سے انکار کا سبب بنا تھا، اب اسلام قبول کرنے کا سبب بن رہا ہے۔

محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تصنیف (۱۶۰۶ء) میں لکھا ہے کہ عرب کے مسلمانوں کی ایک جماعت قدمِ گاہ آدم (علیہ السلام) کی زیارت کے لیے سراندیپ (موجودہ سری لنکا) جاتے ہوئے مالا بار (موجودہ ہندوستان کا ایک صوبہ) کے ساحل پر اُتری۔ راجہ سامری سے جب ان زائرین کی ملاقات ہوئی تو اس نے اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے بارے میں گفتگو کی اور معلومات حاصل کیں دوران گفتگو معجزۂ شق القمر کا بھی ذکر آیا۔ تو راجہ نے ریاست کے اس محکمہ کے کارکنوں سے کہا کہ پرانی دستاویز دیکھی جائیں کیا ایسا واقعہ پیش آیا اور اس کے بارے میں کوئی دستاویز موجود ہے تلاش کے بعد دستاویز دستیاب ہوئی کہ فلاں تاریخ کو ایسا واقعہ پیش آیا تھا اس

وقت کے راجہ نے یہ معجزہ دیکھا اور حکم دیا کہ یہ واقعہ قلمبند کیا جائے اور شاید یہ واقعہ اس کے اسلام کا سبب بنا تھا۔

قارئین گرامی! موجودہ دور میں یہ طریقہ رائج ہے کہ مضمون نگار ان تمام کتابوں کے حوالہ / نام تحریر کرتا ہے جو دوران تحریر زیر مطالعہ رہی ہیں۔ راقم الحروف نے ماسبق سطور میں کہیں کہیں حوالے دیے ہیں۔ یہ سطور باقاعدہ مضمون کی طرح نہیں بلکہ مولانا حامد علی سلمہ کے ترجمہ کو پڑھ کر اپنے تاثرات قلبی کا اظہار کر دیا ہے اور نیت یہ رہی ہے کہ ان سطور سے کسی نے بھی کسب فیض کیا وہ میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہو گا۔

شق القمر کے وقت دنیا کے مختلف اوقات کا جدول

قارئین محترم! ذیل میں دیا گیا یہ چارٹ میں نے کسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ میرے مطالعہ کے مطابق دنیا کی جغرافیائی تقسیم بدلتی رہتی ہے، یہ نقل اب اس لیے پیش کیا تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس وقت ان علاقوں میں کیا وقت ہوا تھا۔ رات کو دو بجے وسط شب ابتدائی رات دس بجے عموماً گہری نیند کا وقت ہوتا ہے، منکرین کے مطابق کیا دنیا اس وقت شق قمر کا انتظار کر رہی تھی اور جہاں دن تھا وہاں کے رہنے والے اپنے کام چھوڑ کر اس کو دیکھنے کے لیے دھوپ میں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور سورج کی چکاچوند ان کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کر رہی تھی۔

ملک کا نام	منٹ	گھنٹہ	دن / رات
آئرلینڈ، انگلستان، فرانس، بیلجیم، اسپین،	۱۱	۰۶	دن

پرتگال وغیرہ			
امریکہ	۲۰	۰۱	رات
برما	۵۰	۰۱	رات
برٹش کولمبیا	۲۰	۱۰	دن
بلغاریہ، رومانیہ، ترکی، یونان، جرمنی، سوئیڈن، ڈنمارک، لگزمبرگ۔	۲۰	۰۸	دن
تسمانیہ، نیوساؤتھ ویلز	۲۲	۰۵	صبح
جزائر سینڈوک	۵۰	۰۷	دن
سموٰی	۲۰	۰۶	دن
سنٹرل برازیل، چلی	۲۰	۰۲	رات
لوکون	۲۴	۰۹	دن
ماریشس	۲۰	۱۱	رات
میڈیٹیرا، آئس لینڈ	۲۰	۰۵	صبح
مشرقی برازیل	۲۰	۰۲	رات
مڈغاسٹر، شمالی لینڈ	۲۰	۱۰	دن
نیوزی لینڈ	۵۰	۰۶	دن
ملایا(ریاستین)	۲۰	۰۲	رات
ملیشیا، ہندوستان	۵۰	۱۲	رات

(منقول)

قارئین کرام فاضل مترجم کتاب ڈاکٹر علیمی سلمہ نے معجزۂ شق القمر کے موضوع پر بہت کچھ لکھ دیا اور اصل موضوع کے لیے شاید جگہ نہ چھوڑی۔

محمد اطہر نعیمی

تذکرہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

باسمہ سبحانہٗ

پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

اللہ کریم کا شکر اور بزرگوں کا فیض ہے کہ اس گم نام بندۂ ناچیز کے پاس اکثر وبیشتر احباب تشریف لاتے رہتے ہیں۔ ان میں وہ احباب بھی ہیں جن سے میں واقف ہوں اور وہ بھی ہوتے ہیں کہ مین ان سے واقف نہیں۔ گذشتہ ہفتہ (۷/مارچ، ۲۰۱۵ء) جناب توفیق جوناگڑھی صاحب تشریف لائے اور ایک کتاب ''رد قادیانیت اور سُنّی صحافت'' پیش کی۔ یہ کاوش عزیزم جناب محمد ثاقب رضا قادری سلمہٗ کی ہے، میں نے جوناگڑھی صاحب سے معلوم کیا کہ یہ کتاب میرے مطالعہ کے لیے ہے یا فاضل مرتب نے کچھ فرمائش بھی کی ہے۔ عام طور پر قلم کار حضرات کتاب پیش کر کے قاری کے تحریری تاثرات چاہتے ہیں، جس کو ہم ''تقریظ'' کہتے ہیں۔ (ماضی میں اسے نقد و نظر کہا جاتا تھا جبکہ تنقید کا لفظ اب محاسن کی بجائے معایب کہا جاتا ہے۔)

مختصراً جوناگڑھی صاحب نے کہا کہ فاضل مرتب مولانا قادری صاحب مولانا غلام معین الدین نعیمی مرحوم کے بارے میں آپ کے (محمد اطہر نعیمی) تاثرات چاہتے ہیں۔ جواباً میں نے عرض کیا کہ میں تو اس شخصیت سے واقف نہیں اور آج کل جب تک قلم کار سے واقفیت نہ ہو اور مرتب کردہ مضامین سامنے نہ ہوں، کچھ کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فاضل مرتب کتاب سے رابطہ نہ ہوا، انہی دنوں میرے

ایک مخلص ڈاکٹر مولوی حامد علی علیمی (پی۔ایچ۔ڈی)، جو میرے پاس آتے رہتے ہیں اور یوں کہوں کہ میرے مزاج میں دخیل بھی ہیں، مجھے اس طرف توجہ دلائی تو میں نے کہا کہ جوناگڑھی صاحب سے میں کہہ چکا ہوں، تو عزیزی حامد علی سلمہٗ نے کہا کہ ان کے لیے نہیں لیکن میری درخواست پر میرے لیے کچھ لکھ دیں۔ علیمی صاحب نے یہ بھی کہا کہ پہلے مولانا ثاقب قادری نے اس سلسلہ میں عزیزی سید وجاہت رسول قادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تھا، تو موصوف نے یہ کہا تھا کہ اس سلسلہ میں آپ راقم الحروف محمد اطہر نعیمی سے رجوع کریں۔

میں نے عزیزی حامد علی سے کہا کہ آپ دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ پیرانہ سالی علالت اور رفیقہ حیات کی تیارداری اور حالات حاضرہ کی وجہ میرے لیے کچھ لکھنا ممکن نہ ہوتا، لیکن اس ضرب المثل کے مطابق 'دل بدست آور کہ حج اکبر ست' بغیر پیسے خرچ کیے حج اکبر کا ثواب مل رہا ہے، حالاں کہ مجھے حج کی سعادت چار مرتبہ حاصل ہوئی، لیکن حج اکبر نصیب نہ ہوا، اب حج اکبر کا ثواب مل رہا ہے تو یہ سعادت حاصل ہو جائے گی۔

ناظرین کرام! مجھے یہ احساس ہے کہ میں ایاز قدر خود بشناس کا قائل ہوں مجھے یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ مستقبل میں ایسا بھی ہونا ہے کہ مجھے ماضی کی یادوں کو قلم بند کرنا پڑے گا اور قہر درویش بجان درویش کے مطابق نہیں بلکہ حج اکبر کے ثواب کے لیے یہ سطور قلم بند کی جا رہی ہیں۔

مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد کے بارے میں:

مولانا غلام معین الدین مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا اصل وطن صوبۂ سرحد حال خیبر پختون خواہ (پاکستان) تھا، لیکن ان کے دادا جن کا نام یاد نہیں، البتہ یہ یاد ہے کہ ان کے نام کے آخر میں بخش آتا تھا۔ یہ اپنے علاقہ سے بمصداق 'دو چیز آری را کشد زود زور، یکے آب و دانہ دگر خاک گور۔ ترک وطن (ہجرت) کر کے کراچی کی طرف، جس کو گلے لگانے پر آمادۂ غریب پرور اور امراء نواز شہر مراد آباد آئے۔ برصغیر غیر منقسم ہندوستان کا یہ شہر ظروف سازی کی صنعت کی وجہ سے ہندوستان ہی نہیں بل کہ غیر ممالک میں بھی مشہور تھا، چنانچہ مولانا غلام معین الدین کے دادا مراد آباد آئے، ان کا ذریعہ معاش کیا تھا یہ میرے علم میں نہیں (یاد نہیں) البتہ یہ یاد ہے کہ ابتدا میں یہ لوگ محلہ گل شہید یا کٹار شہید میں رہتے تھے۔

مولوی غلام معین الدین کے والد صابر حسین المعروف صوفی صابر اللہ شاہ پیشہ کے اعتبار سے خطاط، کاتب تھے اور متوسط الحال زندگی گزارتے تھے اور موجودہ دور کی اصطلاح کے مطابق Lower Middle طبقہ سے تھے۔ معاشرتی زندگی میں آج کل امیر کلاس اور متوسط کلاس دو حصوں میں تقسیم ہے، اپر مڈل اور لوئر مڈل اور غریب۔ اس طرح صابر حسین صاحب کو نہ تو غریب کہا جائے گا اور نہ مال دار۔

صوفی صابر حسین صاحب جو "صوفی صابر اللہ شاہ" کے نام سے مشہور تھے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ صوفی صاحب برصغیر کے مشہور خانوادہ اشرفیہ کے شیخ شبیہ غوث الثقلین حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں کے دست گرفتہ (یعنی:

مرید) تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب نے انہیں ”صوفی صابر اللہ“ کہہ کر مخاطب فرمایا تھا اس لیے صابر حسین سے ”صابر اللہ“ ہو گئے، اسی نسبت کی وجہ سے حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات تھی۔ (صوفی صاحب کے خاندان کے متعلق مفصل معلومات نہیں اور بہت سی باتیں یاد بھی نہیں۔)

غلام معین الدین نام اور والد نے عرفیت 'مخدوم میاں' رکھی تھی، اس لیے غلام معین الدین اور مخدوم دونوں سے پکارے جاتے تھے۔ ان کے متعلق صرف اتنا معلوم تھا کہ صوفی صاحب کے بیٹے ہیں اور وہ بھی اس لیے یاد رہا کہ یہ میرے ہم سبق تھے، ان کے بھائی بہن کتنے اور کون تھے یہ ذہن میں نہیں اور نہ یاد رکھنے کی ضرورت ہوئی، کیوں کہ کس کو معلوم تھا کہ نصف صدی گزرنے کے بعد مولانا ثاقب صاحب میری یادداشت کا امتحان لیں گے۔!!!

ایک مدت سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ عربی، فارسی یا دینیات کی تعلیم صرف غرباء کے لیے ہے، اپر کلاس، اپر مڈل کلاس کی تعلیم آسودہ حال لوگوں کے لیے ہے، چوں کہ صوفی صاحب آج کل کی تقسیم کے مطابق لوئر مڈل کلاس میں تھے، اس لیے صوفی صاحب نے بیٹے (غلام معین الدین) کو اردو، دینیات اور فارسی کے لیے مدرسہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل کرا دیا۔

فارسی، اعلی اردو کی ابتدائی کتابوں کے لیے یاد نہیں البتہ یہ یاد ہے کہ گلستان بوستان (فارسی) میں اور اردو میں بہار شریعت حصہ دوم اور سوم راقم الحروف محمد اطہر نعیمی، مولوی غلام معین الدین نعیمی، مولوی نذیر الاکرم مرحوم اور برصغیر

پاک وہند کے مشہور عالم مفتی محمد حسین نعیمی مرحوم وغیرہم ہم سبق تھے۔

مفتی محمد حسین نعیمی ہم سب ساتھیوں میں عمر اور خداداد صلاحیتوں کے سبب ممتاز تھے اور یہ راقم الحروف عمر کے لحاظ سے سب سے کم۔ مفتی محمد حسین صاحب اپنی عمر اور خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ہم سب سے آگے نکل گئے اور بقول شخصے سال میں دو دو کلاسیں پڑھتے ہوئے سب سے آگے نکلے اور ہم سے کئی سال پہلے فارغ التحصیل ہو کر اس کم عمری میں انجمن نعمانیہ لاہور میں مدرس بن گئے، بعد میں جامعہ نعیمیہ لاہور قائم کیا جو آج پاکستان کے مشہور مدارس میں شمار کیا جاتا ہے۔

مولوی نذیر الاکرم اور مولوی غلام معین الدین کی دستار بندی مجھ (راقم الحروف) سے پہلے ہوئی، اس کی وجہ میری کوتاہی نہیں بلکہ الٰہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان اور انگریزی تعلیم کی وجہ مشغولیت رہی۔

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسی شفقت فرماتے جو والدین سے نہیں ملتی تھی۔ جب اپنے عام شاگردوں کو سند حدیث دیتے تو عام شاگردوں کے لیے اخ العزیز فلاں بن فلاں لکھتے، لیکن جب اپنے خاص شاگردوں کو سند دیتے تو "ولدی الاعز فلاں بن فلاں" تحریر فرماتے۔

مولانا غلام معین الدین اور مولوی نذیر الاکرم کی سندوں میں "ولدی الاعز " تحریر فرمایا ہے۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے استاد اور شیخ (اول) حضرت علامہ مولانا محمد کل (المعروف بہ محمد گل) قدس سرہ نے جو سندیں عطا فرمائیں، ان سے اندازہ کریں کہ حضرت صدر الافاضل کے استاد اور شیخ کس قدر شفقت فرماتے تھے۔

مولوی غلام معین الدین کے لیے اعزاز:

ماسبق صفحات میں جو لکھا ہے اس کے نتیجہ کے طور پر مولوی غلام معین الدین نعیمی کے والد خطاط و کاتب تھے، تقسیم ہند اور اس سے قبل جب اردو دشمنی اور ہندی زبان کا دور دورہ شروع ہوا، تو اردو کتابت پر انحطاط شروع ہوا تو صوفی صابر اللہ صاحب بھی اس سے متاثر ہوئے، ادھر صدر الافاضل کثرت کار کی وجہ سے علیل رہنے لگے۔ تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی صاحب قدس سرہ جامعہ نعیمیہ کی تدریس، مدرسہ کا انتظام، سُنّی کانفرنس وغیرہ کے کاموں کی وجہ سے مصروف ہونے لگے، تو ایک معاون کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور وہ معاون باصلاحیت اور قابل اعتماد بھی ہو اور ضرورت مند بھی اس کسوٹی پر مولانا غلام معین الدین مرحوم پورے اُترے اور بہ حیثیت منصرم (معاون) آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں ان کا تقرر ہوا۔ یہ واقعہ تقسیم ہنس سے چند سال قبل کا ہے۔(سنین کے معاملہ میں میرا حافظہ کمزور ہے) مولانا نے اپنی ذمہ داریوں کو کس طرح نبھایا کہ ایک وقت وہ آیا کہ مولانا صرف ان اوقات میں اپنے گھر جاتے جب کہ تاج العلماء، صدر الافاضل کی خدمت میں ہوتے تھے۔

مجھے یہ یاد نہیں کہ موصوف کی شادی تقسیم ہند سے پہلے ہوئی یا بعد میں، اتنا یاد ہے کہ صدر الافاضل نے مولوی غلام معین الدین کے والد سے کہا کہ بیٹے کی شادی کرو۔ صوفی صاحب نے کم مائیگی کا عذر کیا تو صدر الافاضل نے فرمایا: ”اطمینان رکھو اس کی شادی کا انتظام میں کروں گا اور منشی سید مہدی علی مرحوم کی بیٹی سے رشتہ طے کر دیا۔ یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ بعض نکتہ چینوں نے منشی

صاحب (سید مہدی علی) سے کہا کہ بیٹی کی شادی غیر سیدوں میں کر رہے ہو، تو مہدی علی صاحب نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ صدر الافاضل نے طے کیا ہے۔

صدر الافاضل کی روحانیت کے قربان جس کا اظہار برسوں بعد ہوا کہ لڑکے والوں کا تعلق خاندان کاکا خیل سے تھا اور کاکا صاحب کے بارے میں مراد آباد والے واقف نہ تھے، اسی لیے مولوی غلام معین الدین مرحوم پہلے ہی اپنے نام کے ساتھ کاکا خیل لکھتے تھے، پاکستان آنے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ کاکا صاحب کا تعلق سادات سے تھا، تو "سید" لکھنا شروع کر دیا، جس پر لوگوں نے کہا تھا کہ صوفی صابر حسین نے پاکستان آکر ذات بدل لی، لیکن حقیقت میں صدر الافاضل نے پہلے ہی غیر سیدوں کا رشتہ سیدوں میں طے کر لیا تھا۔

مولوی غلام معین الدین نے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے بعد نہ صرف سُنّی کانفرنس سے متعلق رہے بل کہ ہمہ وقت علمی معاشرتی کاموں کے علاوہ صدر الافاضل کے صاحب زادگان کی خدمت میں مشغول رہتے اور اپنی مصروفیت کا عذر نہ کرتے۔ راقم الحروف کو مولوی غلام معین الدین مرحوم کے گھریلو حالات نہ تو یاد آرہے ہیں اور نہ گھریلو حالات کا قارئین سے کوئی تعلق ہے۔ اب مولوی صاحب کے جوہر کھلنے لگے اور غلام معین الدین نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا شروع کر دیا، سفر وحضر میں صدر الافاضل کے ساتھ رہتے۔

برصغیر میں جب دو قومی نظریہ کی دھوم مچی اور سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کے مطالبہ کی نہ صرف تائید کی بل کہ اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس

موقع پر نوجوان غلام معین الدین اور ان کے ساتھی نذیر الاکرم اور راقم الحروف ساتھ تھے۔ طوالت کے خوف سے تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے، برصغیر میں سُنی علما (بریلوی) کی وہ تاریخی کانفرنس بنارس میں اواخر اپریل ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئی اور تحریک پاکستان کی بھرپور تائید کی، بلکہ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی محدث اعظم ہند نے جلسہ عام میں فرمایا تھا: اگر (بفرض محال) مسلم لیگ مطالبہ پاکستان سے منحرف ہو بھی جائے، لیکن سنی کانفرنس اس مطالبہ سے نہ ہٹے گی۔ اس کانفرنس میں خیبر سے راس کماری تک علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی، اس کانفرنس نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا، اگر اس کے سلسلہ میں کچھ لکھوں تو بات طویل ہو جائے گی۔ مزید تفصیلات اگر درکار ہوں تو حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سنّی کانفرنس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، میرے پاس یہ کتاب تھی اس کے اقتباسات اخذ کیے جا سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان صاحب پر رحم فرمائے جو مطالعہ کے لیے لے گئے تھے اور تاہنوز واپس نہیں کی۔

مولانا غلام معین الدین پاکستان میں:

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے دوران مولوی غلام معین الدین نے اپنے بزرگوں اور ملک و ملت کی جو خدمت کی، اس کا فیض دنیا میں بھی اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ملے گا۔ تقسیم ہند کے بعد وہ علماء و شیوخ سیاست دان اور تحریک سے منسلک حضرات کو جن حالات سے واسطہ پڑا، اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا

ہے، منزل اُنھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ ایک بات ضرور لکھنی ہے کہ دور ابتلا میں جمعیۃ العلماء ہند اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا، اس کے سبب تحریک پاکستان میں شریک علماء ومشائخ اور عوام کے لیے ہندوستان میں رہنا مشکل ہو گیا۔

میرے والد محترم تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سنی کانفرنس کے نائب ناظم تھے اور مولوی غلام معین الدین مرحوم خصوصی کارپرداز (منصرم) ان پر خصوصی نظرعنایت ہونے کی وجہ سے مجبوراً ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا، حالاں کہ ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہم مسلم اکثریت کے علاقوں میں سے نہیں ہمیں ہندوستان میں ہی رہنا ہے، لیکن اختصار کے ساتھ کہوں اور غالباً سابقہ سطور میں بھی لکھ چکا ہوں:

دو چیز آری را کشد زور زور یکے آب ودانہ دگر خاک گور

غلام معین الدین کو لاہور کی مٹی نے کھینچا، تو مفتی محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کراچی کی مٹی نے، یہ حضرات پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔

مجھے مولانا غلام معین الدین مرحوم کے بارے میں لکھنا ہے، اس لیے صرف اس کے سلسلہ میں اپنی یادداشت کے مطابق مجھے یاد نہیں کہ میں پہلے پاکستان آیا، یا میرے ممدوح میں تنہا پاکستان آیا گھر والے بعد میں آئے اور والد صاحب تقریباً آٹھ دس ماہ بعد، چوں کہ ہمارے رشتہ دار اور واقف کار کراچی میں تھے، اس لیے کراچی وطن ثانی بنا جب کہ مولانا ممدوح لاہور میں مقیم ہوئے۔ بعض حالات ڈاکٹر حامد علی سلمہ نے اپنی دوسری کتاب میں لکھے ہیں۔

ذریعہ معاش کے لیے صدرالافاضل کی تربیت نے دستگیری کی، طب کی تعلیم کے ساتھ دواسازی کی جو تربیت حاصل کی تھی، اس کے سہارے موچی گیٹ کے علاقہ میں ایک مخلص نے ایک کمرہ کرایہ پر دلوادیا، یہاں انھوں نے مطب اور دواخانہ شروع کیا، لیکن بقدر ضرورت آمدنی نہ ہو سکی اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بچپن سے صدر الافاضل کی خدمت میں حاضری سے سیاست، طبیعت ثانیہ بن چکی تھی اور اس کے لیے مواقع بھی میسر آ گئے۔

ان کا مطب دواخانہ نشست گاہ سیاست کا مرکز بننے لگی اور خوش قسمتی سے ان کے مطب سے حضرت علامہ مولانا سید ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا مکان قریب ہی تھا، وہاں آمد ورفت ہونے لگی تو مطب کی آمدنی اور کم ہو گئی، لیکن یہ حضرت اسی حالت میں مگن رہے لیکن علمی ذوق میں ابھار آیا اور کتابوں کے تراجم شروع کیے، ابتدا میں رسائل کے ترجمے کیے، بعد میں شفا قاضی عیاض، مدارج النبوۃ اور ماثبت بالسنۃ کے اردو ترجمے کیے تو گزارے کے قابل آمدنی ہونے لگی اور ایک ہفت روزہ "سواد اعظم" لاہور کے نام سے جاری کیا۔

اب سیاسی سرگرمیاں سر اُٹھانے لگی تھیں اور مولانا سید ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں جمعیۃ العلماء پاکستان کے سرکردہ کارکن بنے۔ (یہاں یہ بات توجہ کے لائق ہے) جمعیۃ کے وہ کارکن عہدہ دار جو جمعیت کے روح رواں کہلاتے تھے، انہوں نے جب ایک جوان العمر تجربہ کار اور کام کی لگن رکھنے کے ساتھ مولانا ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد کو ابھرتے دیکھا، تو غلام معین الدین نظروں میں کھٹکنے لگے اور آہستہ

آہستہ غلام معین الدین مرحوم بھی تنظیم سے نام کے ہی طور پر وابستہ رہے، یہاں یہ بات مد نظر رہے کہ بچپن سے سنتے آئے ہیں؛ کَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاء۔

پاکستان میں صف اول کے بزرگوں کی وفات کے بعد صف دوم کے لوگ آگے آئے، جن میں مولانا غلام معین الدین اور دوسرے شامل تھے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس طرح کریں، شیخ الحدیث محدث اعظم پاکستان علامہ مولانا سردار احمد صاحب سے مسائل شرعیہ کے بارے میں جو خط وکتابت ہوئی، اس سے موصوف کی علمی صلاحیت کا اندازہ ہو گا۔

ممدوح مولانا غلام معین الدین مرحوم کے دو مکتوب جو شیخ الحدیث کو لکھے گئے، دسمبر ۱۹۶۰ء اور مارچ ۱۹۶۱ء یہ مکتوب مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نوادرات محدث اعظم پاکستان میں طبع ہوئے ہیں۔

راقم الحروف (محمد اطہر نعیمی) اور ممدوح کتاب میں جس محبت وخلوص کا تعلق تھا، اس کے سلسلہ میں اگر ان کی لاہوری زندگی کے بارے میں کچھ لکھوں تو ممکن ہے کہ بعض متوسلین ناراض ہو سکتے ہیں۔ موصوف کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اس کے متعلق حافظ شیرازی ایک شعر

من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

وصال: موصوف کا انتقال ۴/ اگست ۱۹۷۱ء مطابق ۱۲/ جمادی آخر ۱۳۹۱ھ کو لاہور میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف کو شہادت کی موت ملی اور ان کے بعض وہ لوگ جو مخلص کہلائے جاتے تھے انہوں نے زہر دیا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

صابر براری نے آپ کے انتقال پر یہ اشعار قلم بند کیے:

آہ رخصت ہوئے معین الدیں
اہلِ حق اُن کے ہجر میں ہیں ملول
ہفت روزہ 'سوادِ اعظم' کے
تھے مدیرِ مکرم ومقبول
جان ودل سے تمام عمر رہے
فرضِ تبلیغِ دیں میں مشغول
گلشنِ دہر میں مہکتے ہیں
اُن کی تصنیف کے شگفتہ پھول
کہیے صابرؔ وفات کی تاریخ
عارفِ خلد ہے فدائے رسول[۸]

۱۳۹۱ھ

۸۔ ہفت روزہ سوادِ اعظم، لاہور جولائی ۱۹۷۲ء۔

عکسی نوادرات
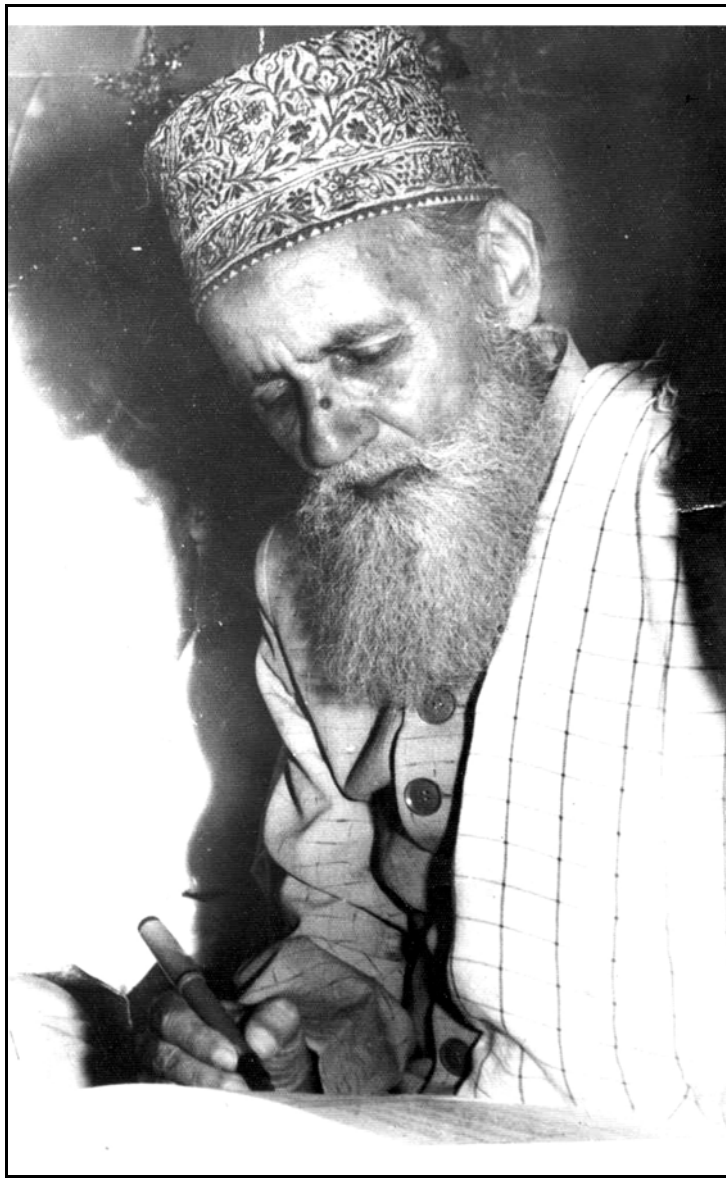
تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہوئے۔

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تقریبِ نکاح میں۔
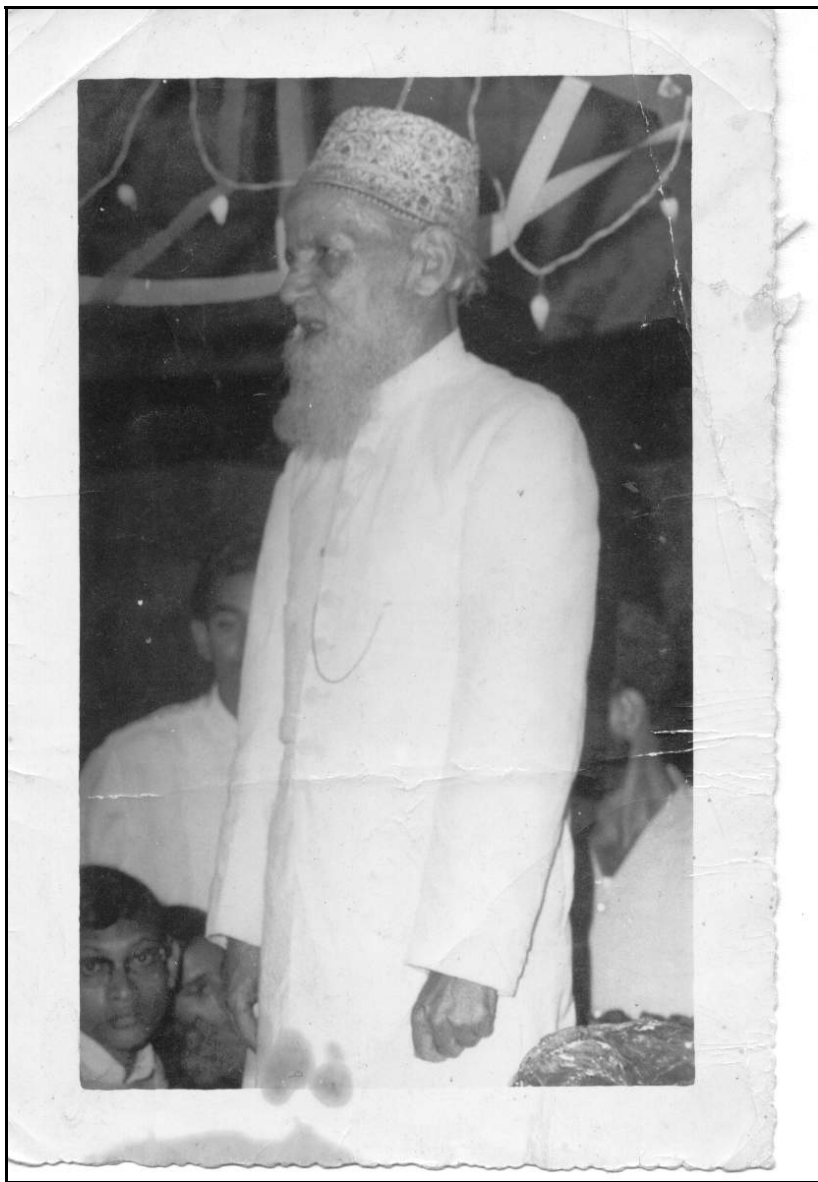
تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ خطبہ پڑھتے ہوئے۔
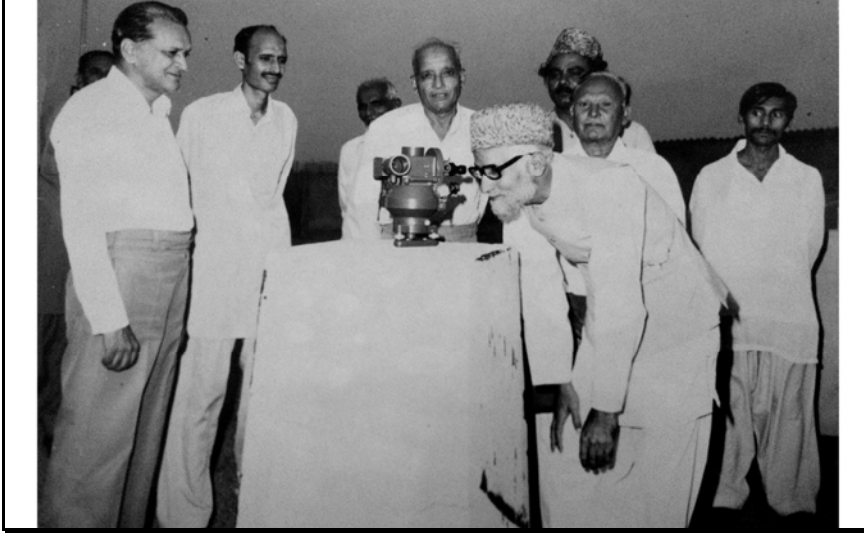
مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم بحیثیت چیئرمین مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان۔

مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم بحیثیت چیئرمین مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان کے دفتر میں۔

مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم نمازِ عید کی امامت فرماتے ہوئے۔

مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم مصطفائی ٹی وی پر خطاب کرتے ہوئے۔

راقم حروف کی مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم کے ساتھ انٹرویو لیتے ہوئے ایک نشست۔

راقم حروف کی مفتی محمد اطہر نعیمی دامت برکاتہم کے ساتھ ایک نشست۔

جامعہ نعیمیہ مرادآباد

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کا مزار

جامع مسجد آرام باغ کراچی

جامعہ نعیمیہ کراچی